

مصباح العقائد

مؤلف

ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر

بدھ ازم

عیسائیت

ہندو ازم

مرزائیت

دیوبندیت

شیعیت

وہابیت







مصباح العقائد

مؤلّف

ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمّد زبیر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

نام کتاب	مصباح العقائد
مؤلف	ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر
تاریخ اشاعت	اگست 2009ء
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	AD47
قیمت	-/200 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

پیشِ لفظ

آج سے تقریباً ۱۸ سال قبل عوام اہلسنّت کے عقائد کو مضبوط کرنے کیلئے حضور قبلہ صاحبزادہ ابوالخیر مفتی محمد زبیر صاحب دامت برکاتہم وفیوضہم نے "شریعت کورس" کے نام سے بعد نماز عشاء کلاسز کا آغاز فرمایا جس میں شہر کے ممتاز علماء کرام، ائمہ کرام، وکلاء حضرات، ڈاکٹرز، پروفیسرز اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کر کے استفادہ کیا قبلہ صاحبزادہ والاشان نے اس شریعت کورس میں اس قدر خوبصورت اور سہل انداز میں مختلف مذاہب و مسالک (عیسائیت، قادیانیت، شیعت، پرویزیت، خارجیت وغیرہ) کے عقائد باطلہ کو ذکر فرما کر ان کے رد کیلئے قرآن واحادیث سے جو جامع آیات واحادیث کا انتخاب فرمایا ان کو سن کر علماء ہی نہیں بلکہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے عوام بھی داد تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکے لہٰذا جس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے قبلہ صاحبزادہ والاشان نے کئی سال پہلے کام کا آغاز کیا تھا آج اسی مشن کو پورا کرنے کیلئے "مجمع البحوث المحمودیه" آپ کے اس کام کو اور مختلف علمی کاموں کو بھی وقتاً فوقتاً منظر عام پر لا رہی ہے یہ امید رکھتے ہوئے کہ ہر عام وخاص اس سے استفادہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب تصنیف کے علم وعمر اور صحت میں مزید برکتیں عطا فرمائے اور ان کے وجود مسعود سے ہم سب کو مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین۔

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید

توحید کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے، یعنی وہ اپنی ذات، صفات، افعال اور مستحق عبادت ہونے میں یکتا اور یگانہ ہے، ان میں سے کسی میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، اگر ان میں سے کسی میں بھی اس کا کوئی شریک مانا جائے تو یہ شرک کہلائے گا اور ایسا کرنے والا مشرک کہلائیگا اور وہ اسلام سے خارج ہوگا۔

اقسام توحید: ۔توحید کی تین قسمیں ہیں (۱) توحید فی الذات (۲) توحید فی الصفات (۳) توحید فی العبادات ۔اسی طرح توحید کی ضد شرک کی بھی تین قسمیں ہیں۔ (۱) شرک فی الذات (۲) شرک فی الصفات (۳) شرک فی العبادات ۔ان سب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

توحید فی الذات

توحید فی الذات کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات میں اس کا کوئی شریک مثیل اور مماثل اور مشابہ نہیں یعنی کائنات میں اس جیسی کوئی ذات نہیں، اگر کوئی شخص اس کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہے تو وہ شرک فی الذات کر رہا ہے اور ایسا کرنے والا مشرک کہلائے گا۔

قرآن پاک میں اس توحید کو یوں بیان فرمایا گیا:

توحید:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُنْ

لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

(ترجمہ) تم فرماؤ کہ وہ اللہ ہے، وہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ اور برابر کا کوئی ہے" (اخلاص: ۳۰)

قرآن میں ایک اور مقام پر توحید ذاتی کا بیان دلائل عقلیہ کے ساتھ یوں فرمایا گیا

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ ؕ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱۱ (سورۃ شوریٰ آیت نمبر: ۱۱)

ترجمہ: وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اسی نے تمہاری جنس میں سے تمہارے لئے جوڑے بنائے اور چوپایوں کے بھی جوڑے بنائے (یعنی نر و مادہ بنائے) اور تمہاری نسل زمین میں پھیلاتا ہے، کوئی چیز اس کے مثل نہیں وہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے

عیسائیوں میں عقیدہ تثلیث: عیسائی بظاہر تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں لیکن وہ جس عقیدہ تثلیث کے قائل ہیں وہ توحید فی الذات کے سراسر منافی ہے اور صریحاً شرک ہے ان کے عقیدہ تثلیث (Trainitarian Doctrine) کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے (باپ، بیٹا، روح القدس) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس کی تشریح یوں بیان کی گئی ہے:

"تثلیث کے عیسائی نظریہ کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں"

مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن اپنی مشہور کتاب (On the Trinity) میں لکھتا ہے:

"باپ بیٹا اور روح القدس مل کر ایک خدائی وحدت تیار کرتے ہیں جو اپنی ماہیئت اور حقیقت کے اعتبار سے "ایک" اور "ناقابل تقسیم" ہے اس وجہ سے وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا لہٰذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں اس طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا لہٰذا جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے (Basic writing of St Augustaine by A.W Haddn) لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ میں پیدا ہوئی اسے پنطیس پیلاطس نے پھانسی دی اسے دفن کیا گیا اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی جب اسے بپتسمہ (عیسائی مذہب کی ایک رسم جس میں عیسائی بننے والے کو غسل دیا جاتا ہے تیل سے مالش کرنے کے بعد) دیا جا رہا تھا (متی ۳:۱۶) بلکہ یہ واقعہ روح القدس کا تھا، علیٰ ھٰذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا، جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے بلکہ یہ الفاظ صرف

باپ کے تھے جو بیٹے کیلئے بولے گئے اگر چہ جس طرح باپ بیٹا اور روح القدس نا قابل تقسیم ہیں اسی طرح نا قابل تقسیم طریقہ پر وہ کام بھی کرتے ہیں یہی میرا عقیدہ ہے اس لئے کہ یہی کیتھولک عقیدہ ہے''

(جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۶۷۲) مطبوعہ نیویارک ۱۶)

باپ، بیٹا اور روح القدس: عیسائیوں کے یہاں باپ سے مراد تنہا خدا کی ذات ہے قطع نظر اس کی صفات کے، باپ کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے کسی کو جنا ہے، کسی وقت باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا بلکہ خدا کی ذات کو باپ کے لفظ کے ساتھ تعبیر کر کے ایک تو یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح باپ بیٹے کے لئے اصل ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی اپنے صفت کے لئے اصل ہے۔

اور بیٹے سے مراد خدا کی صفت کلام ہے (Word of God) یہ انسانی صفت کلام کی طرح کوئی عرض نہیں بلکہ جوہر ہے جو خدا کی ماہیئت میں ایک اپنا علیحدہ وجود رکھتی ہے اس لئے اس کو بیٹا کہا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تمام معلومات اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں اور اسی کے ذریعہ وہ تمام اشیاء کو پیدا کرتا ہے، خدا کی یہ صفت قدیمی ہے اور یہی صفت یسوع مسیح بن مریم کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی، اسی لئے یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔

روح القدس (Holy Spirit) سے مراد باپ بیٹے کی صفت حیات ہے اور صفت محبت ہے، یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی ذات اپنے بیٹے (علم) سے محبت کرتی ہے ، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ بیٹے کی طرح قدیم ہے اسی لئے اس کو ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے ، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح پر نازل ہوئی تھی (متی ۱۶:۳) اور اس کے

بعد جب مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا تھا تو عید پینسٹی کوسٹ کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیح کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی۔

معمہ: سوال یہ ہے کہ جب باپ، بیٹے اور روح القدس علٰیحدہ علٰیحدہ خدا ہیں ان کی علٰیحدہ ذاتیں ہیں تو تینوں ملکر ایک خدا کیسے ہو گئے؟ اور توحید کہاں رہی؟ عیسائیوں نے اس معمہ کو حل کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن آج تک یہ معمہ حل نہ ہوسکا عیسائیوں کی طرف سے اس کے جو متعدد حل اور توجیہیں اور ان کے جوابات دیئے گئے ہیں مختصراً پیش کئے جاتے ہیں:

توجیہ اول: پادری قائم الدین نے لاہور سے ۱۹۳۷ء میں بکشف التثلیث کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں اس کی توجیہ یہ کی کہ:

"اس نے خداؤں کے مجموعہ کو انسانی جسم سے تشبیہ دی جو ہڈی، خون اور گوشت سے مل کر بنتا ہے لیکن پھر بھی ایک جسم کہلاتا ہے"

لیکن یہ توجیہ ان کے اپنے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ ہڈی خون، گوشت (افراد) نہیں بلکہ اجزاء ہیں جبکہ عیسائی باپ، بیٹے روح القدس کو اجزاء نہیں بلکہ مستقل افراد مانتے ہیں اور ان کو (Person) سے تعبیر کرتے ہیں ان کو علٰیحدہ علٰیحدہ خدا مانتے ہیں، اس کے برخلاف علٰیحدہ علٰیحدہ، ہڈی، گوشت کو کون انسان کہہ سکتا ہے، ہاں ان سب کا مجموعہ انسان کہلائیگا۔

توجیہ دوم: آگسٹائن نے اس معمہ کو یوں سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ:

"دیکھو دماغ کو جس طرح اپنے وجود کا علم ہے تو یہاں دماغ ایک ذات ہے جو عالم بھی ہے آلہ علم بھی، اور معلوم بھی ہے، درحقیقت تین جدا چیزیں ہیں لیکن ایک ہی ہیں۔ اسی طرح تین اقانیم ہر ایک خدا ہیں لیکن حقیقت میں ایک ہے"

لیکن یہ توجیہ بھی درست نہیں کیونکہ دماغ حقیقت میں ایک ہے اس کے تین علیٰحدہ علیٰحدہ افراد نہیں، بلکہ ایک چیز کے مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے نام بدل رہے ہیں جبکہ یہاں تین اقانیم خارجی اپنا علیٰحدہ علیٰحدہ وجود رکھتے ہیں۔ وہ ایک کیسے ہو سکتے ہیں اس کی تفصیل پچھلے اقتباس میں گزری جہاں تینوں خداؤں کے علیٰحدہ علیٰحدہ افعال اور احکامات کا ذکر کیا گیا ہے

توجیہ سوم: آگسٹائن ایک اور مثال کے ذریعہ توجیہ کرتا ہے کہ:

> "دماغ اپنی صفت علم سے محبت رکھتا ہے اور اس محبت کا اسے علم ہے لہٰذا یہاں تین چیزیں پائی گئیں ایک دماغ دوسرا محبّ (محبت کرنے والا) اور تیسرا عالم اور یہ تینوں چیزیں ایک ہیں اس لئے کہ محبّ بھی دماغ ہے عالم بھی دماغ ہے اور دماغ تو دماغ ہے ہی۔ اسی طرح باپ اس کا بیٹا (علم اور روح القدس (علم) یہ تینوں ایک خدا ہیں"۔

لیکن اس کا بھی وہ ہی پہلا والا جواب ہے کہ وہاں حقیقت میں دماغ ایک خارجی وجود ہے اس ایک حقیقت کے مختلف حیثیتوں کے باعث مختلف نام بدل رہے ہیں جبکہ یہاں تینوں اقانیم کے علیٰحدہ علیٰحدہ خارجی وجود ہیں لہٰذا حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ ناقابل فہم ہے۔ ہاں اگر خدا کا ایک وجود مان کر علم اور محبت وغیرہ کو صفات مان لیا جائے اس کا علیٰحدہ وجود نہ مانا جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں یہ عقیدہ اسلام کے مطابق ہے۔

توجیہ چہارم: بعض ہندوستانی پادری اس کا الزامی جواب مسلمانوں کو یہ دے کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں کہ:

> "یہ ایک سربستہ راز ہے جسے ہم سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور یہ عقیدہ

تثلیث اسی طرح ہے جیسے قرآن میں متشابہات اور حروف مقطعات
کہ وہ بھی سمجھ میں نہیں آتے جیسے "الرحمن علی العرش
استویٰ "اسی طرح ہمارا یہ عقیدہ تثلیث بھی عقل سے ماوراء ہے"

جواب اول: ان کی اس توجیہ کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ دین اسلام میں جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اس پر ایمان لائے بغیر آدمی مؤمن ہی نہیں ہو سکتا وہ تمام امور اللہ تعالیٰ نے کھول کھول کر بیان فرما دیئے ہیں ان میں سے کوئی عقیدہ عقل ونقل کے خلاف نہیں متشابہات دین کے بنیادی عقائد پر مشتمل نہیں اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے پر موقوف نہیں برخلاف تثلیث کہ وہ پہلا عقیدہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر آدمی مومن ہی نہیں ہو سکتا نجات اور فلاح ہی نہیں پا سکتا، اگر اس اہم مسئلہ کو متشابہات سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی بات کا حکم دے رہا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے بالفاظ دیگر عیسائی عقیدہ کے مطابق انسانی نجات ایسے عقیدہ کے جاننے پر موقوف ہے جس کا جاننا اور سمجھنا انسان کی ہمت سے باہر ہے لہٰذا نجات کیسے حاصل ہوگی۔

جواب ثانی:

متشابہات کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ متشابہات کے جو ظاہری معنی ہیں وہ تو عقل کے خلاف ہیں اب جو حقیقی معنی ہیں وہ ہم سمجھ نہیں سکتے "اللہ ورسولہ اعلم بمرادہ "اللہ اور اس کا رسول بہتر جانیں۔ جبکہ عیسائی یہ کہتے ہیں کہ جو معنی ظاہری ہیں وہ ہی حقیقی معنی ہیں اور وہ ہی مراد ہیں اور وہ متعین ہیں اور ایسا ہی ایمان رکھنا ضروری ہے البتہ ہمیں اس کی دلیل سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا عقیدۂ تثلیث کو متشابہات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہاں اگر وہ یہ کہتے ہیں ہماری طرح کہ اس کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہے لہٰذا یہ مراد نہیں حقیقی مراد کچھ اور ہے جو اللہ جانے تو بات درست ہو جاتی۔

عقیدۂ حلول وتجسم: حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی عقیدہ یہ ہے کہ:

''باپ یعنی خدا کی صفتِ کلام (بیٹا کا اقنوم) انسان کی فلاح کیلئے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی اور یہ متحد کرنے والی طاقت روح القدس (صفت محبت) تھی۔ جب تک مسیح علیہ السلام دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کئے رہا یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو پھانسی دے دی اس وقت یہ خدائی اقنوم آپ کے جسم سے علیحدہ ہو گیا تھا پھر تین دن کے بعد آپ دوبارہ زندہ ہو کر حواریوں میں دکھائی دیئے اور انہیں کچھ ہدایتیں دے کر آسمان پر تشریف لے گئے اور یہودیوں نے آپ کو جو پھانسی چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایمان رکھنے والوں کا وہ گناہ معاف ہو گیا جو حضرت آدم کی غلطی سے ان کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا''۔

<u>اس عقیدہ کے چار بنیادی اجزاء ہیں:</u>

(۱): عقیدۂ حلول و تجسم (Incarnation)

(۲): عقیدہ مصلوبیت (Crucifixion)

(۳): عقیدۂ حیات ثانیہ (Resurrection)

(۴): عقیدۂ کفارہ (Redemption)

اس عقیدۂ حلول و تجسم کا بیان سب سے پہلے انجیل یوحنا میں اس طرح کیا گیا ہے:

''ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا'' (یوحنا ۱:۲۱)

''اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم

نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسے باپ کے اکلوتہ کا" (یوحنا ۱:۱۴)

چونکہ یہ بیٹا یعنی خدائی اقنوم کی حیثیت سے حضرت عیسیٰ میں حلول کر گیا تھا اس لئے عیسائی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی، انسانی حیثیت کے لحاظ سے حضرت مسیح خدا سے کم مرتبہ تھے اسی لئے انہوں نے کہا:

"باپ مجھ سے بڑا ہے" (یوحنا ۱۴:۲۸)

اور اسی انسانی حیثیت کے باعث ان میں تمام انسانی کیفیات بھی تھیں جبکہ خدائی حیثیت کے باعث وہ باپ کے ہم مرتبہ تھے۔ اسی لئے آپ نے یہ بھی کہا:

"میں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱۰:۳۰)

آگسٹائن لکھتا ہے کہ......

"خدائی حیثیت سے انہوں نے انسان کو پیدا کیا اور انسانی حیثیت سے وہ خود پیدا کئے گئے وہ خدائی شکل میں خود اپنے آپ سے افضل تھے اور انسانی حیثیت میں خود اپنے آپ سے کم تر تھے"۔

معمہ:

عقیدۂ تثلیث کی طرح عقیدۂ حلول و تجسم بھی خود عیسائیوں کے یہاں ایک معمہ بنا ہوا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی، خود خالق بھی ہو خود مخلوق بھی، خود برتر بھی ہو اور کم تر بھی۔

توجیہ اول:

بعض عیسائیوں نے اس عقیدہ حلول کی توجیہ یہ کی کہ:

"جس طرح انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش ہو یا آئینہ میں کسی کی صورت منعکس ہو تو جس طرح یہاں ایک وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جا رہی ہیں اسی طرح مسیح کے جسم میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں (یعنی

خدااور انسان) پائی جاتی ہیں"

(انسائکلو پیڈیا برٹیانیکا مقالہ تثلیث ج ۲۲ ص ۹۷ ۴ مطبوعہ ۱۹۵۰)

جواب :

لیکن یہ توجیہ قابل فہم نہیں کیونکہ انگوٹھی میں جو نقش ہے یا آئینہ میں جو صورت ہے وہ کمال اتصال کے باوجود ایک علیحدہ چیز شمار ہوتی ہے اور انگوٹھی اور آئینہ سے بالکل الگ ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی آئینہ کو زید نہیں کہتا جبکہ اس اقنوم کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کے بعد حضرت عیسیٰ کو خدا کہا جاتا ہے اور اس خدا کو کہا جاتا ہے کہ وہ انسان بن گیا تھا۔

دیگر توجیہات:

اس کا جواب نہ پاکر (۱) "پال آف سموسٹا" نے تو عقیدہ حلول سے ہی انکار کر دیا اور اس حلول کا معنی یہ بیان کیا کہ:

"خدا کی طرف سے ان کو ایک خاص عقل عطا ہوئی ہے"

(۲): لوسین نے حلول کا انکار تو نہیں کیا لیکن اس نے یہ کہا کہ:

"یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت مسیح کو خدا یا خالق بنادے بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا اور مسیح بدستور بندے اور مخلوق رہے"

(۳): آریوس نے اسی نظریہ کو تقویت دی اور کہا کہ:

"وہ خدائی اور انسانیت کی صفات سے حصہ رکھتا ہے لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں"۔

(۴): پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ (Paulicians) نے کہا کہ

"حضرت مسیح خدا نہیں تھے فرشتہ تھے"

(۵): نسطوری فرقہ نے کہا کہ:

''یہ مسئلہ اس وقت ہوگا جب ایک شخصیت کی دو حقیقتیں ہوں جبکہ
یہاں دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں تھیں وہ خدا بھی تھے اور انسان بھی لیکن
اس نظریہ کو رد کر دیا رومن کیتھولک نے اور اس کو جلاوطن کر دیا''

(۶): چھٹی صدی عیسوی میں یعقوبی فرقہ ہوا (Jacobit Church) نے کہا کہ:

''حضرت مسیح علیہ السلام ایک ہی شخص تھے اور ایک ہی حقیقت تھی اور
وہ خدائی تھی گویا دو حقیقتیں اس طرح متحد ہوگئیں کہ ایک بن گئیں''

یہ تمام تاویلات اور توجیہات چونکہ مرکزی رومن کیتھولک چرچ کے بنیادی عقیدہ اور نظریہ سے متصادم تھیں اس لئے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اسے ''بدعت'' قرار دیکر مسترد کر دیا اور ان میں سے بعض تشریح کرنے والوں کو اس جرم میں جلاوطن کر دیا۔

آخری توجیہ:

پروفیسر مارس ایلٹن نے اس کی توجیہ یہ کی کہ:

''مسیح کی ایک شخصیت میں خدائی اور انسانیت دونوں حقیقتیں جمع تھیں
لیکن انسانیت یہ عام آدمی والی انسانیت نہیں تھی بلکہ خدائی انسانیت
تھی لہٰذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں کوئی قباحت نہیں''۔

جواب:

سوال یہ ہے کہ یہ ''خدائی انسانیت'' آخر کیا چیز ہے؟ کیا اس میں خوشی، غم، بھوک، پیاس کے عوارض پائے جاتے ہیں یا نہیں ...... اگر پائے جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ خدا کو بھوک پیاس لگتی ہے، تکلیف اور راحت پہنچتی ہے...... ظاہر ہے رومن کیتھولک چرچ بھی اس عقیدہ کا قائل نہیں ...... اور اگر یہ کہو کہ خدائی

انسانیت ان عوارض سے بالکل پاک ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر حضرت مسیح کو یہ عوارض کیوں پیش آئے ...... بھوک پیاس کیوں لگی؟ سولی پر بقول تمہارے تکلیف کیوں ہوئی وہ کیوں چیخے؟

بطلان عقیدۂ تثلیث :

عقیدۂ تثلیث کئی عقلی دلائل سے باطل ہے

اول: حقیقی توحید اور حقیقی تثلیث یہ دونوں ضدیں ہیں اور ان دونوں کا بیک وقت پایا جانا اجتماع ضدین کو لازم ہے جو محال ہے اور جس طرح یہ ممکن میں محال ہے واجب میں بھی محال ہے۔

دوم: اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ خدا کی کوئی حقیقت واقعیہ نہ ہو بلکہ محض ایک مرکب اعتباری ہو۔ کیونکہ حقیقی ترکیب میں تو اجزاء کے درمیان باہمی افتقار و احتیاج ضروری ہے اور یہاں یہ ممکن نہیں ورنہ وہ واجب نہیں رہے گا بلکہ ممکن ہو جائے گا۔

سوم: تینوں اقانیم تمام صفات کمال کے ساتھ متصف نہیں یہ خود ان کا مسلمہ اصول ہے۔ لہٰذا بعض صفات کمال کسی اقنوم میں ہیں بعض کسی میں، جسم میں بعض صفات کمال نہیں یہ اس اقنوم کے لئے عیب ہے جبکہ خدا عیب سے پاک ہے۔

چہارم: عقیدہ تثلیث اگر سچا ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء بنی اسرائیل اس کی ضرور حیثیت بیان کرتے لیکن شریعت موسوی اس سے خالی ہے۔

پنجم: اتنا اہم بنیادی عقیدۂ حضرت عیسیٰ کو آتے ہی بیان فرمانا چاہئے تھا لیکن تعجب ہے کہ عمر بھر جو حضرت مسیح نے اپنے عروج آسمانی سے قبل کبھی بیان نہیں کیا اس کے دو دو جواب دیتے ہیں ایک یہ کہ عروج آسمانی سے قبل اس نازک مسئلہ کو سمجھنے کی صلاحیت لوگوں میں نہ تھی دوسری بات یہ کہ یہودیوں کا خوف مانع تھا سوال یہ ہے کہ عروج آسمانی کے بعد بھی آج تک لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے دوسرا یہ کہ جس کو تم ساری

کائنات کا خالق اور خدا مان رہے ہو وہ اپنے بندوں سے ڈر جائے تعجب ہے۔

بطلان عقیدہ حلول:

اگر بیٹے کا اقنوم جسم عیسیٰ میں حلول کرتا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ اب ذات خداوندی میں باقی ہے یا نہیں؟ اگر کہو باقی ہے تو ایک شخصیت کا؟ دو؟ محل میں پایا جانا لازم آئے گا اگر کہو نہیں تو ذات خدا کا اس سے خالی ہونا لازم آئے گا جب جز منتفی ہو گیا تو کل بھی منتفی ہو جائے گا اس طرح خدا کا وجود ختم ہو جائے گا۔

اور اگر یہ اتحاد بغیر حلول کے ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ اتحاد کی حالت میں موجود ہیں یا نہیں؟ اگر دونوں موجود ہیں تو دو ہوں گے نہ کہ ایک تو اب بھی اتحاد نہ رہا اور اگر موجود نہیں تو یہ فنا ہو گئے تو تیسری چیز پیدا ہو گئی اب بھی اتحاد نہ رہا اور اگر ایک باقی ہے دوسرا معدوم، تو معدوم کے ساتھ موجود کا اتحاد محال ہے۔

بطلان عقیدۂ تثلیث اقوال مسیح کی روشنی میں:

خود حضرت مسیح علیہ السلام کے متعدد اقوال سے اس عقیدۂ تثلیث کا بطلان ہو جاتا ہے جن میں سے چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

اول: حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ لوگ تجھ خدائے واحد
و برحق کو یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں"
(انجیل یوحنا، باب: ۱۷، آیت ۳)

یہاں آپ کے اس ارشاد میں ابدی زندگی کا حاصل خدا کو ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول ماننا بتایا گیا ہے یہاں تین اقانیم؟، حلول وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کے خلاف عقیدہ رکھنا ابدی موت اور گمراہی ہوگا مسیح کا بھیجا ہوا ہونا دلالت کر رہا ہے مسیح کے خدا نہ ہونے پر کیونکہ بھیجے ہوئے اور بھیجنے والے میں مغائرت

ہوتی ہے نہ کہ اتحاد، لہٰذا مسیح کا رسول ہونا اس کے خدا ہونے کی ضد ہے۔

دوم: ایک اور آپ کا ارشاد ملاحظہ ہو

"فقیہوں میں سے ایک نے ان کو بحث کرتے سن کر جان لیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا ہے وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں سے اول کونسا حکم ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ دوسرا یہ کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں فقیہہ نے اس سے کہا اے استاذ بہت خوب تو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں اور اس سے سارے دل ساری عقل اور ساری طاقت سے محبت رکھنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنا سب قربانیوں سے بڑھ کر ہے جب یسوع نے دیکھا کہ اس نے دانائی سے جواب دیا تو اس سے کہا کہ تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں"۔

(انجیل مرقس باب ۱۲ آیت ۲۸)

انجیل متی میں انہی دو حکموں کے متعلق اس طرح فرمایا گیا ہے

"انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے"۔

(انجیل متی باب ۲۲:۳۶تا۴۰)

معلوم ہوا کہ پچھلے تمام صحیفوں اور توریت وغیرہ میں بھی توحید ہی کا درس تھا اور توحید ہی ایمان (اللہ کی بادشاہت) کے قرب کا باعث تھی۔

دیگر اسرائیلی پیغمبر اس عقیدہ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تاکہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے
اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں"   (الاستثناء باب ۳۵)

سوم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تیسرا ارشاد مبارک ہے

"لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں
جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ"

اگر مسیح علیہ السلام معبود اور خدا ہوتے تو ان سے علم کی نفی نہ ہوتی لہٰذا یہ الفاظ واضح طور پر تثلیث اور حلول کے عقیدوں کو باطل کر رہے ہیں۔

عیسائی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں حضرت مسیح نے اپنی بے خبری اور اپنے علم کی نفی اپنے جسم کے لحاظ سے کی ہے نہ کہ خدا ہونے کے حیثیت سے اس کا جواب یہ ہے کہ علم جسم کی صفت ہی نہیں وہ جسم کو نہیں ہوا کرتا لہٰذا یہ جواب غلط ہے۔

سینٹ آگسٹائن نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ:

"مسیح نے اپنی بے خبری کا اظہار مخاطب کے لحاظ سے کیا ہے، چونکہ میں ابھی تمہیں اس وقت بتا نہیں سکتا اس لئے گویا تمہارے لحاظ سے مجھے علم ہی نہیں"۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے تو باپ کو بھی علم نہیں کیونکہ وہ بھی اس وقت کسی کو بتا نہیں رہا پھر عدم علم کا استثناء اس سے کیوں کیا گیا؟

چھارم: ایک اور آپ کا ارشاد ہے جس میں اپنے شاگردوں کو حکم فرمایا:

"اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیوں کہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے اور تم نہ ہادی کہلاؤ کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (انجیل متی باب ۲۳، آیت)

پنجم: حضرت مسیح نے حضرت مریم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے نہ چھوڑ کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن
میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہو کہ میں اپنے باپ اور
تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں"
(انجیل یوحنا: باب ۲۰: آیت: ۱۷)

آپ نے یہاں اپنے تمام شاگردوں کو جو خدا کے بندے ہیں فرمایا کہ "تمہارا باپ" جب اس لفظ کے کہنے سے خدا انکا حقیقی باپ نہیں ہو گیا تو "تیرا باپ" کہنے سے بھی حقیقی باپ نہیں بن جائے گا بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہاں دونوں جگہ پر باپ کے مجازی معنی مراد ہیں۔

مجازی معنی :

جس طرح اوپر والی عبارت میں باپ کے مجازی معنی ہیں اسی طرح وہ تمام عبارات اور آیات جن میں حضرت مسیح پر خدا، یا اللہ کا لفظ بولا گیا اس سے بھی حقیقی معنی مراد نہیں ہوں گے اور نہ یہ معنی لینے درست ہیں کہ وہ فانی چیز خدا ہو گئی یا خدا کا بیٹا ہو گئی بلکہ اس کے بھی مجازی معنی مراد لئے جائیں گے، اور اگر اس اصول کو نہ مانا جائے تو تمام مخلوق حتی کہ شیطان تک کو خدا ماننا پڑے گا کیونکہ اس پر بھی بائبل میں لفظ خدا کا اطلاق ہو چکا ہے، جن جن مخلوقات پر لفظ خدا کا استعمال کیا گیا ہے اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

مثال اول: "جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تب خداوند
ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے
حضور میں چل اور کامل ہو" (کتاب پیدائش: باب: ۱۷، آیت: ۱)

ان آیات میں حضرت ابراہیم سے باتیں کرنے والے کے لئے لفظ "خدا" کا استعمال کیا گیا ہے حالانکہ یہ گفتگو کرنے والا فرشتہ تھا جس پر آخیر کے یہ الفاظ شاہد ہیں

اس کے پاس سے اوپر چلا گیا۔

مثال دوم: حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایک واقعہ مذکور ہے۔

''اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں آتا تو اس کی ران کو اندر کی طرف سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اس کے ساتھ کشتی کرنے میں چڑھ گئی اور اس نے کہا مجھے جانے دو کیونکہ پو پھٹ چلی یعقوب نے کہا جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہ دوں گا تب اس نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے جواب دیا یعقوب اس نے کہا تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہو گیا''

(پیدائش: باب ۳۲، آیت: ۲۴، ۳۰)

ظاہر ہے کشتی لڑنے والا فرشتہ ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت یوشع نے بھی کتاب ہوسیع میں اس کی تشریح کر دی ہے ورنہ ثابت ہوگا کہ خدا اتنا کمزور تھا کہ ساری رات لڑتا رہا اور یعقوب کو نہ پچھاڑ سکا،

مثال سوم: زبور میں تمام انسانوں کے لئے لفظ اللہ کا اطلاق کیا گیا

''میں نے کہا کہ تم الٰہ ہو اور تم سب حق تعالٰی کے فرزند ہو'' (زبور باب ۸۲، آیت ۶)

مثال چہارم: اسی زبور میں شیطانوں پر بھی خدا کے لفظ کا اطلاق ہے:

''یعنی ان بے ایمانوں کے واسطے جن کی عقلوں
کو اس جہان کے خدا نے اندھا کر دیا ہے''

(زبور: باب: ۴، آیت ۳)

یہاں پرٹسٹینٹ علماء کے نزدیک خدا سے شیطان مراد ہے کیونکہ ان کی نظر میں خدا خالق

شرنہیں

مثال پنجم: پیٹ پر بھی خدا کا اطلاق ہوا ہے:

"ان کا انجام ہلاکت ہے ان کا خدا پیٹ
ہے وہ اپنی شرم کی باتوں پر فخر کرتے ہیں" (زبور: باب: ۳، آیت: ۱۹)

اسی طرح "بیٹے" کا لفظ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے، اسرائیل علیہ السلام کے لئے داؤد علیہ السلام کیلئے، سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے تو کیا یہ سب خدا کے حقیقی ولد ہو گئے اور معبود بن گئے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ انجیل میں جہاں جہاں بیٹے یا خدا کا لفظ آیا ہے تو اس کے مجازی معنی لئے جائیں گے اور مجازی معنی کیا ہوں گے اس کی خود تفسیر انجیل ہی سے ثابت ہے مثلاً ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے فرمایا گیا:

"اور جو صوبہ دار اس کے سامنے کھڑا تھا اس نے اس کو (عیسیٰ)
یوں دم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ بیشک یہ آدمی خدا کا بیٹا تھا"
(انجیل مرقس: باب: ۱۰، آیت: ۳۹)

اس کی تفسیر دوسرے مقام پر یوں کی گئی:

"یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خدا کی تمجید کی
اور کہا بیشک یہ آدمی راست باز تھا"
(انجیل لوقا: باب: ۲۳، آیت: ۴۷)

معلوم ہوا کہ انجیل میں بیٹے سے مراد راست باز ہے اس کے علاوہ یہ لفظ صالح اور نیک کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے:

"مبارک ہیں وہ لوگ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے ہیں"
(انجیل متی: باب ۵)

استدلال دوم:

حضرت مسیح علیہ السلام کے خدااور معبود ہونے پر عیسائی اس انجیل کی عبارت سے استدلال کرتے ہیں:

''اس نے ان سے کہاتم نیچے کے ہومیں اوپر کا ہوں تم دنیا کے ہومیں دنیانہیں ہوں'' (انجیل یوحنا: باب ۸، آیت ۲۳)

لیکن ظاہر ہے اسکے معنی بھی حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہیں یعنی یہ کہ تم طالب دنیا ہواور میں طالب عقبیٰ ہوں ورنہ اگر یہ معنی نہ لئے جائیں تو حضرت عیسیٰ کے شاگردوں کو بھی معبوداور خدا ماننا پڑے گا کیونکہ دوسرے مقام پر آپ نے یہی الفاظ ان کے لئے بھی استعمال فرمائے ہیں:

''اگرتم دنیا کے ہوتے تو دنیا اپنوں کوعزیز رکھتی لیکن چونکہ تم دنیا کے نہیں بلکہ اس نے تم کو دنیا میں سے چن لیا ہے اس لئے دنیا تم سے عداوت رکھتی ہے'' (انجیل یوحنا: باب: ۱۵، آیت: ۱۹)

اسی میں آگے فرمایا:

''جس طرح میں دنیا کانہیں وہ بھی دنیا کے نہیں'' (انجیل یوحنا باب: ۱۷، آیت ۱۴)

استدلال سوم:

عیسائیوں کا حلول اور اتحاد کا قول ان عبارات سے مستدل ہے:

''میں اور باپ ایک ہیں''

یہاں بھی اس کے مجازی معنی اللہ کے احکام کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری کے ذریعے اس کا قرب مراد ہے۔ ورنہ اگر حقیقی معنی لئے جائیں تو آپ کے تمام حواریوں کا اتحاد بھی اللہ تعالیٰ سے ماننا پڑے گا کیونکہ آپ نے یہی الفاظ ان کے لئے بھی استعمال فرمائے ہیں

"تا کہ وہ سب ایک ہوں یعنی جس طرح اے باپ تو مجھ میں ہے
اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں اور دنیا ایمان لائے کہ تو نے
ہی مجھے بھیجا ہے اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں
دیا ہے تا کہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں"
(انجیل یوحنا: باب ۱۷، آیت ۲۱)

استدلال چھارم:

"جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا" (انجیل یوحنا: باب ۱۴، آیت ۹)
اس میں بھی محض قرب الٰہی کی تفہیم مقصود ہے، جس طرح قرآن میں فرمایا گیا "ومارمیت اذرمیت" (الآیۃ) "ان الذین یبایعونک" (الآیۃ) حدیث قدسی میں اولیاء کے لئے۔

اگر مجازی معنی نہ لئے جائیں تو حواریوں کو بھی خدا ماننا پڑے گا کیونکہ ان کے لئے بھی آپ نے فرمایا:

"جس طرح اے باپ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں"
(انجیل یوحنا: باب ۱۷، آیت: ۲۱)

استدلال پنجم:

بغیر باپ کے پیدا ہوئے اس لئے معبود ہیں لیکن یہ استدلال انتہائی ضعیف ہے کیونکہ ان کے اپنے عقیدہ کے مطابق تمام حیوانات، جمادات، نباتات، تمام بنی آدم ایک ہفتہ کے اندر پیدا ہوئے اور بغیر ماں باپ کے لہٰذا یہ تو حضرت مسیح سے بھی بڑھ گئے کہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تو اگر یہی دلیل معبود ہے تو سب معبود ہوئے بلکہ وہ کیڑے مکوڑے، بھی جو بارش میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

استدلال ششم: کبھی عیسائی آپ کے معجزات اور مردوں کو زندہ کرنے کے

معجزہ سے استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال بھی ضعیف ہے کیونکہ انجیل کے مطابق آپ نے صرف تین اشخاص کو زندہ کیا جبکہ خرقیال علیہ السلام نے ہزاروں انسانوں کو زندہ کیا اور حضرت الیاس اور حضرت یسع علیھم السلام نے بھی مردے زندہ کئے تو یہ سب بھی معبود ہو گئے (سلاطین باب ۱۷، آیت: ۲۰، ۲۱)

یہ تمام جوابات الزامی اور ان کے اپنے مستدلات سے ہیں ورنہ ہمارے نزدیک ان کے اقوال عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے حواریوں کے اقوال ہونا اس لئے ثابت نہیں کہ ان کتابوں کی کوئی سند نہیں اور ان میں بے شمار تحریفات ہوئی ہیں۔

توحید فی الصّفات

توحید کی دوسری قسم توحید فی الصفات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات اور افعال میں کسی شریک سے پاک ماننا اگر کوئی اس کی صفات ہیں جیسی وہ ہیں کسی دوسرے کو اسکا شریک ٹھہرائے یعنی مخلوقات میں سے کسی میں کوئی اللہ تعالیٰ جیسی صفت مانے تو یہ شرک فی الصفات کہلائے گا اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک کہلائے گا، اور اسلام سے خارج ہوگا۔ توحید فی الصفات کو قرآن میں جا بجا بیان کیا گیا ہے چند آیات پیش خدمت ہیں۔

(۱): ''قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ'' (الرعد: ۱۶)

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور وہ اکیلا زبردست ہے

(۲): ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۵۴''

ترجمہ: اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا اللہ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔ (الاعراف: ۵۴)

(۳): لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۗ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں روزی کشادہ کرتا ہے جس کی چاہے، اور تنگ کردیتا ہے، بیشک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (شوریٰ:۱۲)

حدیث مبارک میں ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: **حق اللّٰہ علیٰ عبادہ ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئاوحق العباد علی اللّٰہ اذافعلوہ ان لایعذبھم"**

(صحیح بخاری کتاب الرقاق)

ترجمہ: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جب وہ اللہ کا حق ادا کردیں تو وہ انہیں عذاب نہ دے۔

سوال: توحید کے معنی جب معلوم ہوگئے کہ اللہ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا توحید ہے، اور شریک ٹھہرانا شرک ہے، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت حی ہے ایک سمیع ہے ایک بصیر ہے، ایک مختار ہے، ایک علیم ہے، تو اگر ہم کسی دوسرے میں بھی یہ صفت ثابت کریں اور کہیں فلاں زندہ ہے فلاں سننے والا دیکھنے والا ہے، مختار ہے تو کیا یہ شرک ہوجائے گا؟

جواب: شرک یہ ہے کہ جو صفت اللہ تعالیٰ کی ہے اس کو کسی دوسرے میں بالکل اسی طرح ماننا جیسے وہ خدا کی صفت ہے مثلاً خدا کا زندہ ہونا وہ ایسا ہے کہ نہ اس کی ابتداء ہے نہ انتہا ہے، نہ اس کو کوئی حیات دینے والا ہے اور نہ اس کی حیات عارضی ہے۔ اور نہ محدود وفانی ہے، پس اگر اس صفت کو اسی طرح کسی دوسرے میں مانا جائے کہ فلاں بزرگ ازلی ابدی زندہ ہے، خود حی قیوم ہے تو یہ بیشک شرک ہوگا لیکن اگر یوں کہا جائے کہ انسان بھی زندہ ہے مگر خدا کی عطاء سے خدا نے اس کو زندگی بخشی ہے تو یہ ہرگز شرک نہیں اگر یہ جواب نہ مانا جائے تو کسی کو زندہ مان ہی نہیں سکتے ورنہ شرک لازم

آئے گا کیونکہ خدا بھی زندہ اور انسان بھی زندہ

یہی حال ''اختیار'' اور ''علم'' کا ہے کہ اس کا علم باقی، لامحدود، بے حد وحساب، اور ذاتی ہے جبکہ دوسرے نبی ولی کا اختیار اور علم عطائی، فانی، اور محدود ہے لہٰذا کسی کو سننے والا، دیکھنے والا کہنے سے جب شرک لازم نہیں آتا تو علم والا اور اختیار والا کہنے سے بھی شرک لازم نہیں آئے گا۔

سوال: آپ کہتے ہیں عطائی اور اللہ کی مخلوق ماننے سے شرک کا خاتمہ ہو جاتا ہے، جبکہ مکہ کے مشرکین بھی اپنے بتوں کو اللہ کی مخلوق مانتے تھے اور ان میں جوصفات ثابت کرتے تھے وہ بحیثیت مخلوق ثابت کرتے تھے پھر وہ مشرک کیوں رہے؟ شرک کا خاتمہ وہاں کیوں نہیں ہوا؟ قرآن میں خود ان کے لئے ارشاد رب العزت ہے: ''وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ'' (زخرف:۸۷)

ترجمہ: اور اگر اے حبیب تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پھر وہ کہاں اوندھے بھٹکے جاتے ہیں۔

جواب: انہوں نے بیشک بتوں کو اللہ کی مخلوق مانا لیکن مخلوق تو خالق کی محتاج ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی ماننا چاہئے تھا کہ وہ خدا کے محتاج ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ نے ان کو پیدا کر کے ان کو الوہیت دے دی، ان کو خدا بنا دیا اب یہ مختار ایسے ہیں کہ بغیر خدا کے سب کچھ کر سکتے ہیں، خدا کے برابر کر دیا، لہٰذا یہ مشرک ٹھہرے۔ اس پر قرآن کی یہ آیت شاہد ہے جس میں کفار کا قول نقل کیا گیا ہے جو وہ بتوں سے قیامت کے دن کہیں گے:

''تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''

(الشعراء:۹۸)

ترجمہ: خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ تم کو رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔

بہرحال جو مشرک تھے وہ اپنے بتوں کو خدا کے برابر مانتے تے جبکہ مسلمان نبیاء

اور اولیاء کو اللہ کا بندہ اس کی مخلوق اور اس کا اخیر تک محتاج مانتے ہیں، ہاں لوگوں میں افضل اور اعلیٰ اور خدا کی عطا سے صفات کا مظہر مانتے ہیں۔

خلاصہ: بہرحال خدا کی کوئی صفت اور فعل جو ذاتی، مستقل، اور برابری کی بنیاد پر کسی دوسرے میں ثابت کی جائے تو وہ شرک ہے جبکہ بندہ اور محتاج سمجھتے ہوئے باذن اللہ بعطاء اللہ ثابت کی جائے تو عین توحید ہے۔

مثلاً مردوں کو زندہ کرنا، اندھے اور کوڑھی کو صحت دینا خدا کی صفت ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف منسوب کر کے فرماتے ہیں:

"وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ"

ترجمہ: میں اچھا کرتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو اور مُردے کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ (آل عمران:۴۹)

معلوم ہوا کہ جہاں اذن الٰہی آجائے وہاں شرک ختم ہو جاتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر مشرکین باذن اللہ بھی مانیں تو بتوں میں اذن اور اختیار ثابت نہیں لہٰذا اس لحاظ سے بھی ان کا قول غلط ہم مسلمان اولیاء اللہ میں جو اختیار مانتے ہیں وہ باذن اللہ مانتے ہیں اور واقعتاً ان میں یہ اختیار اللہ کی طرف سے ثابت بھی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اذن بھی دیا ہے۔

__بِاِذْنِ اللّٰہ:__ اب یہ سمجھنا ہے کہ اولیاء اللہ کو واقعی اللہ نے اذن دیا ہے؟ اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہیں مشرکین کی طرح ایسا تو نہیں کہ ہم باذن اللہ مانتے ہوں اور وہاں خدا نے ان کو اذن ہی نہ دیا ہو طاقت و قدرت ہی نہ دی ہو

جواب: اس حدیث مبارک میں اس سوال کا وضاحت سے جواب موجود ہے اور اولیاء اللہ کی اللہ کے یہاں شان اور ان کے مقام کو بیان کیا جا رہا ہے:

"عن ابی هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺ ان الله تعالیٰ قال من عادلی وليا

فقد آذنته بالحرب وماتقرب الیّ عبدی بشئ احب الی مماافترضت علیه ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذااحببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها فان سئلنی لاعطینّه ولئن استعاذنی لاعیذنه"

(بخاری شریف: جلد ۲ ص ۹۶۳، مطبوعہ خمیسانی، مشکوٰۃ ج۱: کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی میرا اس سے اعلان جنگ ہے، اور جن چیزوں کے ذریعہ بندہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میری طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اسکے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچتا ہے تو میں اسے ضرور بچاتا ہوں۔

اس حدیث قدسی کے معنی یہ ہیں کہ عبادات و ریاضات کے بعد بندہ اپنے رب کا اس طرح محبوب بن جاتا ہے کہ صفات عبدیت اس میں سے فنا ہو جاتی ہیں اور پھر صفات الٰہی اس میں چمکنے لگتی ہیں۔ جب اللہ کا نور انسان کے بصر میں چمکتا ہے تو وہ ہر نزدیک و دور کو دیکھ لیتا ہے، یہی حال ہاتھ اور پیر اور کان کا ہے۔

بہرحال ثابت ہو گیا کہ اولیاء اللہ، اللہ کی دی ہوئی طاقت سے سب کچھ کرتے ہیں لہٰذا شرک کا خاتمہ ہو گیا۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰہ :   بعض لوگوں کی یہ عادت ہوگئی ہے کہ قرآن میں جو آیات بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں وہ اولیاء اللہ پر چسپاں کرتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے ایک حدیث مبارک ملاحظہ ہو:

"وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الیٰ آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین"

(بخاری شریف ج ۲، ص ۱۰۲۴، باب قتال الخوارج)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خارجی لوگوں کو ساری مخلوق سے برا جانتے تھے اور فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنا طریقہ یہ بنالیا ہے کہ جو آیات کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو مومنوں پر چسپاں کردیتے ہیں۔

توحید فی العبادات

توحید کی تیسری قسم توحید فی العبادات ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت اور پرستش کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، کسی اور کی عبادت کرنا یا اس کو مستحق عبادت تسلیم کرنا شرک ہے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے:

"یَآاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ"

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔ (البقرہ:۲۱)

"ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۘ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۡ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ"

ترجمہ: وہ ہے اللہ تمہارا رب ہر چیز کا بنانے والا اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، تو کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ (المومن:۶۲)

"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ"

ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے ہر امت میں یہ پیغام دیکر رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت

کرواور شیطان سے بچو۔ (النحل: ۳۶)

اعتراض :

دیوبندی حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "عبادت" کے معنی ہیں "غایۃ تذلل" یعنی کسی کا انتہائی ادب واحترام کرنا اور اسکے سامنے انتہائی عاجزی اور انکساری اختیار کرنا لہٰذا اس تعریف کی رو سے جو قیام میلاد شریف کے وقت کیا جاتا ہے یا اولیاء کے ہاتھوں اور ان کے مزارات کو بوسہ دیا جاتا ہے، ان کے تبرکات کا احترام اور تعظیم یہ سب عبادت ہے اور عبادت صرف خدا کی ہوتی ہے عبادت غیر کی کرنا شرک ہے۔

جواب:

اگر عبادت کے معنی اور اس کی تعریف صرف "غایۃ تذلل" ہو تو پھر دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہے گا۔ کیونکہ انبیاء سے لیکر اولیاء تک اور اولیاء سے لیکر عام مسلمانوں تک سب اپنے بڑوں کا ادب کرتے آئے ہیں خود قرآن میں ماں باپ کا ادب اس طرح سکھایا گیا ہے: "وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل ۲۴)

ترجمہ: اور ان کے سامنے شفقت سے عاجزی کیساتھ جھکے ہوئے رہو اور کہو اے میرے رب جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔

یہاں اس آیت میں "خفض جناح" کے لفظ سے ماں باپ کے آگے انتہائی عاجزی وانکساری اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے، تو کیا قرآن بھی شرک کا حکم دے رہا ہے۔

ایک مقام پر مسلمانوں کی تعریف ہی ان الفاظ سے فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ عاجزی اور انکساری سے رہتے ہیں، "فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ"

ترجمہ: تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔ (المائدۃ: ۵۴)

سجدہ سے بڑھ کر کسی چیز میں غایۃ تذلل نہیں۔ اور یہی غایۃ تذلل، ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اختیار کیا لیکن یہ شرک تو نہیں ہوا بلکہ اس سجدہ سے انکار کرنے والا شیطان مردود ہو گیا

"وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ"

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔ (البقرۃ: ۳۴)

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کر کے ان کے لئے غایۃ تذلل کا اظہار کیا تو کیا معاذ اللہ وہ بھی مشرک ہو گئے؟

"وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ"

ترجمہ: اور اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور اس کے آگے سب سجدے میں گر پڑے اور کہا اے میرے باپ اس پہلے خواب کی یہ تعبیر ہے اسے میرے رب نے سچ کر دکھایا۔ (یوسف: ۱۰۰)

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی جس غایۃ تعظیم کا قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کیا وہ بھی سب عبادت کہلائے گا؟ اس سے زیادہ آپکی غایۃ تعظیم اور مسلمانوں کی آپ کے سامنے غایۃ تذلل کیا ہو گی کہ آپ کے آگے چلنے سے منع کیا جا رہا ہے، آپ کی آواز سے اوپر آواز بلند کرنے سے منع کیا جا رہا ہے، آپ کا نام لیکر پکارنے کی

ممانعت کی جارہی ہے، اور صحابہ کے دل میں حضور ﷺ کی عظمت اور ہیبت کس درجہ تھی اس کا اندازہ ان احادیث مبارکہ سے ہوسکتا ہے:

(۱): " كنّا جلوسا عند النبی ﷺ كانما علی رؤسنا الطير ما يتكلم منا متكلم اذجاءه الناس فقالوا من احب عباد الله الی الله تعالیٰ ؟ قال احسنهم خلقا "

ترجمہ: ہم حضور ﷺ کے پاس اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے ہوں، ہم میں سے کوئی بات کرنے والا اس وقت بات نہیں کرتا تھا، اچانک اس وقت کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے کہ اللہ کے نزدیک اس کے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب بندہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو ان میں سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔ (صحیح طبرانی، صحیح ابن حبان، ترغیب)

(۲): دیکھئے ایک اور حدیث مبارک میں حضور ﷺ کے غلام اپنے غایۃ تذلل کا کس انداز سے اظہار کر رہے ہیں۔

"ان رسول الله ﷺ كان اذا توضأ اوتنخم ابتدروا نخامته فمسحوا بها وجوههم وجلودهم فقال رسول الله ﷺ لم تفعلون هذا؟ قالوا نلتمس به البركة فقال رسول الله ﷺ من احب ان يحبه الله ورسوله فليصدق الحديث وليود الامانة ولا يؤذ جاره"

(بیہقی عن الزہری، کنز العمال، ج۸؛ص ۲۲۸)

ترجمہ: بیشک رسول اللہ ﷺ جب وضو فرمایا کرتے تھے یا کبھی کھنکھارتے تھے تو صحابہ آپ کے لعاب مبارک کی طرف لپکتے تھے اور اس کو اپنے چہروں اور جلدوں پر مل لیا کرتے تھے، پس حضور ﷺ نے ان سے کہا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا ہم اس سے برکت حاصل کرتے ہیں پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو یہ

بات پسند ہو کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کو محبوب رکھیں تو اس کو چاہیے کہ وہ بات سچی کرے، امانتیں ادا کرے اور اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔

ان احادیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضور ﷺ کی جتنی بھی تعظیم اور ادب کیا جائے کم ہے، اور آپ کے سامنے انتہائی عاجزی اور تذلل اختیار کرنا بھی عبادت نہیں ورنہ تمام صحابہ معاذ اللہ مشرک ٹھہریں گے۔

عبادت کے صحیح معنی:

تو اب عبادت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ کسی کو اللہ اور معبود سمجھ کر اس کے لئے غایۃ تذلل اختیار کرنا یہ عبادت ہے لہٰذا انبیاء و اولیاء کی جتنی بھی تعظیم کی جائے اگر خدا کا بندہ اور اس کا رسول سمجھ کر کی جارہی ہے تو عین توحید ہے اور اگر خدا اور معبود سمجھ کر کی جارہی ہے تو شرک ہے۔

اس معنی پر یہ آیت مبارکہ شاہد ہے:

"یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ"

ترجمہ: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سواء تمہارا کوئی معبود نہیں۔

(الاعراف:۵۹)

بتانا یہ مقصود ہے کہ جو الٰہ ہو وہ ہی عبادت کا مستحق ہوتا ہے، اور وہ اللہ کے سواء کوئی نہیں، لہٰذا عبادت بھی اسی کی کرو۔

مشرکین مکہ، بتوں کو شمس وقمر وغیرہ کو معبود سمجھ کر ان کی تعظیم کرتے تھے اس لئے مشرک ٹھہرے۔ اس پر یہ آیات شاہد ہیں:

"الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾" (الحجر:۹۶)

ترجمہ: جو اللہ کے ساتھ دوسرا خدا مقرر کرتے ہیں سو عنقریب معلوم کرلیں گے۔

"وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً" (الانعام:۷۴)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے۔

شرک کی جامع تعریف:

تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک اسے کہتے کہ اللہ کی ذات یعنی وجوب وجود اس کی صفات جو دائمی اور مستقل ہیں اور استحقاق عبادت میں ان تین چیزوں سے کسی ایک کو بھی اللہ کے غیر کے لئے ماننا، یعنی کسی شخص کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ واجب الوجود ہے یا اس کی کوئی صفت دائمی اور مستقل ہے یا یہ مستحق عبادت ہے یہ شرک کہلائے گا۔

صفات

جس طرح وہ اپنی ذات میں وحدہ لاشریک ہے اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی وحدہ لاشریک ہے۔اس کی صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں، اس کی صفات اس کی ذات کی طرح ازلی اور ابدی ہیں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔صفات کی دو قسمیں ہیں صفات ثبوتیہ (۲) صفات سلبیہ۔پھر صفات ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) صفات ذاتیہ (۲) صفات فعلیہ۔

صفات ذاتیہ:

وہ صفات کہلاتی ہیں جن کی ضد کیساتھ اللہ تعالیٰ موصوف نہیں ہوسکتا مثلاً: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر وغیرہ کہ ان کی ضد کے ساتھ وہ موصوف نہیں ہو سکتا یعنی معاذ اللہ اس کو مردہ جاہل عاجز، مجبور بہرا، اندھا، گونگا یا بیکار نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ سب عیوب ہیں اور خدا ہر عیب سے پاک ہے۔قرآن پاک میں ان صفات کا متعدد مقامات پر تفصیلی بیان ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(حَيٌّ):

(۳): "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ"

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا ہے۔

(البقرہ:۲۵۵)

"وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ"

ترجمہ: اور تم اس زندہ خدا پر بھروسہ کرے رکھو جو کبھی نہ مرے گا۔

(الفرقان:۵۸)

علم:

"وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ"

ترجمہ: اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (النور:۶۴)

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۖ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (یہاں تک کہ) جو کوئی مشورہ تین آدمیوں میں ہوتا ہے تو وہ چوتھا ہوتا ہے اور جو پانچ میں ہوتا ہے تو وہ چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرگوشی ہو یا زیادہ کی مگر وہ ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر انہیں قیامت کے دن بتائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (المجادلہ:۷)

قدرت:

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝۴۳ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۴۴ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى

بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر اسے ملاتا ہے پھر اسے تہہ در تہہ کرتا ہے، پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور آسمان سے جو ان میں اولوں کے پہاڑ ہیں ان میں سے اولے برساتا ہے پھر انہیں جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کو لے جائے۔ اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا ہے بیشک اس میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے۔ اور اللہ نے ہر جانور کو پانی سے بنایا ہے سو بعض ان میں سے اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں سے دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض ان میں سے چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (النور: ۴۳، ۴۴)

ارادۂ تکوین:

"اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ"

ترجمہ: ہم جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لئے ہمارا اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ہم اسے کہہ دیں ہو جا! پھر ہو جاتا ہے۔ (النحل: ۴۰)

سمع و بصر:

"قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ڰ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ"

ترجمہ: بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ کی جناب میں شکایت کرتی تھی اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا بیشک اللہ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ (مجادلہ: ۱)

کلام:

"وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا"

ترجمہ: اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام فرمایا۔ (النساء: ۱۶۴)

صفات فعلیہ:

وہ صفات ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی اور ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہوتا ہے۔ جیسے احیاء: زندہ کرنا، اس کی ضد مارنا صحت دینا، اس کی ضد بیمار کر ڈالنا، غنی کرنا، فقیر کرنا ان دونوں کے ساتھ وہ موصوف ہے۔ یہ صفات بھی قدیم ہیں اگرچہ ان کا ظہور غیر پر موقوف ہے لیکن ان کا وجود غیر پر موقوف نہیں۔ جیسے کاتب کہ کسی شخص کو لکھنا آتا ہے تو یہ وصف اس کو پہلے سے حاصل ہے لیکن یہ وصف ظاہر اس وقت ہوگا جب وہ لکھے گا لیکن خود وہ وصف کتابت لکھنے پر موقوف نہیں۔

صفات سلبیہ:

اس کا دوسرا نام صفات تنزیہیہ بھی ہے یہ وہ صفات ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی ذات مبرّا ہے۔ جیسے جوہر ہونا، عرض ہونا، جسم ہونا، مثل ہونا، کہ ان سے اللہ تعالیٰ پاک ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ: کوئی شے اس کے مثل نہیں اور وہ ہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

امکان کذب

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے "قدرت" جس کا تفصیلی بیان گزشتہ اوراق میں گزرا اس کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے وہابی اور دیوبندی حضرات کہتے ہیں کہ اللہ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔ اور اللہ کے کلام میں کذب ممکن ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو

جھوٹ بھی ایک چیز ہے لہٰذا اس پر بھی وہ قادر ہے بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ تمام گندے اور برے افعال واعمال پر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ قادر ہے وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ تمام برے اور گندے افعال اللہ کی قدرت کے تحت ہیں۔

مولوی محمود الحسن کہتے ہیں "سب جانتے ہیں کہ ذات تعالیٰ شانہ سے افعال قبیحہ کے صدور کی نوبت نہیں آسکتی لیکن افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں کیونکہ خرابی ہے تو ان کے صدور میں ہے نفس مقدور میں اصلاً کوئی خرابی لازم نہیں آتی" (جہد المقل، مطبع بلالی ساڈھورہ ج:۱،ص:۴۱)

دوسری ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ جھوٹ پر قادر نہ ہو تو انسان کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی کیونکہ انسان جھوٹ پر قادر ہے، اور اللہ قادر نہ ہو، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اللہ بھی جھوٹ پر قادر ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ جھوٹ بولتا نہیں (فتاوٰی رشیدیہ ج:۱۹،ص:۱۹، جہد المقل، براہین قاطعہ) تیسری ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض متکلمین خلف وعید کے قائل ہیں لہٰذا جب اللہ کی جناب میں خلف وعید ممکن ہے تو کذب بھی ممکن ہے۔ جبکہ بعض وہابی مثلاً مولوی رشید احمد گنگوہی تو صرف امکان کے نہیں بلکہ وقوع کذب کے بھی قائل ہیں جبکہ ان کے دستخط شدہ اور مہر لگا ہوا فتوٰی آج بھی مولانا احمد رضا خان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ کلام الٰہی میں خواہ وہ کلام نفسی ہو یا لفظی وجود کذب محال بالذات ہے اللہ کے کلام میں کذب اور جھوٹ کا امکان بھی نہیں۔

دلیل اول:

ہماری دلیل یہ ہے کہ جھوٹ ایک نقص اور عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے۔ اس کے لائق نہیں کہ یہ کہا جائے کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے قرآن کی یہ آیات اس پر شاہد ہیں:

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا (النساء: ٨٧)

ترجمہ: اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا (النساء: ١٢٢)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے از روئے قول کے۔

یہاں قرآن پاک میں "اصدق" افعل التفضیل کا صیغہ لایا گیا تو اشارہ ہے اس طرف کہ اللہ کے کلام میں نہ صرف کذب کا وقوع بلکہ اس کا امکان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح کذب کا وقوع میں آنا عیب ہے اسی طرح بطریق امکان اس عیب سے اس کا متصف ہونا بھی عیب ہے۔ لہٰذا وہ اس عیب سے بھی پاک ہے۔

دلیل دوم:

اگر آیت کے معنیٰ کو عام رکھیں اور کذب کو اس میں شامل کریں اور اس کو محال متمنع بالذات نہ مانیں بلکہ متمنع بالغیر مانیں جیسا کہ وہابیہ کہتے ہیں تو اس میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ صرف اس ایک خرابی کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا میں جتنی بھی برائیاں اور محالات خرابیاں ہیں وہ سب اللہ کے لئے ممکن ثابت ہو جائیں گے، مثلاً ہم پھر یہ کہہ سکیں گے کہ اللہ نے زنا کیا تو نہیں لیکن کر سکتا ہے (معاذ اللہ) اللہ اندھا ہے تو نہیں لیکن ہو سکتا ہے، شراب پی تو نہیں لیکن پی سکتا ہے، (معاذ اللہ) خود کو فنا نہیں کیا لیکن کر سکتا ہے، کیونکہ یہ سب قدرت کے اندر داخل ہیں، بہر حال جو خدا اندھا بہرا اور پاگل اور بد معاش ہو سکتا ہے وہ وہابیوں کا خدا ہے، ہمارا خدا ان چیزوں سے پاک ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ: اللہ تعالیٰ برتر ہے اس سے جس سے وہ اس کو متصف کرتے ہیں۔

جواب دلیل اول:

مخالفین نے "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ" سے جو استدلال کیا ہے اس کا

جواب یہ ہے کہ شی کی معنی تفسیر جلالین میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ یہ فرماتے ہیں ''شاءہ'' شی اس کو کہتے ہیں جس کو اللہ چاہے اب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جسکو خدا چاہے اس پر وہ قادر ہے، اب ظاہر ہے کذب کو یا کسی اور برائی کو خدا نے نہیں چاہا لہٰذا وہ اس کے تحت قدرت نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ علامہ تفتازانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں کہ ''الشیء عندنا ھو الموجود'' ہم اہل سنت کے نزدیک موجود کو شئے کہتے ہیں لہٰذا معدوم کوئی شی نہیں اب کذب باری تمہاری نظر میں بھی موجود نہیں لہٰذا شی میں یہ داخل نہیں تو اس پر قدرت بھی ثابت نہیں۔

جواب دلیل ثانی:

ان کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ایک قدرت ناقصہ ہے اور ایک قدرت کاملہ ہے، ممکنات کے ایجاد کی قدرت یہ قدرت کاملہ ہے اور برائیوں اور فواحش پر قدرت یہ قدرت ناقصہ ہے. جو صفات مخلوق میں سے ہیں، لہٰذا اس قدرت کا انسانوں میں ہونے اور خدا کی ذات میں اس کے ممکن نہ ہونے سے قدرت انسانی کا قدرت ربانی پر زیادہ ہونا لازم نہیں آتا۔

اور نہ ہی اس قدرت کی نفی سے اس کے عجز کا قول لازم آتا ہے، کیونکہ جو چیز مقدور بننے کی صلاحیت رکھتی ہو اس پر قدرت نہ ہونا یہ عجز ہے اور جو مقدور بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا ہو اس پر قدرت نہ ہونے سے عجز لازم نہیں آتا۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا شریک اور اپنا جیسا دوسرا خدا پیدا کرنے پر قادر نہیں تو یہ کوئی عیب نہیں۔
اگر تمام ممتنعات کو ''کل شی'' کے عموم میں داخل کر دیا جائے تو پھر ایمان اور توحید سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا کیونکہ ان سب کے امکان کا عقیدہ رکھنا ہوگا جبکہ اللہ اس سے پاک ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ ہر ممکن ذاتی پر قادر ہے ممتنع ذاتی چونکہ مقدور بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اس لئے اس کا مقدور نہیں جو ممتنعات ذاتیہ ہو قدرت الٰہی کو شامل نہیں یہ اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ وہ عاجز ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان ممتنعات ذاتیہ میں وجود کی صلاحیت ہی نہیں۔

جواب دلیل ثالث:

ان کی تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اول تو محققین خلف وعید کے قائل ہی نہیں علامہ تفتازانی نے اس کی صراحت فرمادی ہے (اور ان کی نظر میں آیات وعید، عفو و مغفرت کی آیات سے مخصوص و مقید ہیں مطلب یہ ہے کہ سزا اس کو ملے گی جس کو معاف نہیں کیا اگر معاف کر دیا تو سزا نہیں ملے گی)۔ اور اگر خلف وعید کے جواز کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس پر امکان کذب کو قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ خلف وعید "کرم" ہے اور امکان کذب ایک نقص اور عیب ہے آگ کو پانی پر قیاس کرنے کا کیا مطلب؟ تیسری بات یہ ہے کہ اگر امکان کذب کو خلف وعید پر قیاس کیا جائے تو کذب کا وقوع لازم آجائے گا کیونکہ خلف وعید کا قیامت کے دن وقوع ہوگا اللہ تعالیٰ بے شمار گنہگاروں کی مغفرت فرمائے گا تو جب وقوع خلف ہوا تو وقوع کذب بھی ہوا جو بالاجماع باطل ہے، لہٰذا اس پر قیاس درست نہیں ورنہ وقوع مانو۔

امتناع نظیر

اللہ تعالیٰ کی شان اور قدرت کے بیان کرنے کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کی شان کو گھٹاتے ہوئے دیوبندیوں کے امام اور پیشوا شیخ اسماعیل دہلوی اپنی کتاب تقویت الایمان صفحہ ۱۰۳ میں لکھتے ہیں کہ:

"اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرائیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے"

جبکہ علمائے اہل سنت کے نزدیک آنحضرت ﷺ جیسا پیدا ہونا محال بالذات ہے اور ان کی نظیر ممتنع بالذات ہے، کروڑوں تو دور کی بات رہی آپ جیسا ایک بھی پیدا ہونا ناممکن ہے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی اپنی کتاب تحقیق الفتاوی میں اس مسئلہ امتناع نظیر پر متعدد دلائل ذکر کرتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

دلیل اول:

حضور اکرم ﷺ کے تمام اوصاف وکمالات میں برابری رکھنے والے ایک شخص کی بھی تخلیق کا ممکن ہونا باطل ہے کیونکہ ایسا ایک شخص بھی موجود ہو تو نص قرآنی کا کذب لازم آئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال بالذات ہے۔ قیاس استثنائی کے طور پر دلیل یوں بنے گی کہ جو شخص حضور ﷺ کے کمالات کے برابر ہوا گر اس شخص کی تخلیق ممکن ہو تو اللہ کا کذب ممکن ہوگا، لیکن اللہ کے کذب کا ممکن ہونا باطل ہے تو ایسے شخص کی تخلیق کا ممکن ہونا بھی باطل ہوا، رہی یہ بات کہ حضور ﷺ کے برابر کا موجود ہونا کذب الٰہی کو مستلزم ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے برابر نبی کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہوسکتا جو ہوگا وہ یقیناً نبی ہوگا جبکہ حضور کے بعد نبی کے موجود ہونے سے نص قرآنی کا کذب لازم آئے گا۔ اس لئے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو خاتم الانبیاء فرما چکا ہے۔

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"

ترجمہ: محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ (احزاب:۴۰)

لہٰذا اگر حضور ﷺ کے برابر (دوسرے نبی) کی تخلیق ممکن ہو تو اس نص صریح کا کذب ممکن ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کذب سے پاک ہے اس کیلئے کذب محال بالذات ہے۔

دلیل دوئم:

فرض کیا جائے کہ جو شخص تمام کمالات میں نبی کریم ﷺ کے برابر ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ خاتم الانبیاء ہوگا یا نہیں، دونوں صورتوں میں وہ حضور ﷺ کے برابر نہیں ہوگا کیونکہ اگر وہ شخص خاتم الانبیاء ہو تو یقیناً پھر حضور ﷺ خاتم الانبیاء نہیں ہوں گے لہٰذا وہ حضور ﷺ کے برابر نہ ہوا اور اگر خاتم الانبیاء نہ ہو تب بھی حضور ﷺ کے برابر نہیں کیونکہ حضور ﷺ خاتم الانبیاء ہیں دونوں صورتوں میں مساوات فرض کرنے کے باوجود مساوات کا نہ ہونا لازم آ رہا ہے، منطقی زبان میں یوں کہا جائے گا کہ حضور ﷺ کے برابر کا قول کرنا اجتماع نقیضین کے امکان کا قول کرنا ہوگا جو محال بالذات ہے لہٰذا حضور ﷺ کے برابر موجود ہونا بھی محال ہوا۔

رسالت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" (زاریات:۵۶)

ترجمہ: کہ ہم نے جن و انس کو اپنی عبادت اور معرفت کیلئے پیدا کیا ہے۔

عبادت کا مفہوم یہ نہیں کہ صرف پانچ وقت کی نماز پڑھنا اور روزہ رکھ لینا اور زکوٰۃ دے دینا اور حج کر لینا بلکہ انسان کی عبادت ہر سانس میں ہے، انسان کا ہر وہ سانس ہر وہ حرکت ہر وہ عمل جو وہ اپنے رب کی رضا کے لئے شریعت کے مطابق ہو وہ سب عبادت ہے۔ اب انسان کو نہیں معلوم کہ وہ کون کون سے طریقے ہیں جن سے وہ اپنے رب کو راضی کر سکتا ہے۔ خود اس میں اتنی صلاحیت نہیں کہ خود اپنے رب سے پوچھ سکے کہ وہ کن کن چیزوں سے راضی ہوگا۔ کیونکہ اپنی بشری کمزوریوں کے باعث وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل کرنے سے قاصر ہے (جیسے ٹرانسفارمر) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے طریقے کیسے معلوم کرے تا کہ اس پر عمل

کر کے اپنا مقصد تخلیق حاصل کر سکے؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے احکامات لیکر اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں۔

اب ظاہر ہے وہ انبیاء بھی عام انسانوں کی طرح اگر بشری کمزوریوں میں مبتلا ہوں تو پھر وہ کیسے اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل کر سکیں گے؟ اور مخلوق ان تک کیسے اس کا پیغام لیکر پہنچا سکیں گے؟ اس لئے یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء کے جسمانی قویٰ عام انسانی قویٰ سے بہت بلند اور قوی ہوتے ہیں اسی طرح ان کی روحانیت بہت عظیم ہوتی ہے ان کا علم بہت کامل ہوتا ہے ان کی حکمت کامل ہوتی ہے، ان کے اخلاق عظیم ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (احزاب: ۲۱)

دوسرے مقام پر فرمایا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: ۳۱)

انبیاء کے متعلق اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی بشر ضرور ہوتا ہے لیکن بے عیب بشر ہوتا ہے، نبی عبد ضرور ہوتا ہے لیکن تمام عباد اللہ میں ممتاز اور سب سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے بلکہ اللہ اور تمام عباد اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہوتا ہے۔ وہ خدا نہیں ہوتا بلکہ خدا کا ہوتا ہے، خدا کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور خدا کی معرفت عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ

ترجمہ: اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے (الانعام: ۱۲۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبوت کے لئے ایک ایسے مقدس انسان کو منتخب فرماتا ہے جو کمالات انسانیت سے متصف ہوتا ہے اور وہ رسالت کے لئے ایک خاص محل ہوتا ہے جو جسمانی و روحانی، ظاہری و باطنی طور پر اعلیٰ و افضل اور اکمل

ہوتا ہے۔

بہر حال انبیائے کرام انسانی تخلیق کے مقصد کی تکمیل کے لئے منصب نبوت پر فائز ہوتے ہیں اس لئے ان کو کامل علم بھی حاصل ہونا ضروری ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ انہیں کامل علم سے سرفراز فرما کے بھیجتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم کے لئے فرمایا:

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا" (البقرہ: ۳۱)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ارشا فرمایا:

وَ کَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (انعام: ۷۴)

اور اپنے حبیب کے لئے ارشاد فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا (النساء: ۱۱۴)

بہر حال ان کو کامل علم سے نوازا جاتا ہے۔ ساتھ ہی جسمانی وروحانی طاقت وقوت اور قدرت بھی عطاء کر کے بھیجا جاتا ہے۔ ورنہ مخلوق کی ہدایت ان کے قلوب کی اصلاح اور تزکیہ کے کام وہ اس کے بغیر کیسے کر سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن نے ان کی ذمہ داریوں کو یوں بیان فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۶۴﴾
(آل عمران: ۱۶۴)

ثابت یہ ہوا کہ وہ تمام عیوب اور نقائص سے پاک اور اعلیٰ اوصاف وکمالات کے حامل بنا کر بھیجے جاتے ہیں ان کو بغیر کسی "تعیین عدد" کے ان تمام انبیاء اور رسولوں پر اجمالاً ایمان رکھنا ضروری ہے جن کو اللہ اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہا۔ وہ سب حق ہیں اور ان کمالات کے حامل ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ دیوبندی حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کا جھوٹ سے معصوم ہونا ضروری نہیں "پھر

دروغ'' صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جن سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں (تصفیۃ العقائد مطبوعہ مجتبائی، ص ۲۵: مولفہ مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند)

ہمارے نزدیک انبیاء کے احواس تمام انسانوں کے حواس اور قوی سے اعلیٰ واقوی ہیں جبکہ دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے:

''سبحان اللہ اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ ﷺ کی تو اس کے دربار میں یہ حالت ہے کہ ایک گنوار کے منہ سے اتنی بات سنتے ہی مارے دہشت کے بے حواس ہو گئے''۔ (تقویۃ الایمان، اسماعیل دہلوی ص:۲۱)

انبیاء واولیاء کی شان وھابیوں کے یھاں:

''ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا اللہ تعالیٰ کی شان کے سامنے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے انبیاء اور اولیاء بے کار ہیں'' (تقویۃ الایمان ص:۲۹) انبیاء اور اولیاء کچھ طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی سنتے ہیں'' (تقویۃ الایمان اسماعیل دہلوی ص ۱۴) غیر مقلدوں کے نزدیک '' رامچندر، کشن جی، چھمن، وغیرہ تمام انبیاء تھے ان پر ایمان لانا واجب ہے، (ہدیۃ المہدی ص ۸۵، وحید الزماں)۔

عصمت انبیاء

اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کفر وشرک، بدعقیدگی، اور جھوٹ افتراء اور دیگر ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بالکل پاک اور معصوم ہوتے ہیں یعنی نبوت سے قبل یا نبوت کے بعد وہ ایک آن بھی عمداً یا سہواً بدعقیدگی یا ذلیل حرکتوں سے متصف نہیں ہو سکتے۔ چھوٹے بڑے گناہوں کا قصداً ان سے صدور نبوت سے قبل اور نہ نبوت کے بعد کسی وقت میں بھی ممکن نہیں ہاں البتہ خطاء نسیاناً ممکن ہے مگر تبلیغی امور میں اس خطاء نسیان سے بھی معصوم ہیں یہ تو تھا عام انبیاء کے لئے عقیدہ جبکہ امام

الانبیاء سرور دو جہاں ﷺ کے لئے امت کا اجماع ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا نہ نبوت سے قبل نہ بعد، نہ قصداً نہ سہواً، نہ کبیرہ نہ صغیرہ، آپ بالکل معصوم تھے۔ غیر مقلدوں کا مذہب یہ ہے: تمام انبیاء تبلیغ احکام میں معصوم نہیں ہیں (جامع الشواہد بحوالہ کتاب ردتقلید ص ۱۲، مولفہ صدیق حسن خان) وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ نبی کا جھوٹ سے معصوم ہونا ضروری نہیں۔ پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جن سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں (تصفیۃ العقائد، مطبوعہ مجتبائی: ص ۲۵، مولفہ مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند)

عصمت انبیاء قرآن وحدیث کی روشنی میں:

انبیاء علیہم السلام کے لئے قرآن پاک میں بار بار "اصطفی" یعنی چن کر پسند کرنے کا لفظ آیا ہے ان کی عصمت اور گناہوں سے محفوظ ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کا پسندیدہ اور چنا ہوا ہونا اس امر پر دال ہے، کہ وہ اسکے مطیع ہیں نہ کہ عاصی، چنانچہ ارشاد مبارک ہے۔

"اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے چن کر اپنے پیغمبر پسند کر لیتا ہے اور آدمیوں میں سے بھی۔ (الحج: ۷۵)

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا

ہم نے ان کو دنیا میں چن کر پسند کیا (البقرہ: ۱۳۰)

(۲): اس سے بڑی ان کی عصمت اور بے گناہی کی اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ ان کو امام، پیشواء، صالح اور نیک اور اپنا پرستار بنایا۔

"وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ"

ترجمہ: ان میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا اور ہم نے ان کو وہ پیشواء بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں اور ہم نے ان کو نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہمارے پرستار تھے۔(انبیاء:۷۳)

(۳): ان کو تمام جہاں والوں پر فضیلت دی "وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ" جبکہ جہاں میں فرشتے بھی ہیں جو معصوم ہیں "لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ" جن کی شان ہے لہٰذا جو ان سے بھی افضل ہوگا وہ بلاشبہ معصوم اور گناہوں سے پاک ہوگا۔

(۴): برائیوں اور گناہوں کا اصل سرچشمہ اور منبع، شیطان یا انسان کی خود قوت شر ہے لیکن خدا کے خاص بندے انبیاء اس دام فریب سے آزاد ہیں:

"اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝"

ترجمہ: یقیناً میرے بندوں پر تیرا (شیطان) کوئی زور نہیں تیرا پروردگار (ان بندوں کی طرف سے) سب کچھ کر دینے کو بس ہے۔(بنی اسرائیل:۶۵)

شیطان نے بھی خود اقرار کیا کہ انبیاء میری دست رس سے باہر ہیں۔

وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (الحجر:۳۹۔۴۰)

ترجمہ: میں ان سب کو گمراہ کروں گا لیکن سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔

(۵): ان حضرات کے نفوس بھی ان کو برائی کا حکم نہیں دیتے حضرت یوسف علیہ السلام کا قول قرآن میں یوں بیان ہوا:

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ

ترجمہ: میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ (یوسف:۵۳)

معلوم ہوا کہ اللہ کے رحم و کرم سے ان کے نفوس بھی ان کو برائی کا حکم نہیں دیتے اور یہ گناہوں سے معصوم رہتے ہیں۔

(٦): آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا ہے۔لہٰذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ باب الوسوسہ)

عصمت انبیاء عقل کی روشنی میں:

عقل بھی یہ چاہتی ہے کہ انبیاء معصوم ہوں کیونکہ وہ اس لئے آئے ہیں تا کہ دوسروں کو احکام الٰہی کا پابند بنائیں اگر خود ان سے احکام الٰہی کی خلاف ورزی ممکن ہو تو وہ دوسروں کو پھر کس طرح پابند بنا سکیں گے؟ اسی طرح انبیاء دوسروں کو پاک صاف کرنے کے لئے تشریف لائے جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا: ''ویز کیھم'' تو جو خود گناہوں سے ناپاک ہو وہ دوسروں کو کیا پاک کرے گا؟ جس کی زندگی خود گناہوں سے آلودہ ہو وہ پیروی، اتباع اور نمونہ بننے کی کب صلاحیت رکھے گا؟ جو خود تاریکی میں ہو وہ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں کب لائیگا؟ جو خود اندھا ہو وہ اندھے کی کیا رہبری کرے گا؟ اور اس کے اتباع میں خدا کی محبوبیت کب ملے گی؟ جبکہ اس کا واضح ارشاد موجود ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ''

ترجمہ: ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا لیکن اس لئے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ (نساء:٦٤)

''قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ''

ترجمہ: اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تم کو محبوب بنالے گا۔ (آل عمران:٣١)

رسول کی حیثیت سے اطاعت ضروری ہے، اور اگر فاسق ہو تو فاسق کی مخالفت ضروری ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی اطاعت اور مخالفت بیک وقت ہو یہ تو اجتماع نقیضین

ہوا جو محال ہے، پھر نبی کی تعظیم فرض ہے جبکہ بدعقیدہ کی تعظیم حرام ہے۔تو یہ دونوں چیزیں ایک ذات میں کیسے جمع ہوسکتی ہیں، پھر اس طرح تو اس کے تمام احکامات مشکوک ہوجائیں گے کیونکہ فاسق کی کوئی بات بغیر تحقیق ماننی درست نہیں: "اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا" (الحجرات:٦)

اعتراض:

قرآن اور احادیث کے بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ بعض انبیاء معصوم نہیں بلکہ ان سے گناہ سرزد ہوئے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کیلئے فرمایا "وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" (طٰہٰ: آیت:۱۲۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود بتوں کو توڑا اور سب کے پوچھنے پر فرمایا "بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا" کہ اس بڑے بت نے یہ کام کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو جان سے مار دیا اور فرمایا "هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" کہ یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا۔ اس قسم کے اور بھی الفاظ اور واقعات احادیث میں موجود ہیں جس سے بعض انبیاء کی عدم عصمت ظاہر ہو رہی ہے۔

جواب:

اس کا ایک جامع اور اجمالی جواب تو یہ ہے کہ عصمت انبیاء قطعی اور اجماعی مسئلہ ہے لہٰذا اس کے مخالف اگر کوئی بات خبر واحد وغیرہ سے ثابت ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور اگر قرآن کی آیات یا خبر متواتر سے کوئی بات ثابت ہو تو اس کے ظاہری معنی نہیں لئے جائیں گے بلکہ اس کی تاویل کی جائے گی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کی آیات متشابہات کے مثل ہیں جن میں خاموشی لازم ہے جیسے یہ بات قطعی اور اجماعی ہے کہ اللہ جسم سے پاک ہے جبکہ قرآن میں آتا ہے "يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ" ثم استویٰ علی العرش لہٰذا جس طرح ان آیات میں کوئی

تاویل کی جائے گی اسی طرح ان آیات میں بھی تاویل کی جائے گی، جو عصمت انبیاء کے خلاف ہیں۔ مثلاً یہاں "عصیٰ" کے مجازی معنیٰ "خطا" کے لئے جائیں گے کہ ان سے بھول چوک ہوگئی، اور "غوی" کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مجازی معنیٰ "مقصود نہ پانا" لئے جائیں گے۔ لہٰذا اب آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی۔ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)۔

اسی طرح حضرت ابراہیم کا ارشاد "بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ" کے معنی یہ کئے جائیں گے کہ ان معبودوں میں تمہارے نزدیک جو سب سے بڑا معبود ہے (یعنی خدا) اس نے توڑا ہے۔ جبکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ نبی کا کام رب کا کام ہوتا ہے۔ یا یہ جملہ انشائیہ کے معنی میں ہوگا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ "بڑے نے کیا ہوگا" اب یہ جملہ انشائیہ اور سوالیہ ہونے کے باعث صدق و کذب کا متحمل نہیں۔

اسی طرح قبطی کو قتل کرنے کا حضرت موسیٰ کا ارادہ نہیں تھا بلکہ وہ تو انہوں نے اس ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانے کی کوشش میں گھونسہ رسید کیا تو وہ اس کو برداشت نہ کرسکا اور مرگیا۔ تو یہ قتل خطاء ہوا اس کے علاوہ کافر حربی تھا اس کا قتل جرم نہیں، البتہ آپ نے اس کو جو عمل شیطان فرمایا وہ کسر نفسی کے طور پر فرمایا۔

استغفار رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۱): جب یہ ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام گناہوں سے پاک اور معصوم تھے تو پھر اس آیت مبارکہ میں "مغفرت ذنب" کا کیا مطلب؟ "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ" (الفتح: ۲) اسی طرح اس حدیث پاک کا کیا مطلب؟

"قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورت قدماہ فقیل لہ لم تصنع ھٰذا وقد غفر لک ماتقدم من ذنبک وماتاخر قال افلا اکون عبداً شکوراً"

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز میں اس قدر قیام کیا کہ پاؤں مبارک میں ورم

آ گیا آپ سے کہا گیا کہ آپ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے تو آپ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری، مسلم، ص:۱۰۸،۱۰۹)

(۲): "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول واللہ انی لاستغفر اللہ واتوب الیہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ" ترجمہ: راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم میں بیشک اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع ہوتا ہوں دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ۔ (بخاری) اگر آپ کے گناہ نہیں تھے تو آپ کے استغفار کرنے اور اللہ کی طرف سے ان کی بخشش اور مغفرت کے مژدہ سنانے کا کیا مطلب؟

جوابات: (۱): علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ تبلیغ دین کے پیش نظر آپ بعض دفعہ افضل اور اولیٰ کاموں کو ترک فرما دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس کا ترک بھی جائز ہے، یہاں ذنب کا اطلاق ایسے ہی کاموں کی طرف ہے۔

(۲): بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض چیزوں سے منع فرمایا لیکن بعد میں ان کاموں کو کیا بھی تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ حرام نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہیں لہٰذا یہاں ذنب کا اطلاق ایسے ہی کاموں کی طرف کیا گیا ہے۔

(۳): بعضوں نے کہا کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین"۔ لہٰذا ان نیکیوں پر ذنب کا اطلاق ہوا ہے۔

(۴): علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں گو مغفرت کے معنی ستر کے آتے ہیں ہمارے حق میں مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ذاتوں اور ہمارے عذاب کے درمیان اپنی رحمت کو حائل کر دیتا ہے اور انبیاء کے حق میں مغفرت ذنوب کا

مطلب یہ ہوگا کہ ان کی ذاتوں اور ان کے مفروضہ گناہوں کے درمیان اللہ اپنی عصمت اور حفاظت کو حائل کر دے گا۔ یعنی معنی یہ ہوں گے کہ اللہ نے آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی کو گناہوں سے محفوظ کر دیا ہے۔

(۵): بعض لوگوں نے ذنب سے امت کے گناہ مراد لئے ہیں کہ آپ کے سبب سے آپ کی اگلی اور پچھلی امت کے گناہ معاف کر دیئے۔

(۶): انسان فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے لہٰذا ذنب سے یہی تصور فطری مراد ہے اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے استغفار فرمائی۔

(۷): اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حد و حساب اور لا متناہی ہیں جبکہ انسان کتنا بھی شکر ادا کرے وہ چونکہ متناہی ہے اس لئے اس کا شکر بھی متناہی ہوگا، اسی فطری عجز سے آپ نے استغفار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمائی۔

(۸): آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے تھے لیکن بعض دفعہ تبلیغی امور کے باعث اور لوگوں تک اللہ کے احکام پہنچانے کے باعث انہماک اور دید میں جو فرق آتا تھا یہ استغفار اسی سے تھا۔

(۹): آپ کا استغفار تعلیم امت کے لئے تھا تا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں کس طرح بخشش طلب کی جاتی ہے کیونکہ آپ عملی طور پر انجام دیگر ہر چیز امت کو سکھاتے تھے اس لئے استغفار بھی سکھایا تا کہ امت کو اس کا طریقہ آجائے۔

(۱۰): ایک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى" یعنی آنے والی گھڑی آپ کی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔ چونکہ آپ کی ہر آن لاحق آن سابق سے بلند ہوتی تھی اس لئے وہ آن سابق آپ کو آن لاحق کے مقابلے میں ذنب محسوس ہوتی تھی۔ قرب کی اعلیٰ منزل کو پا کر قرب کی پہلی منزل بھی بعد لگنے لگتی تھی

لہذا آپ اس پر استغفار فرماتے تھے۔

(۱۱): گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود آپ نے استغفار فرمایا اظہار عبودیت کے لئے، جیسے خانہ کعبہ سے افضل اشرف ہونے کے باوجود آپ نے اظہار عبودیت کیلئے اس کا طواف فرمایا۔

(۱۲): اللہ فرماتا ہے "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ" کہ اللہ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، چونکہ آپ اللہ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں لہٰذا توبہ کرا کے محبوبیت کا یہ مقام بھی آپ کو عطاء کر دیا گیا۔

(۱۳): اظہار مغفرت یہ ایک عزت اور تشریف کا کلمہ ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی سے خوش ہو کر کہے کہ جاؤ تمہارے سات خون معاف اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے واقعی خون کئے ہیں وہ معاف ہوئے ہیں بلکہ یہ اظہار عظمت اور اظہار خوشی اور اظہار قرب کے لئے کہا جاتا ہے۔

مسیح موعود

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق شروع سے اب تک مختلف گروہوں اور مختلف لوگوں کے مختلف نظریات رہے ہین لیکن قرآن سے ان سب کی تردید ہوتی ہے۔

حضرت عیسیٰ یہود کی نظر میں: یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم پر تہمت لگاتے تھے چنانچہ قرآن نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ (تحریم: ۱۲)

ترجمہ: اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں اور اس کی کتابوں کو سچ جانا اور وہ

بندگی کرنے والوں میں تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کی نظرمیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے متعدد نظریات اور عقائد ہیں سب کا اجمالی تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱): عقیدہ مصلوبیت (Crucification):

عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں نے پنطیس پیلاطس کے حکم سے آپ کو سولی پر چڑھادیا تھا جس سے ان کی وفات ہوگئی۔وہ پھانسی اقنوم ابن جو خدا ہے اس کو نہیں دی گئی بلکہ اس اقنوم ابن کے انسانی مظہر حضرت عیسیٰ کو دی گئی جو انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں بلکہ ایک مخلوق ہیں۔

قرآن پاک اس کی واضح طور پر تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَّقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾

(النساء:۱۵۷۔۱۵۸)

ترجمہ: اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کردیا مسیح ابن مریم کو جو اللہ کا رسول ہے حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اسے اور نہ ہی سولی دیا اسے بلکہ شبہ ہوگئی ان کے لئے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک وشبہ میں ہیں ان کے متعلق نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً بلکہ اٹھالیا اسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاارشادگرامی ھے:

”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للیھود ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ“

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا کہ بیشک عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور وہ ضرور بالضرور قیامت سے قبل تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔

کیا شان ہے اسلام کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن بھی حضرت عیسیٰ کو سولی چڑھانے، ان کو ذلیل کرنے کی باتیں کر رہے ہیں اور ان کے ماننے والے عیسائی بھی اس کو تسلیم کر رہے ہیں لیکن اسلام ان کی شان کو بڑھا رہا ہے اور صاف اعلان فرما رہا ہے کہ وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ پر ان کا ایک حواری (منافق) یہوداہ کو سولی دی گئی اور وہ ہی قتل ہوا۔ اور یہ وہ منافق تھا جس نے چند روپے کی لالچ میں اپنے پیغمبر کی مخبری کی اور آپ کو گرفتار کرانے کی پوری کوشش کی۔

ایک اور مقام پر قرآن کاارشادھے:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (آل عمران:55)

ترجمہ: جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ یقیناً میں پوری عمر تک پہنچانے والا ہوں تمہیں اور اٹھانیوالا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تہمتوں) سے جنہوں نے (تیرا) انکار کیا اور بنانے والا ہوں ان کو جنہوں نے تیری پیروی کی غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک۔

”تَوَفّی“ وفی سے نکلا ہے اس کے لغوی معنی ہیں ”پورے کا پورا لے لینا“ تاج العروس میں ہے ”وتوفاہ ای لم یدع منہ شئ“ یہ اس کے حقیقی معنی ہیں جبکہ

مجازی معنیٰ ''موت'' کے ہیں لہٰذا قاعدہ کے مطابق حقیقی معنیٰ کے ہوتے ہوئے مجازی معنیٰ نہیں لئے جائیں گے۔ جبکہ احادیث سے قرائن بھی حقیقی معنیٰ کے ہی مؤید ہیں لہٰذا اس کے معنیٰ ہوں گے پوری عمر تک پہنچانا۔

اگرچہ حضرت مسیح کو سولی دینے کا قصہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے لیکن ان انجیلوں کی حقیقت کیا ہے اس کا بیان انشاء اللہ آگے آئے گا لیکن اس کے باوجود اس ہی انجیل کے بعض قدیم نسخوں کے ذریعہ قرآن کے اس اعلان کی حقانیت ظاہر ہو رہی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ایک انجیل کا قدیم نسخہ دریافت ہوا ہے جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھالیا گیا تھا انجیل پطرس کا یہ جملہ ہلمن اسٹریٹر نے اپنی مشہور کتاب اناجیل اربعہ (The four Gospels) ص ۵، مطبوعہ میکملن نیویارک میں نقل کیا ہے اس کی تاویل اس نے یہ کی ہے کہ یہاں مسیح سے مراد کا خدائی وجود ہے لیکن انجیل پطرس کے الفاظ اس کی نفی کرتے ہیں کیونکہ آسمان پر اٹھانے کے لئے صیغہ مجہول استعمال کیا گیا ہے۔ خود اس کی تحریر کے مطابق یہ الفاظ ہیں (He was taken) اس کو اوپر اٹھالیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اٹھانیوالا کوئی اور تھا ورنہ اگر اس سے مراد خدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ ''وہ اوپر چلا گیا'' کیونکہ خدا کو کوئی اٹھا نہیں سکتا۔

(۲): **عقیدہ کفارہ** : (The Atonement)

حضرت عیسیٰ کے بارے میں عیسائیوں کا ایک عقیدہ کفارہ بھی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے ایک سخت ترین گناہ سرزد ہوا۔ اس کے بعد جتنے انسان پیدا ہوئے وہ سب چونکہ ان ہی کے صلب اور پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اس لئے یہ اصلی گناہ تمام انسانوں میں منتقل ہو گیا۔ اب ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی

جوتمام انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر اٹھالے اور سزا پاکر تمام انسانوں کے گناہ معاف کرادے چنانچہ اس مقصد کے لئے اپنے بیٹے (عیسیٰ) کو چنا اس نے قربانی پیش کی اور سولی پر چڑھ گیا اور مر گیا اس کی موت تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہوگئی۔ پھر یہی بیٹا جو تین دن بعد زندہ ہوگیا۔ لیکن یہ عقیدہ عقل کے بالکل خلاف ہے۔

کیونکہ اول تو یہ بات غلط ہے کہ حضرت آدم کی لغزش گناہ تھی بلکہ جیسا کہ پہلے تحقیق گزری کہ وہ ایک خطا اور بھول چوک تھی، گناہ نہیں تھی۔

(۲): پھر اس گناہ کا آدمیوں میں اور حضرت عیسیٰ میں منتقل ہونا یہ بھی قانون اور عدل خداوندی کے خلاف ہے۔ جیسا کہ تورات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور قرآن میں بھی ہے اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔

(۳): پھر دوسروں کے گناہوں کے بدلہ میں کسی معصوم کو سولی پر چڑھا دینا جرم کوئی کرے سزا کوئی بھگتے یہ کہاں کا انصاف ہے۔

(۴): کیا کوئی غیر مجرم سزا قبول کرے تو کیا مجرم پر سے وہ گناہ معاف ہو جائے گا۔ کیا کوئی دنیا کی عدالت ایسی ہے جہاں کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں چور کے بدلے مجھے سزا دے دو تو کیا اس اصلی چور کو آزاد کر دیا جائے گا؟

مرزاغلام احمد قادیانی کی نظر میں حضرت عیسیٰ:

اللہ کے مقرب اور عظیم پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی کے مکروہ نظریات اور عقائد:

(۱): لکھتے ہیں۔ سردار کا بن جاتا ہوں کہ یہ ایک انسان اور ہماری قوم میں سے یوسف نجار کی بیوی کا لڑکا ہے" (تبلیغ رسالت ۳:ص ۱۶۳)۔

(۲): آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا

کنجریوں سے میلان اور محبت ہی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے۔(ضمیمہ انجام آتھم ۷)۔

جبکہ قرآن پاک میں ان بیہودہ الزامات کی واضح تردید موجود ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

"اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۖ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾" (آل عمران)

ترجمہ: جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک کلم کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور اللہ کے مقربین سے ہوگا اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گھوارے میں اور پکی عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں سے ہوگا مریم بولیں اے مرے پروردگار کیونکر ہوسکتا ہے میرے یہاں بچہ حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھے کسی انسان نے فرمایا بات یوں ہی ہے (جیسی تم کہتی ہو لیکن) اللہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام کے کرنے کا تو بس اتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے"۔

اس آیت میں مرزا جی کی تمام باتوں کی تردید موجود ہے۔ایک اور مقام پر مرزا لکھتے ہیں:

(۳): مسیح کا چال چلن کیا تھا؟ ایک کھاؤ پیو، شرابی، نہ زاہد نہ عابد، نہ فن کا پرستار منکر خود بین خدائی کا دعوی کرنے والا۔(مکتوبات احمد۔ج ۳:ص ۲۳)۔

جبکہ قرآن کا واضح ارشاد ہے حضرت عیسیٰ پیدا ہوتے ہی اعلان فرما رہے ہیں:

اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا

شَقِیًّا﴿۳۲﴾ (مریم)

ترجمہ؛ میں اللہ کا بندہ ہوں (خدائی دعوٰی نہیں کرتا) اللہ نے مجھے کتاب دی ہے (میں جاہل نہیں) اور مجھے نبی بنایا ہے (نبی تمام گناہوں اور عیوب سے پاک ہوتا ہے) اور اللہ نے مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی میں رہوں اور اللہ نے مجھے نماز کی اور زکوۃ کی وصیت فرمائی جب تک بھی میں زندہ رہوں اور میری والدہ بھی پارسا ہیں اور مجھے اللہ نے متکبر اور سرکش نہیں بنایا۔

مرزا جی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوب برائیاں کر کے بھلے مسلمانوں کو حضرت عیسیٰ سے متنفر کیا اور اپنے اندر تمام اچھائیاں ثابت کر کے خود مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کر دیا۔ عبارات ملاحظہ ہوں۔

(۱): خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد ہے (دافع البلاء ص ۱۳)

(۲): مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔ (حقیقۃ الوحی: ص ۴۸)۔

(۳): خدا تو یہ پابندی اپنے وعدوں کے ہر چیز پر قادر ہے لیکن ایسے شخص کو کسی طرح دوبارہ دنیا میں نہیں لا سکتا جس کے پہلے فتنہ نے ہی دنیا کو تباہ کر دیا (دافع البلاء ص ۱۵)۔

اب پتا چلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برائیاں کرنے کا یہ مقصد تھا کہ اپنے کو مسیح موعود ثابت کیا جائے۔

مسیح موعود: اب دیکھنا یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا ہے؟ لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود کی جو نشانیاں بیان فرمائی

ہیں کیا مرزا صاحب میں موجود ہیں؟

حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیے:

"والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما وعدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب" (صحیح بخاری ج:۱،ص:۴۹۰)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں حضرت عیسیٰ بن مریم حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہونگے پس صلیب کو توڑ دینگے خنزیر کو قتل کردیں گے اور لڑائی موقوف کردیں گے۔

اس حدیث میں نزول کا لفظ ہے جو مرزا پر صادق نہیں آتا جو ماں کے پیٹ سے آیا ہے نہ کہ آسمان سے اترا ہے۔ اس میں حاکم وعادل کا ذکر ہے جبکہ مرزا ہمیشہ انگریزوں کا غلام اور محکوم رہا کبھی بھی ایک لمحہ کی اس کو حکومت نہیں ملی تیسری نشانی ''کسر صلیب'' بیان فرمائی جس میں عیسائیوں کے غلط عقائد اور نظریات مثلاً تثلیث وحلول، صلیب پرستی، وغیرہ کو ختم کرنے کی طرف اشارہ ہے اور قتل خنزیر سے ان کی بداعمالیوں کو ختم کرنے کی طرف اشارہ ہے جبکہ مرزا کے زمانہ میں ان امور کا ختم ہونا تو دور کی بات، رہا عیسائیت اور اس کے مہمل عقائد کو خوب فروغ حاصل رہا۔ اور ان کی موت کے وقت ان کے اپنے رسالہ الفضل (۱۹ جون ۱۹۴۱ء) کے مطابق عیسائیوں کے صرف ہندوستان میں ۱۳ مشن کام کر رہے تھے۔ 1800 سے زائد پادری، 430 ہسپتال اور اس میں 500 ڈاکٹرز تقریباً 100 اخبارات اور 151 کالج 1617 اسکولز 61 ٹریننگ اسکولز جن میں 60,000 طالب علم اور پرائمری میں 18675 طلباء پڑھ رہے تھے روزانہ 224 آدمی عیسائی بن رہے تھے یہ تو صرف ہندوستان کی بات ہے باقی دنیا کی علیحدہ بات ہے۔ کیا یہی ''کسر صلیب'' ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی چوتھی نشانی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بیان فرمائی وہ

"یضیع الحروب" کہ قتل وقتال اور جنگیں ختم ہو جائیں گی امن وامان قائم ہو جائے گا لیکن مرزا کے بعد تو یہ بدامنی اور جنگیں مزید بڑھ گئیں حتی کے دو عالمی جنگوں کے بھیانک انجام سے انسانیت کو دوچار ہونا پڑا۔

احادیث کی رو سے حضرت عیسیٰ دجال کو قتل کریں گے جس کی تفصیل کتب احادیث میں موجود ہیں اس کی تاویل میں مرزا جی دجال سے مراد پادری لیتے ہیں حالانکہ یہ پادری تو حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی تھے حضور ﷺ اپنے زمانہ میں فرما دیتے کہ یہ ہی دجال ہیں پھر وہ تمام صفات واحوال جو حضور ﷺ نے بیان فرمائے وہ سب پادریوں میں پائے جاتے ہیں؟ اور کیا مرزا صاحب نے کسی پادری کو قتل کیا؟ اور اگر مرزا صاحب کے دجال پادری ہلاک ہو چکا ہے تو پھر دنیا میں آج ہزاروں پادری کیسے موجود ہیں اور کہاں سے آ گئے؟

احادیث کی رو سے حضرت عیسیٰ چالیس سال دنیا میں قیام فرمائیں گے جبکہ مرزا کی نہ اتنی عمر بنتی ہے نہ زمانہ تبلیغ اتنا بنتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روضہ رسول ﷺ پر حاضری کا بھی ذکر احادیث میں آتا ہے جبکہ اس کذاب کو روضہ رسول ﷺ کی حاضری بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت عیسیٰ حضرت ابو بکر کے پہلو میں مدفون ہوں گے جبکہ مرزا جی کو وہاں کی ہوا بھی نصیب نہیں ہوئی۔ بہر حال مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے مجدد ہونے کا پھر مثل مسیح ہونے کا پھر مسیح موعود ہونے پھر نبی ہونے کا پھر خدا ہونے کا پھر خالق ہونے کا دعویٰ اس کی بے وقوفی اور حد درجہ کے پاگل پنے پر دلالت کرتی ہے۔

وھابیوں کے نظر میں حضرت عیسیٰ: دیوبندی رشید احمد گنگوہی کی مسیحائی حضرت عیسیٰ کی مسیحائی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم

(مرثیہ مصنفہ محمود الحسن ص ۳۲)

اس شعر میں رشید احمد گنگوہی کی مسیحائی کو حضرت عیسیٰ کی مسیحائی پر ترجیح دی گئی ہے حالانکہ کمالات میں کسی غیر نبی کو نبی سے بڑھ کر ماننا توہین نبوت ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہے۔

ملائکہ

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ فرشتوں پر بھی ایمان لائے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک نورانی مخلوق ہیں جو گناہوں سے بالکل معصوم اور پاک ہوتے ہیں ہر وقت اطاعت میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ" (تحریم:٦)

ترجمہ:۔ وہ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس میں اللہ نے ان کو حکم دیا ہے اور وہی کرتے ہیں جیسا حکم دیا جاتا ہے۔

وہ قوت غضب و شہوت اور بھوک پیاس سے پاک ہوتے ہیں ملائکہ میں سب سے افضل چار فرشتے ہیں، حضرت جبرائیل، حضرت اسرافیل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل۔ ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں یہ بے حد و حساب ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ومایعلم جنود ربک الاھو" کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر کو سوائے اس کے۔

ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ مختلف انسانی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

افضلیت بشر: ملائکہ سے بشر افضل ہے اور اس کی دلیل میں علمائے کرام وہ

آیات پیش کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے اسماء پیش کئے اور وہ جواب دینے سے قاصر رہے جبکہ آدم علیہ السلام نے تمام جواب دے دیئے تو اللہ تعالیٰ نے بشر کو علم سے مشرف فرما کر اس کو فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی اور اسی لئے خلافت کا تاج بھی اسی کے سر پر رکھا اور اسی لئے وہ مسجود ملائک ٹھہرا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَي الْمَلٰۗئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِــُٔوْنِىْ بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ: ۳۱ تا ۳۴)۔ ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری حمد کیساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا میں جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو انہوں نے کہا تو پاک ہے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتایا ہے بیشک تو بڑے علم والا حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم! ان چیزوں کے نام بتاؤ پھر جب آدم نے انہیں ان کے نام بتا دیئے فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو اسے بھی

جانتا ہوں اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مختلف ملائکہ کو مختلف امور و احکام سپرد ہیں۔ مثلاً: بہت سے ملائکہ صرف تسبیح و تقدیس میں مصروف ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ (الاعراف:۲۰۶)۔

ترجمہ: بیشک جو تیرے رب کے یہاں ہیں وہ اس کی بندگی سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاک ذات کو یاد کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

کچھ حاملان عرش ہیں: وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ (الحاقہ:۱۷)

ترجمہ: اور عرش الٰہی کو اپنے اوپر اس دن آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔

کچھ جنتیوں کو سلام کرنے اور دوزخیوں کو عذاب دینے پر مامور ہیں، کچھ انبیاء اور رسولوں پر وحی لانے لیجانے پر مقرر ہیں۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام، کچھ ہواؤں کے چلانے، بادلوں کے لانے اور بارشوں کے برسانے پر مقرر ہیں کچھ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے پر مامور ہیں۔ کچھ تلاوت قرآن اور ختم قرآن کے وقت نازل ہوتے ہیں۔ کچھ قبض ارواح اور کچھ مجالس ذکر میں حاضر ہونے پر مامور ہیں۔ کچھ انسانی اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔ "وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝۱۱ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲" اور بیشک تم پر محافظ ہیں عزت والے اعمال لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ (الانفطار: آیت: ۱۲) کچھ ایسے ہیں جو علم دین حاصل کرنے والے کی عزت و عظمت بڑھانے پر مامور ہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں آتا ہے۔ "ان الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضابما یفتح" (ابوداؤد۔ ترمذی)۔ ترجمہ: بیشک ملائکہ البتہ اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں طالب علم کے لئے۔ اظہار رضامندی کرتے ہوئے ان کے اس عمل سے جو وہ طالب علم کر رہا ہے۔

کتب سماویہ

ایک مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کے ساتھ دوسری تمام آسمانی کتابوں کی صداقت پر بھی ایمان لائے۔ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ صحیفہ محمدی کے ساتھ دوسرے پیغمبروں کے صحیفوں کو بھی منجانب اللہ مانتے ہوئے ان کو بھی حق تسلیم نہ کرلے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

"قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ" (البقرہ:۱۳۶)

ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم کہو کہ ہم خدا پر، اور جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا اس پر، اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور خاندان یعقوب کی طرف اتارا گیا اس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اس پر اور جو کچھ سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا ان سب پر ایمان لائے۔

بعض کتابیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں ان کے نام قرآن میں ذکر کردیئے گئے ہیں مثلاً حضرت داؤد پر زبور، حضرت عیسٰی پر انجیل، حضرت موسٰی پر توریت، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قرآن پاک۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء پر صحیفوں کے اترنے کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ (آل عمران:۱۸۴)

ترجمہ: پھر اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے جو نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لائے۔

"اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ

(المائدہ: ۴۴)۔ ترجمہ: ہم نے تورات نازل کی کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے اس پیغمبر پر جو اللہ کے فرمانبردار تھے۔ یہود کو حکم کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے۔ اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے۔ انجیل کے لئے ارشاد فرمایا:

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ (المائدہ: ۴۶)

ترجمہ: اور ہم نے ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر عیسیٰ ابن مریم کے بیٹے کو بھیجا جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور راہ بتانے والی تھی اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت تھی۔

بہر حال قرآن پاک میں جن کتابوں کے نام مذکور ہیں ان کے نام کے ساتھ اور جن کے نام نہیں ان پر بغیر نام کے اجمالا ہر مسلمان کے لئے ایمان لانا ضروری ہے۔ کہ جو کچھ انبیاء سابقین پر نازل ہوا وہ سب اللہ کی پاک اور برحق کتابیں تھیں۔

اسلام اپنے سے قبل آسمانی کتابوں کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ ان کی تصدیق کو ایمان کا جزء قرار دیکر رواداری اور بے تعصبی اور انسانی اخوت کا عظیم الشان مظاہرہ کر رہا ہے۔ یہ عظیم تعلیم ہمیں کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی۔ اور یہیں سے "وحدۃ الادیان" کا تصور ابھرتا ہے کہ حضرت آدم سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک جتنے مذاہب خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھے ان سب کی بنیادی تعلیمات ایک تھیں۔ جیسا کہ گزشتہ آیات سے معلوم ہوا کہ ہر کتاب اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی تھی اور قرآن تمام پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے قرآن نے کوئی

نئی چیز پیش نہیں کی بلکہ وہی توحید ورسالت اور بعثت بعد الموت وغیرہ کے وہ ہی تصور دیئے ہیں جو سابقہ تمام انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں دیتے چلے آئے ہیں۔ الغرض حضرت آدم سے لیکر حضور اکرم ﷺ تک ایک ہی پیغام تھا جو آتا رہا ایک ہی دین تھا جو سکھایا جاتا رہا۔ ایک ہی حقیقت تھی جو دہرائی جاتی رہی، اور اسلام اسی مجتمع حقیقت پر سب کو جمع ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔ کہ تمام مذاہب والے اپنے اپنے اصلی دین پر آجائیں تو وہ ہی دین ازلی ہوگا اور اسی کا نام اسلام ہوگا کیونکہ دین محمدی دین عیسوی دین نوحی، دین موسوی میں سوائے اجمال وتفصیل کے اور کوئی فرق نہیں۔ اسی لئے اہل کتاب کو بار بار فرمایا جا رہا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (نساء: ۴۷)

ترجمہ: اے وہ لوگو! جن کو پہلے کتاب دی گئی، اس پر ایمان لاؤ جو اب ہم نے اتارا (قرآن) جو (ان تعلیمات) کی تصدیق کرتی ہے۔ جو تمہارے پاس ہے۔

لیکن مسلمان کو یہ عقیدہ اور ایمان ان اصلی کتابوں کے متعلق رکھنا ہے۔ جو انبیاء پر نازل ہوئیں جبکہ موجودہ کتابیں (بائبل) اصلی نہیں اور وہ نہیں جو ان انبیاء پر نازل ہوئی تھیں موجودہ بائبل کا مختصر سا تعارف ہم پیش کرتے ہیں۔

بائبل: عیسائیوں کے نزدیک ان آسمانی کتابوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے متعلق ان کا دعوٰی ہے کہ یہ حضرت عیسٰی سے قبل کے پیغمبروں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں ان کو وہ "عہد عتیق" "عہد قدیم" "پرانا عہد نامہ" (Old testament) کے نام سے یاد کرتے ہیں اور وہ کتابیں جو حضرت عیسٰی کے بعد لکھی گئیں ان کے مجموعہ کو "عہد جدید" اور "نیا عہد نامہ" (New testament) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور ان دونوں عہد ناموں کے مجموعے کو بائبل (Bible) کہتے ہیں۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں۔

عهد قدیم: عہد قدیم ۳۸ کتابوں کے مجموعے کا نام ہے جس میں سے پانچ کتابوں کے مجموعے کو ''توریت'' کہتے ہیں وہ پانچ کتابیں یہ ہیں۔

(۱): سفر تکوین: پیدائش (حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یوسف کے زمانہ کی تاریخ)۔

(۲): سفر خروج (جس میں حضرت موسیٰ کی پیدائش سے لیکر دعوت دین، اللہ سے ہم کلامی، فرعون کے غرق اور تورات کے احکامات ہیں)

(۳): سفر احبار (اس میں وہ احکام ہیں جو بنی اسرائیل کو صحرائے سینا میں دیئے گئے) (۴): سفر عود (بنی اسرائیل کی مردم شماری سے لیکر ان کے کنعان جانے تک کے احوال) (۵): سفر استثناء (وہ واقعات جو گنتی کے بعد جو حضرت موسیٰ کو پیش آئے)

اس کے علاوہ عہد قدیم کی جو بقیہ کتابیں ہیں وہ علیحدہ علیحدہ انبیاء کے لحاظ سے مثلاً: حضرت موسیٰ کے خاص خادم حضرت یوشع بن نون، حضرت داؤد، حضرت شموئیل، حضرت سلیمان، حضرت الیاس، حضرت یسع، حضرت عزیر، حضرت زکریا، حضرت یحیٰی، حضرت ایوب (Job) حضرت اشعیاء بن آلوص، حضرت ارمیا، حضرت خرقیل، حضرت دانیال، حضرت یوایل، آموس، (نبی ہیں بقول تورات) حضرت عبریا، حضرت یونس، حضرت میخا مورشتی، ناحوم (بقول تورات نبی ہیں) حبقوق، صیفناء، (بقول تورات نبی ہیں) حضرت ملاخیا (عہد قدیم کے آخری پیغمبر)۔ کے حالات واقعات، ان کی تعلیمات ان کے گیت اور غزلوں وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

۹ کتابیں ایسی ہیں جن کی صحت کے بارے میں خود عیسائیوں کے دو فرقوں کے درمیان اختلاف ہے چنانچہ کیتھولک بائبل میں وہ کتابیں ہیں جبکہ پروٹسٹنٹ بائبل (آجکل زیادہ رائج ہے) میں وہ موجود نہیں ہیں وہ ۹ کتابیں یہ ہیں۔

(۱): کتاب الستر (۲): کتاب بارفع (۳): کتاب دانیال کا ایک جز (۴):

کتاب طوبیاہ (۵): کتاب یہودیت (۶): کتاب دانش۔ (۷): کلیسائی پندونصائح (۸): کتاب المقابین اول (۹): کتاب المقابین ثانی۔

عہد جدید: عہد جدید کل ۲۰ کتابوں پر مشتمل ہے۔ جس میں سے چار کتابوں کو اناجیل اربعہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ چار کتابیں یہ ہیں۔ (۱): انجیل متی (۲): انجیل مرقس (۳): انجیل لوقا (۴): انجیل یوحنا۔

انجیل کا لفظ انہی چاروں کتابوں کے ساتھ خاص ہے۔ کبھی کبھی مجازاً عہد جدید کی تمام کتابوں کے لئے استعمال کرلیا جاتا ہے۔

انجیل متی: متی حضرت عیسیٰ کے بارہ حواریوں میں سے ایک ہیں ہر انجیل کو عیسائی آپ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کے نسب نامہ سے لیکر عروج آسمانی تک کے واقعات اور کچھ احکامات تحریر ہیں۔

انجیل مرقس: مرقس، حضرت عیسیٰ کے ایک حواری پطرس کے شاگرد ہیں یہ انجیل انہی کی طرف منسوب ہے۔ اور اس میں حضرت عیسیٰ کے متعلق سابقہ انبیاء کی بشارتیں اور عیسیٰ کے عروج آسمانی تک کے حالات ہیں۔ اس میں ۱۶ اباب ہیں۔

انجیل لوقا: لوقا اپنے زمانہ کے طبیب تھے پولُس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہا یہ انجیل اس کی طرف منسوب ہے اس میں حضرت یحییٰ کی پیدائش کے واقعات سے لیکر حضرت عیسیٰ کے عروج آسمانی کے واقعات تک۔ ۲۴ بابوں میں درج ہیں۔

انجیل یوحنا: یوحنا حضرت یحییٰ کو بائبل میں یوحنا (John) کہا جاتا ہے اس انجیل میں آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات وواقعات درج ہیں۔ اس کے علاوہ عہد جدید کی بقیہ کتابوں میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے حالات بالخصوص پولُس کے حالات اس کی تقریریں اس کے خطوط، اس کی تبلیغی سرگرمیوں اور ہدایات کا تفصیلی ذکر ہے۔ عہد جدید کی جن کتابوں کی صحت کے بارے میں خود عیسائیوں کے

مختلف فرقوں میں اختلاف ہے ان کے نام یہ ہیں:

(۱): یوحنا کے رسالہ اول سے پولس کا رسالہ عبرانیوں کی جانب۔ (۲): پطرس کا دوسرا رسالہ۔ (۳): یوحنا کا دوسرا رسالہ۔ (۴): یوحنا کا تیسرا رسالہ۔ (۵): یعقوب کا رسالہ۔ (۶): یہودا کا رسالہ۔ (۷): مشاہدات یوحنا۔

عیسائی علماء کی میٹنگ: ۳۲۰ء میں بادشاہ قسطنطین کے حکم سے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجلاس شہر نائس میں ہوا تاکہ ان مذکورہ بالا تمام عہد قدیم اور عہد جدید کی مشکوک کتابوں کے بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ کیا جائے۔ بڑی تحقیق رقیق کے بعد علماء نے فیصلہ دیا کہ کتاب یہودیت کو تسلیم کرلیا جائے باقی کتابوں کو جن کا ذکر اوپر گزرا بدستور مشکوک رکھا جائے۔

اس کے بعد ۳۶۴ء میں ایک اور مجلس اور اجلاس منعقد ہوا جو ''لوڈیشیا'' کی مجلس کے نام سے مشہور ہوا اس میں بھی عیسائی علماء نے یہودیت کے متعلق فیصلہ کو برقرار رکھا مگر اس کے علاوہ سات اور کتابوں کو مستند اور واجب التسلیم قرار دے دیا۔ وہ سات کتابیں یہ ہیں۔ (۱): کتاب ایستر۔ (۲): یعقوب کا رسالہ۔ (۳): پطرس کا دوسرا رسالہ (۴): یوحنا کا دوسرا اور تیسرا رسالہ۔ (۵): یہوداہ کا رسالہ۔ (۶): پولس کا رسالہ عبرانیوں کے نام۔

اس کے بعد ۳۹۷ء میں ایک اور مجلس منعقد ہوئی ہے کارتیج مجلس کے نام سے مشہور ہوئی اس میں عیسائیوں کے مشہور عالم اگسٹائن بھی دیگر ۱۲۶ علماء کے ساتھ موجود تھا اس میں پچھلی تسلیم شدہ کتابوں کے علاوہ سات اور کتابوں کو تسلیم کرلیا گیا مگر کچھ کتابوں کو اب بھی مشکوک برقرار رکھا۔ اس کے بعد مجلس ٹرلو، مجلس فلورنس، مجلس ٹرنٹ۔ منعقد ہوئیں۔ جن کے بعد وہ تمام کتابیں جو مشکوک چلی آرہی تھیں تمام کی تمام مسیحیوں کے نزدیک تسلیم کرلی گئیں۔

سنہ ۱۲۰ء تک ان کتابوں کو تسلیم کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹینٹ نمودار ہو گیا جس نے اپنے بزرگوں کے فیصلہ کے خلاف کتاب بارفع۔ کتاب طوبیا۔ کتاب یہودیت۔ کتب دانش۔ کتاب پند کلیسا، اور مقابین کے بارے میں فیصلہ کیا کہ یہ مشکوک ہیں اور غیر مسلم ہیں۔ کتاب الستر۔ کے بعض ابواب کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خود تسلیم کیا کہ اس سے قبل ہزاروں عیسائی برسہابرس سے ان کو مانتے چلے آرہے ہیں وہ غلطی پر تھے ان کتابوں کا کوئی ماخذ اور اصل نہیں ہے۔ یہ سب تحریف شدہ نسخے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ کتابیں پروٹسٹینٹ بائبل میں موجود نہیں جبکہ کیتھولک والے آج تک اپنے اسلاف کے اتباع میں اس کو مانتے چلے آرہے ہیں۔

ان کتابوں کے غیر معیاری، تحریف شدہ، اور غیر اصلی، اور نقلی ہونے کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا۔ کہ خود عیسائیوں کا ایک فرقہ ان کو تسلیم نہیں کر رہا۔ اور علی الاعلان ان کے تحریف شدہ ہونے اور اپنے بڑوں کی غلطی کا اعلان کر رہا ہے۔ جس طرح ان بعض کتابوں کے بارے میں تمہارے بڑوں نے غلطی کی۔

اس طرح اب موجودہ بعض دوسری کتابوں کے بارے میں تم غلطی کر رہے ہو ان کو اصلی سمجھے بیٹھے ہو حالانکہ یہ بھی تحریف شدہ ہیں او... کے مستند نہ ہونے کے اور بھی متعدد ہمارے پاس دلائل ہیں جو آگے آئیں گے۔

اسی طرح کتاب المشاہدات، کتاب المعراج، کتاب الاسراء، حضرت موسیٰ کی طرف منسوب ہیں، اسی طرح بہت سی زبوریں حضرت سلیمان کی طرف منسوب ہیں اس کے علاوہ (۷۰) سے زائد کتابیں حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی طرف منسوب ہیں لیکن آج کے عیسائی خواہ وہ گریک کنیسا کے ہوں یا کیتھولک ہوں یا پروٹسٹینٹ ہوں تمام کلیسا متفق ہیں کہ یہ سب من گھڑت اور جھوٹی ہیں کیونکہ آسمانی اور

واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے ٹھوس اور پختہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں پیغمبر کی ہے۔اس کے بعد سند متصل سے ہمارے پاس بغیر کسی کمی بیشی کے اور تغیر وتبدل کے پہنچی ہے۔ محض کسی وہم یا گمان پر کسی کی طرف نسبت دینے سے وہ کتاب ان کی شمار نہیں ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ یہی حال ''بقیہ بائبل'' کا بھی ہے کہ وہ بھی کسی مستند دلیل سے آج تک ثابت نہیں ہوسکیں کہ یہ کتابیں فلاں فلاں نبی کی ہیں اور نہ ہم تک ان کا پہنچنا مستند حوالوں سے ثابت ہے آج تک ان کے علماء ''سند متصل'' پیش کرنے سے قاصر ہیں لہٰذا محض کسی نبی یا حواری کی طرف نسبت کردینے سے ہم اس کتاب کو الہامی نہیں مان سکتے۔

تورات غیرالهامی اور غیرمستندھے: موجودہ تورات حضرت موسیٰ کی کتاب نہیں اس کے غیر الہامی اور غیر مستند ہونے پر متعدد دلائل ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

دلیل اول: تورات کا تواتر منقطع ہے: سلاطین کے باب ۲۲، ۲۳ میں توریت کے ملنے کا واقعہ مذکور ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسیا (بادشاہ) سے پہلے توریت کا کوئی وجود نہ تھا پھر ایک کاہن ''خلیقاہ'' کو ہیکل صاف کرتے وقت یہ کتاب مل گئی بادشاہ نے اسے اپنا دستور العمل بنالیا'' بھلا جس کتاب کا سالہا سال تک کہیں کوئی وجود نہ رہا ہو پھر وہ بادشاہ کے تخت نشین ہونے کے ۱۸ سال بعد ملا ہو اور وہ بھی ایک کاہن کو ملا ہو تو صرف اس کے قول پر اعتبار کرتے ہوئے اس کو آسمانی کتاب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد پھر بخت نصر بادشاہ نے یروشلم پر حملہ کر کے اس کو تخت وتاراج کیا تو اس سانحہ میں یہ تورات بھی ضائع ہوگئی بلکہ عہد عتیق کی تمام کتابیں صفحہ ہستی سے

مٹ گئیں۔

اس کے بعد جب عیسائیوں کے بقول غرراء نے ان کتابوں کو لکھا تو پھر تیسری مرتبہ "انتوکس" کے عظیم حادثہ میں تورات جل گئی کیتھولک اس واقعہ کو آج بھی تسلیم کرتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹسانیکا میں ہے کہ ہم یقینی طور پر ۲۔ایسڈریس: ۱۴، ۲۰ تا ۲۶ میں یہ روایت بڑھتے ہیں کہ تورات چونکہ جل چکی تھی اس لئے غرراء نے اس کو دوبارہ لکھا" (ص ۵۰۱، ج ۳۔ مقالہ بائبل بحث عہد قدیم)

دلیل ثانی: حضرت غرراء اور زکریاء علیہ السلام یہ تینوں پیغمبر تورات کے متبع تھے لیکن بائبل میں ان تینوں کی کتابوں اور تورات کے درمیان بعض باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اگر یہ حضرت موسیٰ کی صحیح تورات ہوتی تو ان کے متبع پیغمبر اس کی مخالفت کیوں کرتے۔ مثلاً سفر اول کے باب ۸ میں بنیامین کی اولاد بیان کرتے ہوئے ان پیغمبروں کے بارے میں لکھا ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے تھے جبکہ باب نمبر ۸ میں لکھا ہے پانچ بیٹے تھے جبکہ ان کی حضرت موسیٰ والی تورات میں لکھا ہے کہ دس بیٹے تھے۔

دلیل ثالث: اسی طرح خرقیال علیہ السلام بھی تورات کے متبع تھے لیکن ان کے کلام میں بھی تورات کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ اگر یہ صحیح اور برحق تورات ہوتی جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی ہے تو ان کے متبعین جن کے زمانہ میں یہ تورات یقیناً موجود تھی وہ اس کی مخالفت کیوں کرتے۔

مثلاً تورات میں اگر یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ بیٹے اپنے بڑوں کے گناہوں میں تین پشتوں تک ماخوذ ہوں گے۔ جبکہ کتاب خرقیال باب ۱۸، آیت: ۲۰ میں لکھا ہے۔ جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہوں کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اپنے لئے ہوگی اور شریر کی

شرارت شریر کے لئے ہوگی۔

دلیل رابع: اگر یہ حضرت موسیٰ کی تصنیف ہوتی اور ان کا اپنا کلام ہوتا تو کہیں تو ان کی طرف سے متکلم کا صیغہ استعمال ہوتا جبکہ یہاں ہر جگہ پر غائب کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ کہ موسیٰ نے یہ کہا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی نے ان کا نام لیکر یہودیوں میں پھیلے ہوئے قصے کہانیوں کو جمع کر دیا ہے۔

دلیل خامس: انسائیکلوپیڈیا کی جلد نمبر ۲ میں خود ایک معتبر عیسائی فاضل محقق ڈاکٹر سکندر پولس کا یہ قول لکھا ہے کہ موجودہ تورات حضرت موسیٰ کی تصنیف نہیں بلکہ یہ کتاب کنعان میں لکھی گئی ہے حضرت سلیمان کے دور میں یعنی حضرت موسیٰ کی وفات سے تقریباً ۵۰۰ سال بعد۔

دلیل سادس: عیسائیوں کا ایک اور فاضل محقق ٹورٹن اور فاضل لیوسلن کہتے ہیں کہ توریت کے محاورات اور عہد عتیق کی دوسری کتابوں کے محاورات میں کوئی فرق نہیں جبکہ ان کتابوں کے زمانوں میں ۹۰۰ سال کا طویل فاصلہ ہے حالانکہ تجربہ شاہد ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبانوں میں بھی اختلاف آجاتا ہے مثلاً ۵۰۰ سال پہلے کی انگریزی کچھ اور تھی اب کی کچھ اور ہے۔ لیکن یہاں ان سب کتابوں کی زبان ایک ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی دور میں کسی نے گھڑ کر لکھی ہیں۔

دلیل سابع: توریت میں بکثرت غلطیاں موجود ہیں حالانکہ اگر یہ حضرت موسیٰ کا کلام ہوتا تو اس کو غلطیوں سے پاک ہونا چاہئے تھا جیسے کتاب استثناء کے باب نمبر ۲۳ آیت میں لکھا ہے کہ:

”کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو دسویں پشت تک اس کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے“۔

یہ بات غلط ہوگئی کیونکہ "فارض" ولد الزنا اور حرام زادہ تھا اور اس کی دسویں پشت میں حضرت داؤد علیہ السلام پیدا ہوئے (کتاب پیدائش باب ۳۸) لہٰذا حضرت داؤد اور ان کے آباء اجداد خدا کی جماعت میں داخل نہیں ہونے چاہئیں حالانکہ انجیل متی میں حضرت داؤد کو جماعت کا رئیس اور زبور کے مطابق ان کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔

دلیل ثامن: تحریف کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ متی کی توریت اس توریت کے بالکل خلاف ہے جو آجکل یہود کے پاس توریت ہے۔

دلیل تاسع: ایسی لغو اور بے ہودہ باتیں اس میں ہیں جو خدا یا نبی کا کلام نہیں ہوسکتا۔ مثلاً سفر تکوین باب ۶، آیت ۶ میں ہے کہ خدا کو غم ہوا کہ انسان نے ایسا عمل کیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کو کذاب اور حضرت لوط کو اپنی بیٹیوں سے زنا کرنے والا اور وہ داؤد علیہ السلام کو اوریا کی بیٹی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ (۱) فلاں پیغمبر نے اپنی بیٹی سے زنا کیا (لوط نے) پیدائش: ۱۹، ۳۳، ۳۶۔ (۲): حضرت داؤد کے بارے میں۔ فلاں نبی نے کسی دوسرے کی بیوی سے زنا کیا اور اس کے خاوند کو حیلہ اور مکر سے قتل کر دیا۔ (سموئیل :۱۱، ۲، ۱۰)۔ (۳): حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق۔ اس نے گائے کی پوجا کی تھی۔ خروج: ۳۲، ۲، ۶۔ (۴): حضرت سلیمان کے متعلق۔ وہ آخر مرتد ہوگیا اور نہ صرف بت پرستی اختیار کی بلکہ بت خانے بنائے۔ سلاطین :۱۱، ۲، ۱۳۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت عیسٰی حرامزادوں کی اولاد ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک فارض بن یہوداہ حرامی تھا۔ (پیدائش: ۳۸، ۸، متی ۱: ۳)۔

زبور غیر الهامی غیر مستند ھے: کسی مکمل سند اور مستند ذریعہ سے یہ بات ثابت نہیں کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے۔ نہ ہی تمام زبوروں کے یکجا کئے جانے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ حتی کہ خود قدیم مسیحیوں کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الہامی ہے یا غیر الہامی؟ آگسٹائن آریجن وغیرہ تو اسکو حضرت داؤد کی تصنیف مانتے

ہیں لیکن بلسری جیروم۔ پولسی بیس جیسے محققین اس کی سختی کے ساتھ تردید کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ۳۰ زبوریں ایسی ہیں جن کے مصنف کا نام ہی معلوم نہیں۔ ۹۹ موسیٰ کی تصنیف کردہ ہیں ۷۱ زبوریں داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں زبور نمبر ۸۸ ھمان کی زبور نمبر ۷۷، ۱ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہیں۔

جبکہ ایک اور محقق ''کامتھ'' کہتا ہے کہ وہ زبوریں جو داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں وہ ۴۵ ہیں کچھ علمائے یہودیہ کہتے ہیں کہ زبوریں تو اصل میں آدم، ابراہیم، موسیٰ، آصف وغیرہ کی تصنیف ہیں داؤد نے ان کو صرف ایک جگہ جمع کیا ہے۔ وہ کسی کے مصنف نہیں۔

اس میں تحریف کا ثبوت بھی بڑا واضح ہے۔ مثلاً زبور نمبر ۷۲ آیت نمبر ۳۰، اس کے فارسی ترجمہ میں مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ عبارت ہے ''داؤد بن بسی کی دعائیں تمام ہوئیں'' جبکہ اسی زبور کے عربی ترجمہ میں یہ عبارت حذف کر دی گئی ہے۔

اناجیل اربعہ غیرالہامی ہیں: تقریباً تمام مسیحی اسی بات پر متفق ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی لیکن وہ عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے ناپید ہوگئی اور اب موجودہ انجیل اس کا ترجمہ ہے، مگر اس کا مترجم کون ہے؟ مصنف تک اس کی سند کیا ہے اسے آج تک وہ ثابت نہیں کر سکے۔

ایک اور مضحکہ خیز بات! مشہور مورخ یوسیفیس ۱۰۰ء میں لکھتا ہے کہ ''ہمارے پاس ۲۲ کتابیں ہیں'' (عہد قدیم کی) جبکہ آج پروٹسٹینٹ فرقے کے نزدیک آج ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے ۳۸ ہو گئی ہے۔ پہلے تین کو ایک قرار دیتے تھے تو اب ۳۸ کو ۲۲ بھی قرار دینے لگے۔ اس کے علاوہ ان کے خود محقق کورٹن اپنی کتاب بوسٹن ۱۸۳۷ء میں انجیل مرقس کے متعلق لکھتا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے۔ تحریف کا اس سے بڑا کیا ثبوت ہوگا کہ ستر (۷۰) انجیلوں میں سے

یہ بات غلط ہوگئی کیونکہ ''فارض'' ولد الزنا اور حرام زادہ تھا اور اس کی دسویں پشت میں حضرت داؤد علیہ السلام پیدا ہوئے (کتاب پیدائش باب ۳۸) لہٰذا حضرت داؤد اور ان کے آباء اجداد خدا کی جماعت میں داخل نہیں ہونے چاہئیں حالانکہ انجیل متی میں حضرت داؤد کو جماعت کا رئیس اور زبور کے مطابق ان کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔

دلیل ثامن: تحریف کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ متی کی توریت اس توریت کے بالکل خلاف ہے جو آجکل یہود کے پاس توریت ہے۔

دلیل تاسع: ایسی لغو اور بے ہودہ باتیں اس میں ہیں جو خدا یا نبی کا کلام نہیں ہوسکتا۔ مثلاً سفر تکوین باب ۶، آیت ۶ میں ہے کہ خدا کو غم ہوا کہ انسان نے ایسا عمل کیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کو کذاب اور حضرت لوط کو اپنی بیٹیوں سے زنا کرنے والا اور وہ داؤد علیہ السلام کو اوریا کی بیٹی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ (۱) فلاں پیغمبر نے اپنی بیٹی سے زنا کیا (لوط نے) پیدائش :۱۹، ۳۳، ۳۶۔ (۲): حضرت داؤد کے بارے میں ۔فلاں نبی نے کسی دوسرے کی بیوی سے زنا کیا اور اس کے خاوند کو حیلہ اور مکر سے قتل کردیا۔ (سموئیل :۱۱، ۲، ۱۰)۔ (۳): حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق۔ اس نے گائے کی پوجا کی تھی۔ خروج: ۳۲، ۲، ۶۔ (۴): حضرت سلیمان کے متعلق۔ وہ آخر مرتد ہوگیا اور نہ صرف بت پرستی اختیار کی بلکہ بت خانے بنائے۔ سلاطین :۱۱، ۲، ۱۳۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت عیسیٰ حرامزادوں کی اولاد ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک فارض بن یہوداہ حرامی تھا۔ (پیدائش :۳۸، متی ۱: ۳)۔

زبور غیر الہامی غیر مستند ہے : کسی مکمل سند اور مستند ذریعہ سے یہ بات ثابت نہیں کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے۔ نہ ہی تمام زبوروں کے یکجا کئے جانے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خود قدیم مسیحیوں کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الہامی ہے یا غیر الہامی؟ آگسٹائن آریجن وغیرہ تو اسکو حضرت داؤد کی تصنیف مانتے

ہیں لیکن بلسری جیروم ۔ پولسی بیس جیسے محققین اس کی سختی کے ساتھ تردید کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ۳۰ زبوریں ایسی ہیں جن کے مصنف کا نام ہی معلوم نہیں۔ ۹۹ موسیٰ کی تصنیف کردہ ہیں ا۷ زبوریں داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں زبور نمبر ۸۸ ھمان کی زبور نمبر ۱۷۷، سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہیں۔

جبکہ ایک اور محقق ''کامتھ'' کہتا ہے کہ وہ زبوریں جو داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں وہ ۴۵ ہیں کچھ علمائے یہود یہ کہتے ہیں کہ زبوریں تو اصل میں آدم، ابراہیم، موسیٰ، آصف وغیرہ کی تصنیف ہیں داؤد نے ان کو صرف ایک جگہ جمع کیا ہے ۔ وہ کسی کے مصنف نہیں۔

اس میں تحریف کا ثبوت بھی بڑا واضح ہے۔ مثلاً زبور نمبر ۷۲ آیت نمبر ۲۰، اس کے فارسی ترجمہ میں مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ عبارت ہے ''داؤد بن لسی کی دعائیں تمام ہوئیں'' جبکہ اسی زبور کے عربی ترجمہ میں یہ عبارت حذف کر دی گئی ہے۔

اناجیل اربعہ غیر الہامی ہیں: تقریباً تمام مسیحی اسی بات پر متفق ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی لیکن وہ عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے ناپید ہو گئی اور اب موجودہ انجیل اس کا ترجمہ ہے، مگر اس کا مترجم کون ہے؟ مصنف تک اس کی سند کیا ہے اسے آج تک وہ ثابت نہیں کر سکے۔

ایک اور مضحکہ خیز بات! مشہور مورخ یوسیفیس ۱۰۰ء میں لکھتا ہے کہ ''ہمارے پاس ۲۲ کتابیں ہیں'' (عہد قدیم کی) جبکہ آج پروٹسٹینٹ فرقے کے نزدیک آج ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے ۳۸ ہو گئی ہے۔ پہلے تین کو ایک قرار دیتے تھے تو اب ۳۸ کو ۲۲ بھی قرار دینے لگے ۔ اس کے علاوہ ان کے خود محقق کورٹن اپنی کتاب بوسٹن ۱۸۳۷ء میں انجیل مرقس کے متعلق لکھتا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے۔ تحریف کا اس سے بڑا کیا ثبوت ہوگا کہ ستر (۷۰) انجیلوں میں سے

کل ۱۴اب منتخب کی گئی ہیں۔اور یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی تصنیفیں ہیں اور انہی کے نام سے لکھیں اور ان انجیلوں کے عقائد پولس کی رائے کے مطابق ہیں جبکہ یہ عقائد دوسرے حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے خلاف ہیں۔

اختلافات: اس کے علاوہ ان کتابوں کی عبارتیں ان کے مفہوم اور معنٰی کے درمیان بے پناہ اختلاف موجود ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ الہامی کتاب نہیں ہوسکتی کیونکہ خدا کا کلام جو نبی پر نازل ہو وہ اختلاف سے پاک ہوتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں قرآن کے لئے فرماتا ہے "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" ترجمہ: اگر یہ (قرآن) اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو اس میں وہ بہت شدید اختلاف پاتے۔

اول: مثلاً ایک اختلاف تو یہ ہے کہ انجیل یوحنا باب ۵: آیت ۳۱، میں مسیح کا قول اس طرح ہے کہ:

"میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں" جبکہ انجیل کے باب ۸، آیت ۱۴، میں یوں لکھا ہے۔"اگر چہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے"۔

دوم: انجیل مرقس باب:۷ آیت:۳۵-۳۳ میں ہے:

"عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک شخص کو اچھا کیا جو بہرا اور گونگا تھا" جبکہ انجیل متیٰ باب ۱۰، آیت ۳۰ میں اسی واقعہ کے تحت لکھا ہے۔

"ایک بڑی بھیڑ، لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹنڈوں اور بہت سے بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی ان کو اس کے پاؤں میں ڈال دیا اور اس نے انہیں اچھا کر دیا"

سوم: انجیل متیٰ اور مرقس اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو ۶ بجے کے قریب سولی دی گئی۔اور انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت بلاطس کے

دربار میں تھے۔
اس قسم کی تقریباً ۱۲۴، اختلافات کی علماء نے کتابوں میں نشاندہی کی ہے۔

غلطیاں: ان کتابوں میں بہت سی غلطیاں بھی موجود ہیں جس کا یہ خود اقرار کرتے ہیں کیا یہ بات تصور کی جا سکتی ہے کہ اللہ کے کلام یا اس کے نبی کے کلام میں غلطیاں واقع ہوں۔

اول: کتاب خروج میں باب ۱۲، آیت ۴۰، میں مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کا زمانہ ۴۳۰ سال بتایا گیا ہے جبکہ عیسائی مفسرین اور مورخین خود اس کو اپنے حساب سے غلط تسلیم کرتے ہوئے صحیح مدت ۲۱۰ بیان کرتے ہیں۔

دوم: سموئیل ثانی باب ۷، آیت ۱۲، میں حضرت ناثن کی زبانی حضرت داؤد کے لئے پیشین گوئی کی گئی کہ میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ قائم کروں گا۔ کتاب تواریخ اول باب ۲۲، آیت ۲، میں بھی اسی طرح کی پیشن گوئی ہے اسرائیل پر اس کی سلطنت کا تخت ابد تک قائم رکھونگا۔ یہ پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی اور حضرت داؤد کی اولاد کی بادشاہت برسوں ہوئے ختم ہو گئی۔

سوم: انجیل متی باب ۱، آیت ۸ میں ہے یورام سے عوزیا پیدا ہوا۔ یہ غلط ہے جبکہ کتاب سلاطین ثانی کے باب ۸، آیت ۱۲، کے مطابق یورام سے امصیاہ پیدا ہوا اس سے لارس پیدا ہوا اس سے اخزیا پیدا ہوا پھر اس سے ''غریا'' پیدا ہوا۔ جبکہ دوسری غلطی یہ ہے انجیل میں بجائے ''غریا'' کے ''غوریا'' لکھا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح کے نسب میں بھی بہت سی غلطیاں ہیں۔

چہارم: کائنا جو سردار کاہن تھا انجیل کے مطابق نبی تھا جب اس کے پاس حضرت عیسیٰ کو پکڑ کر لے گئے تو اس نے حضرت عیسیٰ یعنی اپنے معبود کو واجب القتل قرار دیا۔ (متی/۶۰-۶۶ مرقس ۱۴:/۶۳ لوقا ۲۲:۱/۷)۔

پنجم: ایک روٹی کو جب کوئی پادری توڑتا ہے تو اگرچہ اس روٹی کے ایک لاکھ ٹکڑے کردے اس کا ہر ٹکڑا کامل طور پر مسیح بن جاتا ہے۔اسے عشاء ربانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ششم: ان کے بعض نظریات بھی انتہائی غیر معقول ہیں مثلاً اسقف اعظم (پوپ) پرایمان لائے بغیر نجات ممکن ہی نہیں جبکہ وہ کتنا ہی بدکردار ہوں ان کے قصے مشہور ہیں اوراس کوحرام کوحلال اورحلال کوحرام کرنے کا پورااختیار حاصل ہے۔

ھفتم: بشپ (پادری) کونکاح کی اجازت نہیں۔یہ وجہ ہے کہ ان کے گرجااورکلیسا چکلوں اورحرام کاریوں کے اڈے بنے ہوئے ہیں جس کا خودان کوبھی اقرار ہے۔ (غزل الغیر الات نغمہ:٦٦،کےتحت پولس مرنزدرک کی رائے)۔

خرافات: ان کتابوں میں بعض خرافات اور بے ہودہ باتیں بھی ہیں جوکبھی بھی خداکایاکسی نبی کا کلام نہیں ہوسکتیں۔

اول: انجیل لوقاباب٦،آیت٣٠،میں ہے کہ:

''شاگرداپنے استاد سے بڑانہیں بلکہ ہرایک جب کامل ہواتواپنے استادجیسا ہوگا'' یہ بالکل بے عقلی کی بات ہے کیونکہ ہزاروں شاگردایسے ہیں جواستاذ سے بڑھ جاتے ہیں

دوم: انجیل لوقاباب ١٤،آیت٢٦،میں مسیح کا قول ہے اگرکوئی شخص میرے پاس آئے اوراپنے باپ اورماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تومیراشاگردنہیں ہوسکتا۔ماں باپ سے بغض وعداوت اوردشمنی رکھنے کی تعلیم کیاکوئی نبی دے سکتا ہے؟جبکہ انجیل متّی میں خودمسیح کے اقوال ماں باپ کی عزت کرنے کے بارے میں آچکے ہیں۔

سوم: یہوداا سکرلاتی حضرت عیسیٰ کا حواری اور ان کا رسول تھاجوتیسرے درجہ کا چورتھااوراس نے صرف تیس درہم کے عوض اپنے معبودحضرت عیسیٰ کوسولی دینے

کے لئے یہودیوں کو گرفتار کرادیا۔(یوحنا ۱۲: ۶/ ۱۳: ۲۹/ متیٰ ۲۶: ۱۴/ مرقس ۱۴: ۱۰/ لوقا ۲۲: ۳)۔

ان کتابوں کا تحریف شدہ ہونا خود قرآن سے بھی ثابت ہے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (نساء:۴۶) وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ (آل عمران)

ترجمہ: بدلتے ہیں کلموں کو ان کی جگہ سے اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

قرآن کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ان کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کے لئے مختلف معجزات عطا فرمائے۔ لیکن چونکہ وہ انبیاء کسی خاص محدود زمانہ اور کسی خاص علاقہ اور کسی خاص قوم اور کسی خاص وقت کے لئے تشریف لائے اس لئے ان کے معجزات بھی اسی قوم اور اسی زمانہ تک محدود رہے اور جب انکی نبوت کا زمانہ ختم ہوا تو ان کے معجزات بھی ختم ہو گئے، آج نہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا کہیں وجود ہے نہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک کہیں محفوظ ہے اور نہ وہ پتھر محفوظ ہے جس سے چشمے ابلتے تھے۔ نہ حضرت یعقوب کو بینائی عطا کرنے والی قمیص یوسفی کا کہیں پتا ہے اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردہ زندہ کرنے اور کوڑی اور نابیناؤں کو شفاء عطاء کرنے کی کوئی مثال موجود ہے۔

لیکن ہاں خاتم الانبیاء آنحضرت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی نبوت ورسالت کی صداقت اور تصدیق کے لئے جو معجزہ قرآن کی شکل میں عطاء کیا گیا وہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی اسی طرح موجود اور محفوظ ہے جس طرح آپ پر نازل

ہوا۔اس کے الفاظ،حروف،حرکات،سکنات،حتی کے لب ولہجہ تک محفوظ ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی نبوت کسی خاص زمانہ ومکان تک محدود نہیں تھی بلکہ آپ ساری کائنات کے لئے اور قیامت تک آنے والی تمام مخلوق خدا کے لئے رسول بن کر تشریف لائے تھے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

"قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ: اے حبیب! آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے۔

حدیث مبارک میں آتا ہے۔"ارسلت الی الخلق کافّة"میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے:

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور مہر ہیں سب نبیوں پر۔ (الاحزاب:۴۰)

توچونکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت قیامت تک کے لئے تھی اس لئے آپ کی رسالت کی تصدیق کے لئے معجزہ بھی قرآن کی صورت میں وہ عطا فرمایا جو قیامت تک باقی رہے۔

اور یہی اثر اس بات میں ہے کہ انبیاء سابقین کی کتابوں کی حفاظت کا نہ اللہ نے وعدہ فرمایا اور نہ ان کو محفوظ رکھا۔جبکہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ بھی فرمایا اور اس کو ایسا محفوظ بھی کیا کہ اس کی حرکات وسکنات تک میں تبدیلی نہ آنے دی۔ارشاد فرمایا:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۞"(الحجر:۹)

ترجمہ: بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود ہی اس کے نگہبان ہیں۔

کتابیں بار بار چھپتی ہیں لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے مختلف ہوتا ہے مگر قرآن کے نہ معلوم دنیا بھر میں ہر مہینہ کتنے ایڈیشن چھپتے ہیں لیکن کمال یہ ہے کہ اس کے ایک نقطہ میں بھی فرق نہیں آتا۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت بھی قیامت تک رہنے والی ہے اس لئے اس نبوت کی تصدیق کیلئے عطاء کیا گیا معجزہ قرآن بھی قیامت تک رہنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا کیا گیا یہ معجزہ بھی ایسا عظیم معجزہ ہے جو تمام انبیاء کے معجزات پر فائق ہے کیونکہ دیگر تمام انبیائے کرام کے معجزے مجسم اور ٹھوس ہونے کے باوجود بھی محفوظ نہ رہ سکے جبکہ یہ معجزہ، اصوات، آواز اور حروف وکلمات ہونے کے باوجود آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اس کا اپنا وجود جہاں دیگر اور امور کے لحاظ سے معجزہ ہے وہاں یہ اپنی حفاظت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے کہ زمانہ کے تغیرات کے باوجود اس کی نوک پلک میں آج تک کوئی تغیر نہیں آیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ واقعی یہ اللہ کا سچا کلام ہے۔ اور حفاظت خداوندی کا وعدہ سچا ہے۔

ایک نکتہ یہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن پاک میں کفار عرب کو قرآن جیسی مختصر ترین سورت بنانے کا چیلنج دیا لیکن وہ عاجز آ گئے اور سورۃ کوثر جیسی مختصر ترین سورت جس میں صرف تین آیتیں ہیں پیش نہ کر سکے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی۔ تین تین آیات ایک ایک علیحدہ معجزہ ہیں اس طرح قرآن کریم پورا ایک معجزہ نہیں ہوا بلکہ دو ہزار سے بھی زیادہ معجزات پر مشتمل ہوا کیونکہ قرآن کریم کی آیات ۶۶۶۶ ہیں اس لحاظ سے قرآن پاک، میں دو ہزار دو سو بائیس معجزات ہوئے۔

قرآن کی حقانیت

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی آخری کتاب ہے جو حضور سرور دو جہاں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھوڑی تھوڑی کر کے ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوئی اور جن الفاظ اور حروف میں نازل ہوئی اسی طرح بغیر کسی نقطہ کی تبدیلی کے آج بھی موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی۔

قرآن کریم کی حقانیت اس کی عظمت پر دلائل اور اس کے فضائل وکمالات اور فوائد وبرکات بے شمار اور بے حد وحساب ہیں قرآن کے ارشاد کے مطابق تمام سمندر سیاہی اور تمام درخت قلم بن جائیں تب بھی یہ فانی اور متناہی اشیاء اور لافانی اور غیر متناہی شان وعظمت والے اللہ کے کلام کی قدر ومنزلت بیان نہیں کر سکتیں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ (الکہف)

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات (کلام الٰہی) لکھنے کے لئے سیاہی بن جائے تو وہ سمندر کلمات الٰہیہ کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اس کے مثل اور سیاہی بھی لے آئیں جو اس پہلے کی بقا میں معاون ثابت ہو۔

اور انہی بے شمار خصوصیات کی بناء پر قرآن نے ایک چیلنج دیا جو آج فضاؤں میں گونج رہا ہے اور قرآن کی حقانیت کا بانگ دہل اعلان کر رہا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات ملکر اس قرآن کے جیسا کلام بنانا چاہیں تو بھی اس جیسا نہیں بنا سکیں گے خواہ ان میں سے ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کیوں نہ کریں۔ جب اس چیلنج کا مقابلہ نہ کر سکے تو پھر فرمایا گیا:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ (ہود: ۱۳)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ ان جیسی دس سورتیں لے آؤ۔

جب بڑے بڑے عرب کے فصحاء اور بلغاء دس سورتیں بھی اس جیسی بنا کر پیش نہ کر سکے تو پھر فرمایا گیا" اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" اگر تمہیں اس میں کوئی شک ہے اس کتاب کی حقانیت میں جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی ہے تو اس جیسی ایک مختصر سی سورت بنا کر لے آؤ اور اگر اکیلے نہیں بنا سکتے تو اپنے معبودوں کو بھی ساتھ ملالو "وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ اور اگر تم ایک مختصر سی سورت کے مثل بھی نہ لا سکو اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ تم ہرگز نہیں لا سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن پتھر اور انسان (کفار) ہیں اور اسے کافروں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

ایک طرف نامور فصحائے عرب ہیں دوسری طرف ایک امی لقب ذات اقدس ہے جو نہ کبھی کسی مکتب میں گئی اور نہ کسی کے سامنے بیٹھ کر اس نے زانوئے تلمذ طے کیا، لیکن اس کی زبان سے نکلنے والے ان آیات قرآنی کا مقابلہ کرنے سے جن وانس عاجز ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام ربانی ہے جو کہ قلب مصطفیٰ پر نازل ہوا اور زبان مصطفیٰ پر جاری ہو گیا۔

ہماری اس تقریر سے ان لوگوں کا اعتراض بھی رفع ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ اس میں قرآن کی کیا خصوصیت ہے۔ ہر ایک مصنف اور لکھنے والے کا اپنا ایک علیحدہ اسٹائل ہوتا ہے۔ اس اسٹائل میں دوسرا کوئی کتنا ہی بڑا ادیب کیوں نہ ہو وہ نہیں لکھ سکتا۔

چیلنج عام ہے کہ اسی طرح قرآن کی مثال بھی کوئی نہیں لا سکتا۔ لیکن جواب واضح ہے کہ بے شمار ایسی خصوصیات فوائد و برکات کی حامل کوئی کتاب کسی زبان اور کسی اسٹائل میں تم لے آؤ لیکن آج تک کوئی اس چیلنج کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ان بے شمار خوبیوں

اور نکتوں اور خصوصیتوں میں سے چند جلوؤں کی جھلک ملاحظہ فرمائیے۔

۲: **اسلوب قرآن**: قرآن کریم کا بالکل جداگانہ اور نرالا اسلوب ہے ایسا اسلوب کہ اس کی مثال نہ اس سے پہلے کہیں نظر آتی ہے اور نہ اس کے بعد کیونکہ قرآن کریم کا اسلوب کلام تمام انواع اسلوب کی خصوصیات کا جامع ہے لیکن ان میں سے کسی ایک میں بھی اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً شعر نہیں مگر شعر کا جادو رکھتا ہے، خطابت نہیں لیکن اس کے جوش سے معمور ہے، نثر نہیں لیکن نثر کی تحکت اور حسنِ اداء کا سرمایہ ہے الغرض کسی صنف میں بند نہیں لیکن ہر صنف کی خوبیوں اور رعنائیوں سے مالا مال ہے۔ بہرحال قرآن اپنی فصاحت و بلاغت اور اسلوب جدید کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے جبکہ وہابیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ''قرآن فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ نہیں'' حالانکہ یہ کہنا کفر ہے۔

چنانچہ حسین تلمیذ رشید مولوی رشید احمد گنگوہی اپنی کتاب بلغۃ الحیر ان مطبوعہ حمایت الاسلام لاہور طبع اول ص: ۱۲، پر لکھتا ہے۔ ''یہ خیال کرنا چاہئے کہ کفار کو عاجز کرنا کوئی فصاحت و بلاغت سے نہ تھا کیونکہ قرآن خاص واسطے کفار فصحاء و بلغاء کے نہیں آیا تھا اور یہ کمال بھی نہیں'' (بلغۃ الحیر ان)۔

۳: **سدابہار ادب**: دنیا میں کوئی نظم و نثر کی ایسی کتاب نہیں ملتی جس کے کچھ محاورے اصطلاحیں اور کچھ الفاظ متروک نہ ہو گئے ہوں لیکن ہاں صرف قرآن حکیم وہ تنہا کتاب مقدس ہے جس کا ایک لفظ اور ایک محاورہ بھی چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج تک متروک نہیں ہوا۔ قرآن کریم کا ادب چودہ سو سال پہلے جس طرح لغت الفاظ اور طرز بیان کے لحاظ سے تروتازہ تھا اسی طرح آج بھی وہ تروتازہ اور سدا بہار ہے۔ اس گلکدہ کا ایک پتہ بھی خزاں رسیدہ نہیں ہوا۔

۴: **صاحب کلام کا جمال**: ہر تحریر میں صاحب تحریر کی شخصیت چھپی ہوئی

ہوتی ہے۔اوراس کی تحریر پڑھنے سے صاحب تحریر کی شخصیت قاری کے سامنے آجاتی ہے۔اسی طرح جب انسان قرآن پاک پڑھتا ہے تو خدائے بزرگ وبرتر کو اپنے سامنے پاتا ہے اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے آگے خدا بول رہا ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: "اذا احب احدکم ان یحدث ربه فلیقرأ القرآن" (کنز العمال ج ۱ ص:۱۲۸) یعنی جب تم میں سے کوئی اپنے رب سے بات کرنا چاہے تو اسے قرآن پڑھنا چاہئے۔

اس کی عظمت وکبریائی اس کے جلال وجمال کے آگے اس کا دل کھینچنے لگتا ہے، اس کی گردن جھکتی چلی جاتی ہے۔کوئی ایک نقطہ شان خداوندی کے معیار سے گرا ہوا نظر نہیں آتا۔قرآن کا ایک ایک لفظ اس چیز کی گواہی دیتا ہے کہ وہ واقعی خدا کا کلام ہے۔بائبل کی طرح فحش اور خرافات پر مشتمل کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں۔

۵: عیب وغلطی سے پاک : یہ وصف دنیا کی کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا کیونکہ لکھنے والا کتنا ہی بڑا محقق اور ادیب کیوں نہ ہو اس کی تحریر میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی غلطی عیب یا جہل ضرور نظر آئے گا۔لیکن ایک واحد کتاب قرآن حکیم ہے جو عرب کے فصحاء کے درمیان نازل ہوئی وہ اس کو سنتے تھے اور منہ چھپا کر چلے جاتے تھے، اگر اس میں کوئی عیب یا غلطی ہوتی تو ناممکن تھا کہ ان بلغاء کی نظر سے بچ جاتی اور وہ اس کی نشاندہی نہ کرتے اور چیلنج کے باوجود اس طرح اپنے عجز کا اظہار نہ کرے اور اس کے معاوضہ سے عاجز آکر قتل وقتال کی طرف نہ آئے کیونکہ فیصلہ کے لئے اس سے بڑھ کر اور آسان کیا چیز تھی کہ قرآن میں عیب اور نقص نکال کر اسلام کو جھوٹا مذہب ثابت کردیتے۔لیکن وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود قرآن میں کوئی عیب نہ نکال سکے یہ قتل وقتال تک کے لئے آمادہ ہو گئے لیکن قرآن پر انگلی نہ اٹھا سکے۔

۶: تضاد سے پاک: کسی مفکر یا محقق کی کتاب آپ لے لیں اس کی تحریر میں

کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی تضاد ضرور نظر آئے گا لیکن یہ کلام ایسا ہے جس میں الم سے لیکر والناس تک کہیں کوئی تضاد نہیں آتا اس کا ایک مضمون دوسرے مضمون کی تائید کرتا ہے ایک آیت دوسری آیت کے لئے مؤید ہے۔ اسی کو قرآن میں اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے۔ "وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾"۔ (النساء: ۸۲)

۷: علوم کا منبع: قرآن کریم بے حد وحساب علوم کا خزانہ اور بے انتہا معارف کا منبع ومعدن ہے اسرار ورموز کے لحاظ سے ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ "وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾" اور ہر چیز کو ہم نے امام مبین یعنی قرآن کریم میں جمع کر دیا ہے۔

"نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" ہم نے آپ پر وہ قرآن نازل فرمایا جو کہ ہر شی کا مدلل بیان ہے۔

"ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" اور ہر خشک اور تر چیز کا علم قرآن پاک میں موجود ہے۔

"وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾" اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا علم قرآن کریم میں موجود ہے۔۔

قرآن کریم کے علوم ومعانی کی وسعت کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ "لو ضاع عقال بعیر لو جدته فی کتاب الله" اگر میرے اونٹ کی رسی بھی کھو جائے تو میں اسے بھی کتاب اللہ میں پالوں گا۔

کائنات کا کوئی مخفی راز ایسا نہیں جو قرآن میں موجود نہ ہو ہاں اس کے سمجھنے کے لئے وہ خاص نظر چاہئے جو قدرت کی طرف سے عطاء ہوتی ہے۔ جن کو یہ نظر اللہ نے عطاء فرمائی انہوں نے اس بحر ذخار سے موتی چن کر نکالے۔ کسی زمانہ میں لوگ علوم قرآن پر ایک ایک سو کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ آج ریاضی، الٰہیات، اخلاقیات،

فلکیات، سیاسیات، ارضیات، سائنس، جغرافیہ، میڈیکل الغرض دنیا کے جدید ترین علوم کا ماہر جب قرآن کا مطالعہ کرتا ہے تو اس قرآن پاک میں ان جدید علوم کا ایک نیا جہاں پاکر حیران شدرره جاتا ہے مثلاً ماہر شماریات راشد الخلیفہ مصری اور عبدالرزاق توفرل نے جب اپنے فن کے لحاظ سے قرآن پر نظر ڈالی تو فن شماریات کے لحاظ سے بھی قرآن کو مجسم معجزہ پایا۔

(۱): عددی اعجاز کی مثالیں دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لئے "قل" کا لفظ قرآن میں ۳۳۲ بار استعمال فرمایا۔ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات نے (جن، ملائکہ، انسان) قول کا لفظ پورے ۳۳۲ بار استعمال فرمایا یہ عجب مناسبت اپنے اندر ایک اعجاز رکھتا ہے۔

(۲): عددی اعجاز کا دوسرا نمونہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سبع سموٰت" یعنی سات آسمانوں قرآن کی صرف سات سورتوں میں ذکر ہے اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔

(۳): مہینہ کل بارہ ہوتے ہیں ۔اسی لئے قرآن میں "شہر" (مہینہ) کے لفظ کا استعمال کل بارہ مرتبہ آیا ہے جس میں سال کے بارہ مہینوں کی طرف واضح اشارہ ہے۔ "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا" اللہ کے نزدیک مہینوں کا شمار بارہ ہے۔

(۴): لفظ حساب ۲۹ مرتبہ آیا ہے تو عدل وقسط کا ذکر بھی ۲۹ مرتبہ آیا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ حساب پورے عدل وقسط اور انصاف کے ساتھ ہوگا۔

(۵): لفظ "رحمان" کا ذکر صرف ۵۷ مرتبہ ہے جبکہ رحم کا ذکر ۱۱۴ مرتبہ ہے جو ۵۷ کا دگنا ہے تو معنی میں دو چند ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۶): ڈاکٹر راشد خلیفہ لکھتے ہیں کہ قرآن کی سب سے پہلی آیت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کل ۱۹ حروف پر مشتمل ہے اور اسکا ہر لفظ جتنی بار قرآن میں آیا ہے وہ ۱۹ پر تقسیم

ہوتا ہے لفظ اسم 19=1×19 الرحمٰن 57=3×19،

اللہ 2698=142×199 الرحیم 114=6×19

(۸): **یقین وتیقن** : قرآن نے جس بات کو بھی بیان کیا وہ اس قدر یقین اور اعتماد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس میں ذرہ برابر تذبذب اور شک کا احتمال نہیں رہتا۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس بات کے کہنے والے کو اپنی ہر بات پر یقین ہے اور اس کو اس بات کا قطعاً کوئی اندیشہ نہیں کہ کوئی اس میں کوئی عیب لگائیگا یا اس کو جھٹلائے گا۔ اسی لئے اس کا تعارف ابتداء ہی میں ان الفاظ سے کرایا گیا۔ "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ"۔

(۹): **واقعات کی صداقت** : قرآن نے ہزاروں سال قبل کی امتوں کے حالات وواقعات بھی بیان فرمائے اور آنے والے واقعات کی پیشین گوئیاں بھی فرمائیں۔ لیکن نہ گزشتہ باتوں کو کوئی آج تک جھٹلا سکا اور نہ مستقبل کے پیشن گوئیوں کو کوئی غلط ثابت کر سکا بلکہ ہر آنے والے زمانہ نے قرآن کی پیشن گوئیوں کو سچ ثابت کرنا قرآن کے اعجاز کو ظاہر کر دیا۔ مثلاً "وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" قرآن کی حفاظت کی پیشن گوئی کو آج تک سارا زور لگانے کے باوجود کوئی غلط ثابت نہ کر سکا قرآن کی تحریف اور تبدیل کرنے کی تمام کوششیں ناکام رہیں اور خدا کا وعدہ سچا رہا۔

صحابہ کرام کو دوبارہ مکہ میں جانے کی پیشن گوئی دی گئی "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ"، تم ضرور بالضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے چنانچہ صحابہ کرام فتح مکہ کے وقت اسی شان سے داخل ہوئے۔ "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین سے ہمکنار فرمایا۔ کی پیشین گوئی فرمائی گئی اور دنیا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب کے ہاتھ فتح مکہ کا منظر دیکھا۔

(۱۰): **انقلاب انگیز**: کسی بھی تصنیف کی کامیابی اور معیاری ہونے کی ایک کسوٹی یہ ہوتی ہے کہ وہ اذہان پر کس درجہ اپنا نقش جماتی ہے اگر وہ دل ودماغ کو بدل دیتی ہے تو یہ اس کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔اس کسوٹی پر بھی قرآن پورا اترتا ہے۔اس نے ذہن انسانی اور قلب وجگر کوایسا بدلا کہ عالم میں ایک خوشگوار اور پر بہار روحانی علمی اور عملی انقلاب برپا ہوگیا۔عرب کے جاہل بدو اور وحشی چشم زدن میں علم واخلاق کی معراج پر پہنچ گئے اور اقوام عالم کے سربراہ بن گئے بلکہ دنیا کی تمدن اور مہذب قوموں کی رہنمائی اور حکمرانی کا فریضہ انجام دینے لگے۔

(۱۱):**اثرانگیزی**: اس کلام میں وہ بلا کا اثر ہے کہ کتنا ہی پتھر دل انسان کیوں نہ ہو اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔کوئی بھی زبان بولنے والا آدمی ہو اسے سن کر وہ بھی مست ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ مخالف اور معاند کی روح بھی اسے سن کر جھومنے لگتی ہے اور اس کا دل پکارنے لگتا ہے کہ یہ واقعی اللہ کا برحق کلام ہے۔

چنانچہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا واقعہ شاہد ہے کہ گھر سے مسلح ہوکر نکلتے ہیں کہ آج محمد کا کام تمام کروں گا کسی نے کہا عمر! پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو گھر پہنچے تو تلاوت کی آواز آرہی تھی جسے سن کر مدہوش ہو گئے، ہاتھ سے تلوار گر پڑی ،اور آپ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(۱۲): **مکمل نظام حیات**: قرآن حکیم صرف دعاؤں اور چند عبادات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ یہ انسانی زندگی کے لئے ایک کامل اور مکمل نظام حیات ہے جو زندگی کے مرحلہ پر انسان کو رہبری اور رہنمائی مہیا کرتا ہے، امن، جنگ، صلح، اخلاق، عائلی زندگی ،تجارت ،معاشی نظام،معاشرتی نظام،اقتصادی نظام ،سیاسی نظام، اخلاقی نظام، روحانی نظام، بین الاقوامی تعلقات ،الغرض زندگی کا وہ کونسا شعبہ ہے جہاں اس کی ضوفشاں کرنیں انسانیت کے لئے رہنما نہیں ۔یہ ایک مکمل دستور

حیات اور کسی انسان کا یا کسی اسمبلی کا بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا اور آسمان سے نازل کیا ہوا انسانیت کے لئے آخری اور قطعی منشور زندگی جس میں فلاح انسانیت کا راز مضمر ہے۔

(۱۳): **انس اور دل بستگی**: قرآن کریم بار بار پڑھا جاتا ہے اور جتنا پڑھا جائے اس سے اتنا ہی تعلق اور محبت قوی ہوتی ہے، پڑھنے والے اور سننے والے کو اس سے انس اور محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جبکہ دنیا کی دوسری کوئی کتاب ایسی نہیں جس کو ایک بار پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھنے کو یا دوبارہ پڑھنے کے بعد تبارہ پڑھنے کو جی چاہے۔

(۱۴): **حفاظ قرآن**:۔ اتنی ضخیم اور بڑی کتاب کا اول سے آخر تک چھوٹے چھوٹے بچوں کو یاد ہو جاتا ہے یہ بھی اسکی ایک شان اعجاز ہے۔ اس انحطاط کے دور میں بھی آج چھوٹے چھوٹے گاؤں میں سینکڑوں حفاظ دیکھے جا سکتے ہیں جن کے سینے قرآن سے منور ہیں۔

(۱۵): **تعارف صاحب کتاب**: یہ دنیا کہ وہ واحد کتاب ہے کہ اس کے نازل ہونے سے قبل ہی اس کے " صاحب کتاب یعنی صاحب قرآن کا تعارف اور تذکرہ پچھلے تمام انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں کرتے ہوئے گئے۔ زبور میں اس کا ذکر توریت میں اس کا ذکر، انجیل میں اس کا ذکر اس سے اس کتاب اور کتاب والے دونوں کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

(۱۶): **دل کی آبادی**: دل وحشت سے لبریز ہو، قلب متوحش پریشان ہو، جگر کو اضطراب اور گھبراہٹ ہو، روح کو بے چینی و پریشانی ہو، دل پژمردہ اور قبل مردہ ہو گیا ان سب کا علاج تلاوت قرآن ہے۔ "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" حدیث مبارک میں آتا ہے ۔"اقرأوا القرآن وحرکوا به القلب (السنن الکبریٰ

ج:۳ص ۱۴۴) قرآن پڑھواور اس سے قلب کو حرکت دو۔

برزخ اور عذاب قبر

موت کے بعد سے قیام قیامت تک کا جو زمانہ ہے اس کو "برزخ" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور موت سے لیکر دوزخ اور جنت میں داخل ہونے تک کا جو زمانہ اور اس کے واقعات ہیں اس کو آخرت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ برزخ اور آخرت کے متعلق جن جن امور کا ذکر قرآن پاک اور احادیث میں آیا ہے ان سب پر ایک مسلمان کو ایمان لانا ضروری ہے۔ آخرت پر ایمان لائے بغیر آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔

برزخ کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ "وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۝" (المومنون:۱۰۰)۔ اور ان کے آگے ایک برزخ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قبر یعنی برزخ میں دو فرشتے منکر ونکیر آئیں جو بڑے قد وقامت مہیب صورت اور نیلی آنکھوں والے ہوں گے وہ مردے سے پوچھیں گے کہ "من ربک ؟ مادینک ؟ وما تقول فی حق ھٰذاالرجل" اگر مسلمان ہے تو کہے گا میرا رب اللہ، میرا دین اسلام اور یہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اس کے لئے آسمان سے آواز آئے گی کہ میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دو، چنانچہ جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں اس کو آنے لگتی ہیں اور جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے اس کے لئے قبر کشادہ ہوجاتی ہے۔ کافر کو جب جواب نہیں آتا تو اس کے ساتھ معاملہ اسکے برعکس ہوتا ہے اور اس کو عذاب شروع ہوجاتا ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس ہر قبر میں جلوہ فرما ہوتے ہیں یا اس کی صورت یہ ہوگی کہ بوقت سوال پردے اٹھادیئے جاتے ہیں اور آپ روضۂ انور میں جلوہ گر ہوتے ہوئے

ہر صاحب قبر کے حال کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور وہ قبر والا آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

ایک ہی وقت میں دنیا کے اندر ہزار ہا لوگ مرتے ہیں ہزار ہا لوگوں سے بیک وقت قبر میں سوال ہوتا ہے اور ہزار ہا لوگوں کو بیک وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نظر آتے ہیں یہی تو معنی ہیں حاضر و ناظر کے جو خود حدیث سے ثابت ہو گئے۔

اس حدیث مبارک سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عذاب قبر برحق ہے کفار کے لئے تو ابدی عذاب شروع ہو گیا، جبکہ گنہگار مسلمان کے لئے اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ اگر عذاب قبر ہوا تو صرف جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن تک ہو گا بعد میں ختم ہو جائے گا، اور اگر کوئی بہت زیادہ بد بخت ہوا تو رمضان شریف تک مبتلائے عذاب رہے گا رمضان شریف میں اس کی برکت سے عذاب منقطع ہو جائے گا۔

ضغطۂ قبر : ضغطۂ قبر (قبر کا تنگ ہونا) بھی برحق ہے جو مسلم اور کافر سب کو ہو گا، فرق یہ ہے کہ مسلمان کے لئے اس طرح ہو گا جیسے کوئی شفیق ماں اپنے بیٹے کے سر کو درد کے وقت نرم ہاتھوں سے محبت کے ساتھ دباتی ہے۔ جبکہ کافر کے لئے اس طرح ہو گا کہ اِدھر کی پسلیاں اُدھر اور اُدھر کی اِدھر ہو جائیں گی۔ اور مسلمان کے لئے۔ یہ ضغطۂ قبر اس کے گناہوں کی معافی کا سبب بن جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرض موت میں سورۃ اخلاص پڑھے گا وہ فتنہ قبر ضغطہ قبر سے محفوظ رہے گا۔

سوال : کسی آدمی کو جلا دیا جائے یا کوئی پانی میں ڈوب کر مر جائے یا کسی کو کوئی درندہ کھا جائے تو اس سے منکر نکیر کا سوال اور عذاب قبر وغیرہ کس طرح ہو گا؟

جواب: قبر اس گھڑے کا نام نہیں بلکہ قبر عالم برزخ کو کہتے ہیں لہٰذا عالم برزخ میں اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہو گا۔ کیونکہ مرنے کے بعد آدمی بالکل نیست و نابود نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح باقی رہتی ہے موت نام ہے ''بدن سے روح کے نکل جانے کا'' لہٰذا بدن جو اس روح کی سواری کی مثل ہے وہ اگر نہ بھی رہے تو اس کی روح جس

کو نفس ناطقہ کہا جاتا ہے جو انسان کی اصل حقیقت ہے وہ باقی رہتی ہے اور عذاب و ثواب اور سزا و جزاء اسی کو ہوگی۔

روح اور جسم کا تعلق: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قبر جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا (شرح الصدور: ص ٦٣) تو یہ عذاب و ثواب اور باغ یا جہنم ہونا روحؒ کے لئے ہے کیونکہ جسم تو فانی ہے ہاں البتہ روح مثل آفتاب کے ہے جس طرح آفتاب کا تعلق اشیاء اور ذرات سے ہے اسی طرح خواہ جسم ریزہ ریزہ ہو جائے اس جسم کے اجزء اور ذرات پر روح کی شعائیں پڑتی رہتی ہیں مرنے کے بعد بھی ایک خاص قسم کا جسم کے اجزاء سے روح کا تعلق رہتا ہے جو موت سے قبل والے تعلق سے مختلف ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر روح خوش ہے تو اس کی خوشی کے اثرات اس کے جسم پر ضرور مرتب ہوں گے، اگر روح ناخوش ہے تو یقیناً اس کے برے اثرات اس کے اجزائے جسم پر ضرور مرتب ہوں گے۔ یعنی روح اگر خوش ہے تو بدن بھی راحت میں ہوگا اور روح اگر ناخوش اور عذاب میں ہے تو بدن بھی ضرور تکلیف میں ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ قبر میں اگر اس بدن کو راحت یا تکلیف ہے یا وہ قبر جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا ہے تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خوشی اور تکلیف کے اثرات عالم برزخ میں ہوں گے لہٰذا کسی کو نظر نہیں آئیں گے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے ذہن میں خوشی کے اثرات ہیں یا کسی کے سر میں درد ہے تو کیا سر پر ہاتھ رکھنے سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس میں خوشی ہے یا درد ہے، درد ہلکا ہے یا زیادہ ہے؟ یہ تو اس کو پتا ہوگا جس کو درد ہو رہا ہے اس طرح قبر میں جو مردہ یا اس کے جو اجزاء ہیں یقیناً ان پر روح کے اثرات رنج یا راحت کے مرتب ہوں گے لیکن وہ ہمیں معلوم نہیں ہوں گے اس کی تکلیف اسی کے اجزاء کو محسوس ہوگی ہمیں نظر نہیں

آئے گی۔اس کی ایک اور مثال اس طرح سمجھ لیجئے۔

کہ ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ اس کے مکان کو آگ لگ گئی اس کی چارپائی جل رہی ہے اور اس پر وہ خود بھی جل رہا ہے وہ چیخ وپکار کرتا ہے لیکن آپ برابر میں اس کے پاس لیٹے ہوں تو آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا اور کچھ بھی محسوس نہیں ہوگا، اسی طرح یقیناً کافروں کو عالم برزخ میں عذاب ہوگا مگر دوسروں کو قبر کے اندر وہ نظر نہیں آئے گا جبکہ وہ اس کو خوب محسوس کرے گا۔

بہر حال جب یہ ثابت ہو گیا کہ عام آدمی کی بھی روح باقی رہتی ہے اس کی صفات باقی رہتی ہیں۔تو یقیناً اللہ کے برگزیدہ بندوں کی روحیں اور ان کی صفات وکمالات بھی باقی رہتے ہیں (بلکہ ان کا تو جسم بھی زندہ اور باقی رہتا ہے)۔قبروں کے اندر ان کی روحانیت زندہ ہوتی ہے اور ان کے روحانی کمالات بھی زندہ ہوتے ہیں۔بلکہ بعض علماء کی نظر میں وہ روحانی کمالات مزید بڑھ جاتے ہیں کیونکہ اب ان کی روح جسم کی قید سے آزاد ہو کر قرب الٰہی میں پہنچ جاتی ہے لہٰذا اس کی قوتیں اور طاقتیں بڑھ جاتی ہیں۔ان کی دنیوی سماعت، بصارت، قوت، قدرت، اور طاقت سے کہیں زیادہ اس وقت ان کی روح کو یہ طاقتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

بعث بعد الموت

آخرت پر اور بعث بعد الموت پر ایمان لانا ایمان کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔اس پر ایمان لائے بغیر آدمی مومن نہیں کہلا سکتا۔قرآن پاک میں بار بار اس کا ذکر کیا گیا ہے۔اور اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی، بساط ہستی الٹ جائے گی، یہ مادی کائنات مکمل فنا کر دی جائے گی، آسمان وزمین میں چاند ستارے آسمان وزمین کی ساری مخلوق سب فنا ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ دوبارہ ان کو پیدا فرمائے گا اور ساری مخلوق کو دوبارہ زندہ

کر کے اٹھائے گا جو اسکے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب کتاب دیں گے جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جنہوں نے برے عمل کئے ہیں ان کو دوزخ میں ڈالدیا جائے گا۔

اس دن کو قرآن پاک میں متعدد ناموں سے پکارا گیا ہے۔ مثلاً قیامت، یوم البعث ، الساعۃ، آخرت، یوم الدین، یوم حساب، یوم فتح، یوم خلود، واقعہ، وغیرہ وغیرہ۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ"

(ابراہیم:۴۸)

ترجمہ: جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل دئے جائیں گے اور سب لوگ اس ایک سب پر قابو پانے والے خدا کے سامنے نکل کر آجائیں گے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (زلزال)

ترجمہ: جب زمین خوب تھرتھرادی جائے گی، جیسا کہ اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے اور زمین اپنا بوجھ باہر پھینک دے گی اور آدمی کہے اسے کیا ہوا اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی اس لئے کہ تمہارے رب نے اسے حکم دیا ہے اس دن لوگ اپنے رب کی طرف پھریں گے، کئی راہ ہو کر تا کہ ان کو دکھادئے جائیں ان کے اعمال تو جو ایک ذرہ برابر بھلائی کرے وہ اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ برابر برائی کرے اسے دیکھے گا۔

عقیدہ آخرت اور سائنس: اور اب تو بڑے بڑے سائنسدان اور طبیعات

اور فلکیات کے ماہر بھی بڑی تحقیق وتدقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ یہ تمام نظام عالم ایک نہ ایک روز مکمل طور پر تباہ ہو جائے گا، وہ اپنی عقل کے مطابق اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ سارا نظام جس کشش ثقل پر چل رہا ہے اور ایک دن یہ سیارے اور ستارے اسی کشش ثقل کے باعث ایک دوسرے سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

الغرض آج کی سائنس بھی یوم آخرت اور قیامت کے دن کی اسلامی عقیدہ کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوگئی ہے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے یہ عقیدہ بیان فرما دیا تھا جو اسلام کے دین الٰہی اور دین حق ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

بعث بعدالموت پرقرآنی استدلال:

قیامت اور بعث بعد الموت کے عقیدہ کفار کے سمجھ میں نہیں آیا اور وہ طرح طرح کے اعتراضات کرنے لگے کہ ہم مر کر دوبارہ کیسے جئیں گے؟ ان گلی سڑی ہڈیوں میں دوبارہ جان کیسے پڑیں گی؟ قرآن نے اس کا بڑا خوبصورت جواب عطا فرمایا:

"وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٩٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (بنی اسرائیل:۹۹،۹۸)

ترجمہ: اور وہ بولے کہ جب ہم ہڈی اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے بنا کر اٹھائے جائیں گے؟ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بنایا وہ ان لوگوں کے مثل کو (دوبارہ بھی) بنا سکتا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:"وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ" (روم:۲۷) اور خدا وہ ہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ خلق کرے گا اور یہ اس کیلئے آسان ہے۔

اعتراض: مشرکین عرب کی طرح آج بھی بعض دہریئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "بعث بعدالموت" کے عقیدہ میں انسان کو جو نئی زندگی ملے گی اس میں اس کا جسم

کون سا ہوگا اگر کہیں دنیاوی جسم ہوگا تو وہ تو ختم ہوگیا بعض دنیا میں ڈوب جاتے ہیں ان کو مچھلیاں کھا جاتی ہیں بعضوں کو جلا دیا جاتا ہے ان کے ذرات تک باقی نہیں رہتے۔ وہ جانوروں کے جسموں کا جزء بن گئے ہیں لہٰذا اب یہی جسم دوبار کیسے بنے گا؟ اور اگر یہ کہیں کہ دوسرا جسم اللہ تعالیٰ تخلیق کرے گا تو اس پر اعتراض یہ ہوگا کہ اس دوسرے جسم نے تو گناہ کیا نہیں لہٰذا جہنم میں اسے سزا کیوں ملے اس نے عبادت کی نہیں لہٰذا جنت میں یہ کیوں جائے؟

جواب: اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے دنیاوی جسم کے ساتھ اٹھانے پر بھی قادر ہے جس میں اس کو موت آئی تھی، اگرچہ اس کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہا ہو۔ کیونکہ جب کچھ نہ تھا اس وقت اس نے اس انسان کی تخلیق کی تو اب جبکہ اس کی روح موجود ہے اور اس کے جسم کے ذرات کہیں بھی منتشر طور پر بکھرے ہوئے ہوں ان کو جمع کر کے اسی جسم کی دوبارہ تخلیق کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

لیکن قرآن پاک کی آیات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ دوسری تخلیق ہوگی دوسرا جسم اس کو عطا کیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے: "**بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ**" (ق: ۱۵) بلکہ یہ لوگ نئی آفرینش (پیدائش) سے شک میں ہیں، دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: "**اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ**" (سباء: ۷) بیشک تم ایک نئی پیدائش میں ہونے والے ہو۔

لہٰذا اس نئی خلقت اور نئی پیدائش میں اسی پرانے جسم کا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اب سوال یہ رہ گیا کہ جب یہ نیا جسم ہے تو اس کو عذاب وثواب کیوں دیا جارہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل عذاب وثواب، حساب وکتاب، راحت وتکلیف، تو روح کے لئے ہے۔ اور وہ ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو اول سے اخیر تک باقی رہتی ہے اور بدلتی نہیں ورنہ آج کی سائنسی تحقیق کے مطابق دنیا میں ہی ایک انسان کا جسم ہر سات

سال کے بعد مکمل طور پر تبدیل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جن ذرات اور خلیوں سے انسان کا جسم تشکیل پاتا ہے وہ خلیے سات سال کے اندر مکمل طور پر تبدیل ہو جاتے ہیں اس عرصہ میں پرانے خلیے اندر ہی اندر پگھل جاتے ہیں اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور نئے خلیے اور نئے سیل (Cells) اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔ تو جب دنیاوی زندگی میں انسانی جسم کے بنیادی ذرات کی مکمل تبدیلی کے باوجود اس کی شخصیت وہی رہتی ہے اس کی ہستی کا تشخص وہی رہتا ہے، دس سال پہلے جس نے چوری کی تھی اسی کو دس سال کے بعد سزا سنائی جاتی ہے معلوم یہ ہوا کہ اصل چیز کچھ اور ہے اور وہ انسان کی روح اور اس کا اپنا ایک تشخص ہے جو دائمی چیز ہے جو جسموں کی تبدیلی کے باوجود مسلسل باقی ہے اور موت کے بعد بھی برزخ میں باقی تھا اور بعث بعد الموت میں بھی وہی باقی ہوگا اور اسی سے حساب و کتاب اور عذاب و ثواب ہوگا۔

یہ جسم تو محض ایک قالب اور غلاف کی مانند ہے اور اس کی تائید قرآن کی اس آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۵۶ (نساء: ۵۶) بیشک جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے ہم ان کو آگ میں ڈالیں گے جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کو بدل کر دوسری کھالیں دیں گے جو پہلی کھالوں کی غیر ہوں گی تا کہ وہ عذاب چکھیں بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

جب پہلی کھال بدل گئی تو پہلا جسم کہاں باقی رہا جو گناہ میں شریک تھا؟ جبکہ اللہ فرما رہا ہے کہ ہم اس کو مزید عذاب کا مزا چکھانا چاہتے ہیں، معلوم ہوا کہ جس کو عذاب دینا مقصود ہے وہ کوئی اور چیز ہے اور وہ یقیناً روح اور اس کا اپنا ایک علیحدہ تشخص ہے۔ جو کبھی کسی قالب میں ہوتا ہے کبھی کسی (جسم) لباس میں ہوتا ہے۔

اسی طرح احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اس کے اعمال کی گواہی دیں گے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اصلی مجرم کوئی اور ہے اور وہ روح انسانی ہے۔

اس کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے جس میں عذاب وثواب اور اعمال کے مواخذہ کا تعلق نفس اور روح کے ساتھ کیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہوتا ہے: "عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ" (تکویر: ۱۴) (اس دن) ہر نفس جان لے گا جو اس نے حاضر کیا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: "عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ" (انفطار: ۵) ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا، ان آیات میں عمل کی ذمہ داری، اچھے برے کاموں کے نتیجہ کا بار جسم پر نہیں بلکہ نفس یعنی روح پر ڈالا گیا ہے۔

اور اسی نظریہ کی تائید ان آیات اور احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں قیامت کے دن مختلف کاموں کے حامل لوگوں کی مختلف صورتوں اور جسموں کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً حدیث پاک میں آتا ہے کہ: "یحشر المتکبرون والمتجبرون یوم القیامة فی صور الذّر تطئوهم الناس لهوانهم علیٰ اللّٰه عز وجل" تکبر کرنے والے اور اترانے والے کل قیامت کے دن ان چیونٹیوں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے لوگ ان کو روندیں گے۔

اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت میں سب لوگ جوان بن کر داخل ہوں گے جسم پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ دوزخیوں کے لئے فرمایا گیا ان میں سے کسی کا سر پہاڑ کے برابر ہوگا کسی کا ایک پہلو مفلوج ہوگا، کسی کے ہونٹ لٹکے ہوں گے۔

ان تمام روایات سے بھی یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اصل چیز روح ہے اور روح کو اس کے اعمال کے مطابق آخرت میں جسم ملیں گے اگر اچھے کام کئے تو اچھے جسم ملیں گے اور برے کئے تو برے جسم ملیں گے۔

عقیدہ آخرت کی ضرورت: قرآن پاک نے عقیدہ آخرت اور عقیدہ بعث بعدالموت کی ضرورت اوراہمیت ایک نئے اورنرالے انداز سے سمجھانے کی کوشش کی ہے، ارشاد ہوتا ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ (مومنون)

ترجمہ: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے؟ یعنی بتانا یہ مقصود ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کیلئے پھر ساری کائنات کو مسخر کیا، "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ" (الجاثیہ: ۱۳)

ترجمہ: انسان کو زندگی دی، اس کو شعور دیا، اس کو بے شمار دولتیں اور نعمتیں دیں، ظاہر ہے ان سب کا ایک مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں کون ہماری اطاعت کرتا ہے اور کون ہماری نافرمانی کرتا ہے، اب اگر یوم آخرت نہ ہو اور ان کے اعمال کی جزاء و سزاء نہ ہو تو یہ ساری کائنات کی تخلیق ہی عبث اور بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔

اور دوسری دلیل قرآن نے یہ دی ہے کہ "اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾" (ص: ۲۸)۔ کیا ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی طرح کر دیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یوم آخرت اور بعث بعدالموت نہ ہو تو نیکوں اور بدوں میں، اچھوں اور بروں میں امتیاز کس طرح ہوگا۔ اور اگر ان کے درمیان کوئی امتیاز نہ ہو یعنی بروں کو سزا اور اچھوں کو جزاء نہ ملی تو خدا کا عدل وانصاف کس طرح معلوم ہوگا۔ لہٰذا اس کے عدل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جو گناہ اور جرم کرنے کے باوجود دنیا میں عیش وعشرت سے ہیں یا جو نیکیاں کرنے کے باوجود اس دنیا میں عسرت اور تنگی کی زندگی گزار رہے ہیں ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء وسزاء دے تاکہ عدل کا تقاضہ پورا ہو۔

انسانی زندگی پراثرات: اس عقید آخرت اور بعث بعد الموت کے عقیدہ کے انسانی زندگی پر بڑے مفید اور گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ مثال کے طور پر اس دنیاوی کاموں میں انسان کو اگر جواب دہی اور جزاء کا خوف اور حصول منفعت کی حرص نہ ہوتو وہ کبھی کام دل لگا کر نہیں کرسکتا۔ اور اگر یہ دونوں چیزیں موجود ہیں تو وہ اپنا کام تندہی سے اور باحسن الوجود اداء کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح اس عقیدے میں بھی یہ دونوں چیزیں موجود ہیں تا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر کے اچھے اخلاق اور عادات سے متصف ہوتا چلا جائے اور برے اخلاق وصفات سے دور ہوکر ایک اچھا انسان بن جائے۔ اور جب بہت سے اچھے انسانوں سے جو معاشرہ تشکیل پائے گا وہ بھی اچھا، مثالی اور راحت افزاء ہوگا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے "فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۞ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۞" (مزمل: ۱۸،۱۷) پھر تم کیسے صاحب تقویٰ ہو سکتے ہو اگر اس دن کا انکار کرو جو بچوں کو بوڑھا کردے گا اور جس سے آسمان پھٹ جائے گا اس کا یہ وعدہ پورا ہوکر رہے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ و پاکیزگی یعنی اصلاح کردار اور اعمال سیئہ سے اجتناب اور اعمال حسنہ پر کار ارتکاب موقوف ہے یوم آخرت کے ایمان پر کیونکہ جزاء وسزاء کے تصور کے بغیر کسی کا حصول ممکن نہیں۔

تقدیر

ہر مسلمان کیلئے مسئلہ تقدیر پر بھی ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ تقدیر کے لغوی معنی اندازہ لگانے کے ہیں اور شرعی لحاظ سے اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی تخلیق سے قبل ہر چیز کا اندازہ لگالیا تھا۔ لہٰذا دنیا میں جو کچھ ہوایا ہورہا ہے یا ہوگا وہ سب کچھ اس کے اسی اندازہ اور علم ازلی کے مطابق ہوا، ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کاریگر مکان بنانے سے پہلے مکان کا نقشہ تیار کرتا ہے کہ اس میں کتنے کمرے ہوں گے کتنی کھڑکیاں اور دروازے ہوں گے اور کہاں کہاں ہوں گے۔ پھر اس نقشہ کے مطابق مکان تعمیر ہونا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح اس خلاق کائنات نے بھی کائنات کی تخلیق سے قبل تمام امور طے فرما لئے تھے اب کائنات میں جو کچھ ظہور پذیر ہو رہا ہے خواہ وہ رنج ہو یا خوشی، راحت ہو یا تکلیف، موت ہو یا حیات، الغرض کائنات میں کوئی ذرہ یا پتہ بھی اگر ہلتا ہے تو وہ اس ہی علم ازلی اور طے شدہ پروگرام کے مطابق حرکت کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ "اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝" (قمر:۴۹) ہم نے ہر چیز اندازہ سے پیدا کی۔ ایک اور مقام پر اسی مضمون کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ: "وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝" (الانعام:۵۹) وہ بر و بحر کی تمام چیزوں کو جانتا ہے، درخت سے کوئی پتہ گرنے نہیں پاتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھا نہ ہو۔

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: "کتب الله المقادير الخلائق قبل ان يخلق السموٰت والارض بخمسين الف سنة قال وكان عرشه على الماء" (مسلم شریف کتاب الایمان، مشکوٰۃ: ج:۱، ص:۳۳) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔

بہر حال کائنات کی تخلیق سے قبل کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے

اندازہ تقدیر اور علم سے ہر ایک کا فیصلہ (قضا) فرما کر لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔اسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے اور اسی کے مطابق ہر شئی ظہور پذیر ہو رہی ہے اسی کا نام مسئلہ ''تقدیر'' اور مسئلہ ''قضاء وقدر'' ہے۔

انسانی زندگی پراس کے اثرات: یہ عقیدہ مسلمان کو غرور تکبر اور پستی، سستی اور کم ہمتی، یاس و ناامیدی سے نجات دیکر بلند ہمتی استقلال اور صبر و تواضع جیسے عظیم اخلاق سے متصف کر دیتا ہے۔کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی ذرا سی کوششوں پر کامیابی حاصل کرلے تو فخر وغرور کے نشہ میں چور ہو جاتا ہے اور اگر ذرا سی ناکامی ہو جائے تو دل برداشتہ ہو کر ہمت ہار جاتا ہے اور یہ دونوں بری عادتیں اس کے دل میں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ وہ ان کاموں کے انجام کو اپنے کاموں کا لازمی نتیجہ سمجھا ہوا تھا لہٰذا وہ اپنے کئے پر کبھی مغرور ہوتا ہے تو کبھی ملول ہو جاتا ہے۔اس طرح متانت استقلال اور صبر و ثبات کے عظیم اخلاق سے وہ محروم ہو جاتا ہے لیکن جب قضا وقدر کے عقیدہ پر انسان کا ایمان کامل ہو جاتا ہے تو ان اخلاق ذمیمہ سے خود بخود وہ پاک ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ انسان کو یہ بتاتا ہے کہ کامیابی پر غرور نہ کر کیونکہ یہ کامیابی تیری کوششوں کا براہ راست نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے، اسی طرح اگر ناکامی ہوتی ہے تو اس پر دل شکستہ اور مایوس ہو کر بددل نہ ہو جا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی کسی مصلحت اور حکمت کا نتیجہ ہے کیونکہ ہمارے کاموں سے پہلے ہی ہمارے کاموں کے نتائج اس کے علم میں مقرر ہو چکے تھے۔لہٰذا عملی جوش وخروش کو باقی رکھ اور اپنی جد و جہد جاری رکھ۔قضاء قدر کے اسی فلسفہ کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ''مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۖ ۝٢٢ لِّـكَيۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰٮكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِ ۝٢٣'' (حدید: ۲۲، ۲۳) کوئی مصیبت نہیں آتی زمین میں اور

خودتم میں لیکن یہ کہ وہ ایک کتاب میں اپنی پیدائش سے پہلے درج ہوئی ہے یہ کہ اللہ پر آسان ہے ایسا اس لئے کیا گیا تا کہ تم اس پر جوتم سے جاتا رہا غم نہ کھایا کرو اور جوتم کو (اللہ) نے دیا اس پر اترایا نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور بڑائی مارنے والے کو پیار نہیں فرماتا۔

اس کے علاوہ عقیدہ تقدیر مسلمان کو بے خوبی بے جگری، جرأت وہمت اور شجاعت و بہادری جیسے عظیم اوصاف کا حامل بنادیتا ہے۔ کیونکہ جب اس کو یہ یقین کامل ہو جاتا ہے کہ تمام آفتیں اور مصیبتیں، مشکلیں حتی کہ موت بھی لکھ دی گئی ہے اور اس کا ایک وقت مقرر کر دیا گیا ہے، جب لکھا ہے اس وقت آ کر رہے گی اور اس سے پہلے کبھی نہیں آسکتی تو پھر وہ بے خوف ہو کر دشمنان اسلام سے لڑتا ہے، پھر وہ بڑے سے بڑے خطرات اور مشکلات کی نہ پرواہ کرتا ہے اور نہ موت سے خوف زدہ ہوتا ہے اسی مضمون کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے: "قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾" (توبہ:۵۱) ہم پر کوئی آفت آہی نہیں سکتی لیکن جو خدا نے ہمارے لئے لکھ دی ہے وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ ہی پر چاہئے کہ ایمان والے بھروسہ کریں۔

اعتراض: بعض ناداں عقیدۂ تقدیر کا غلط مفہوم سمجھ کر اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ جب اللہ نے ہماری تقدیر میں نماز لکھی ہی نہیں ہے تو ہم نماز کس طرح پڑھیں؟ جب سب کچھ لکھا ہوا ہے اور اسی کے مطابق ہوتا ہے تو آدمی مجبور ہو گیا پھر اس کو سزاء اور عذاب کیوں دیا جائے گا؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ کائنات کی کوئی شئی اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتی خدا کی اجازت کے بغیر درخت کا پتہ اور زمین کا کوئی ذرہ ہل نہیں سکتا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خدا نے اپنی اس ہمہ گیر قدرت، وسیع اختیار اور

طاقت کے باوجود خود اپنے اختیار اور مشیت سے انسان کو کچھ قدرت اور طاقت عطا فرمائی ہے اور وہ اپنی قدرت اور طاقت کے استعمال میں آزاد ہے اور اسی سے مواخذہ اور باز پرس ہوگی۔

اسی اختیار اور قدرت کی آزادی کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے: "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" (کہف:۲۹) تو جو چاہے مومن بن جائے اور جو چاہے کافر ہو جائے۔

تقدیر کے تو یہ معنی ہیں کہ اپنے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لکھ دیا کہ فلاں آدمی اپنے اختیار سے فلاں فلاں کام کرے گا، فلاں فلاں اچھائی کریگا فلاں فلاں برائی کرے گا، اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ چور لکھ دیا ہے لہٰذا چوری ہی کرے گا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ چونکہ اس کو چوری کرنی تھی اس لئے چور لکھ دیا یہ اصل ہے کہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے نہ کہ معلوم علم کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا تقدیر میں لکھے جانے سے اختیار سلب نہیں ہو جاتا بلکہ انسان جو کچھ کرے گا وہ سب اپنے اختیار سے کرے گا اور اسی پر اس سے مواخذہ ہوگا اور اسی پر اس کو عذاب وثواب ہوگا۔

دلائل اختیار: انسان کو اپنے اعمال (اچھے یا برے) کرنے نہ کرنے کا خدا کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے وہ مجبور محض نہیں اس پر کئی دلائل ہیں۔

اول: اگر تقدیر کی وجہ سے آدمی بالکل مجبور ہو جائے اور اس مجبور کو اس کے فعل پر جزاء وسزا دی جائے تو یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ تو ظلم سے پاک ہے بلکہ وہ ذات جس کا ہر فعل عدل وانصاف پر مبنی ہو بلکہ جس کا کارخانۂ قدرت قانون عدل پر چل رہا ہو جو اپنے بندوں کو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہو بھلا اس کی جناب میں کب ظلم کا تصور ممکن ہوگا؟ جو اپنے بندوں کو عدل کا اس طرح حکم دے رہا ہے۔ "وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ" (النساء:۵۸) اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو

توانصاف سے فیصلہ کرو۔اس کی بارگاہ میں ظلم تو کیا ہوگا وہاں تو عدل سے بھی بلند مقام احسان اور فضل کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴿۱۶۰﴾" (الانعام:۱۶۰) جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو برائی لائے گا اس کو ویسی سزا ملے گی اور اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں مہربانی اور فضل واحسان کا یہ عالم ہو وہاں ظلم اور جبر کا کہاں تصور کیا جاسکتا ہے۔

دوم: اگر انسان مجبور محض ہو تو پھر انبیاء کی بعثت اور ارسال کتب اور اعطاء شریعت کا مفہوم ہی کچھ نہیں رہے گا۔ سب چیزیں بیکار ہو جائیں گی حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ واضح طور پر ارشاد فرمارہا ہے۔ "وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا" (بنی اسرائیل:۱۵) اور جب تک ہم پیغمبر کو نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔ یعنی انبیاء کے ذریعہ پہلے اتمام حجت کر دی جاتی ہے بلکہ گرفت کی جاتی ہے۔

سوم: اگر انسان مجبور و بے بس ہو تو پھر اس کا کوئی فعل نہ قابل تعریف رہے گا اور نہ قابل مذمت حالانکہ اس کے افعال پر اس کی مدح بھی ہوتی ہے اور برے افعال پر مذمت بھی ہوتی ہے پتہ یہ چلا کہ یہ اپنے افعال میں مختار ہے۔ جیسے کوئی کسی کو پتھر مارے تو پتھر جو مجبور و بے بس ہے اس کو کوئی برا نہیں کہتا بلکہ مارنے والے کو برا کہتے ہیں۔

حکایت: مولانا روم نے ایک بہت خوبصورت حکایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ ایک چور کو شاہی پیادے کوتوال کے پاس پکڑ کر لائے کوتوال نے چور سے جب چوری کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ ہاں میں نے چوری کی ہے لیکن یہ سب کچھ میں نے اللہ کے حکم سے کیا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہل سکتا یہ سن کر کوتوال نے پیادوں سے کہا کہ اسے درخت سے الٹا لٹکا کر خوب مارو جب مار پڑی اور وہ چیخنے لگا تو کوتوال نے کہا کہ اب کیوں چیختا ہے یہ کام بھی خدا

کے حکم سے ہی ہو رہا ہے اسی طرح دنیاوی عدالتوں میں بھی وہ اپنے کسی کام کا پھر ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکے گا۔ لہٰذا اس کو مختار ماننا پڑیگا۔

چھارم: اگر انسان اپنے اعمال میں مجبور ہو تو پھر نیکی اور بدی اور جزاء وسزاء کا تصور ہی ختم ہو جائے گا کیونکہ کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کوئی کام کرالیا جائے تو اس کام کی نہ اچھائی معتبر ہو گی اور نہ برائی اور نہ اس کام پر عفو و درگزر اور جزاء وسزاء معتبر ہو سکے گی دنیاوی عذاب میں بھی جبر و اکراہ سے کوئی قول و فعل کا مرتکب ہوا ہو تو وہ جرم شمار نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس احکم الحاکمین کی عدالت میں اگر انسان بے دست و پا ہو تو اس کا قول و عمل کس طرح جرم شمار ہو گا۔

پنجم: ہمارا دین تو دین فطرت ہے۔ اس میں آسانیوں اور سہولتوں کا درس دیا گیا ہے۔ حالت اضطرار اور اختیار میں فرق کرنا سکھایا گیا ہے وہ دین جو حالت اضطرار میں حرام کو بھی حلال قرار دے دے جو "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" کہہ کر دین میں بھی جبر اور اکراہ کو پسند نہ کرے۔ وہاں یہ کب ممکن ہو گا کہ آدمی کو اس کے عمل میں مجبور اور مقید کر دے۔

اعتراض: قرآن میں بعض مقامات پر ہدایت اور ضلالت اور مہر لگانے کی نسبت خدا کی طرف کی گئی ہے اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب: زنگ، بیماری، ہدایت، ضلالت، اور مہر لگانا یہ وہ فیصان ہے جو انسان کے اچھے برے کام کے جواب میں اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ یعنی جب انسان کفر کرتا ہے نافرمانی کرتا ہے تو گناہ کرتے کرتے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اس کے دل سے "قبول حق" اور صداقت شناسی اور اثر پذیری کا جوہر ختم ہو جاتا ہے اسی کو مہر وغیرہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "بل طبع الله عليها بكفرهم" یہاں بھی کفر مقدم ہے اور سبب بن رہا ہے ان کے طبع ہونے کا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسان جب

گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے، جب غمزدہ ہوتا ہے۔ تو آنسو ٹپکتے ہیں یہ نہیں کہ جب چوٹ لگتی ہے تو گرتا ہے یا جب آنسو ٹپکتے ہیں تب غمگین ہوتا ہے ، اسی طرح جب انسان کا کفر و فسق، زنگ، بیماری قلب، پہلے ہوتی ہے پھر خدا کی طرف سے اس کے جواب میں مہر ضلالت وغیرہ بعد میں ہوتی ہے یہ نہیں کہ پہلے مہر تھی اس لئے وہ گمراہ ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت

ایک ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت، دوسرے ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور تیسری ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت۔

خلقت محمدی:

عالم اجسام میں جلوہ گر ہونے سے قبل عالم امر میں جہاں تمام بنی نوع انسان، انبیاء، اولیاء، عوام و خواص سب کی تخلیق کی گئیں تھیں اور ان سے الست بربکم کہہ کر عہد لیا گیا تھا اس وقت تمام بنی نوع انسان کی تخلیق سے پہلے ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانی تخلیق فرمائی گئی۔ کائنات میں سب سے پہلے آپکو نورانی وجود عطا کیا گیا اسی کو خلقت محمدی کہتے ہیں۔ اسی نور محمد کو جو اولیٰ و اقدم ہے حقیقت محمدی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہی تعینات میں اول تعین ہے جو تمام تعینات کو محیط ہے۔

اس کا ثبوت قرآن کی اس آیت سے پیش کیا جاتا ہے کہ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" آپ جہانوں کیلئے اس طرح رحمت ہیں کہ تمام جہانوں کو وجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں ملا اور تمام کائنات اپنے وجود میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محتاج ہے جو محتاج ہوتا ہے وہ بعد میں ہوتا ہے اور جس کی طرف حاجت ہوتی ہے وہ پہلے ہوتا ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے ہوئے اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل کائنات ٹھہرے اور ساری کائنات آپ کی فرع ہے۔ اصل پہلے ہوتا ہے فرع بعد میں لہٰذا اس لحاظ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت سب سے پہلے ہوئی اس کے بعد ساری مخلوق کی

ہوئی۔اس پر بہت سی احادیث مبارکہ بھی شاہد ہیں ایک،حدیث یہ ہے:
اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ "یاجابران اللہ خلق قبل کل الاشیاء نورنبیک من نورہٖ" مصنف عبدالرزاق / مواہب اللدنیہ ج:۱،ص:۹/سیرت حلبیہ ج:۱،ص۳۰،/ زرقانی ج:۱،ص:۴۶/،،،،عبدالغنی نابلسی (حدیث کو صحیح فرمایا) دلائل النبوۃ، امام بیہقی/ نشر الطیب / اشرف علی تھانوی،ص:۶/ اس کے علاوہ اول ماخلق اللہ نوری، یہ دوسری حدیث ہے جس کو مطالع السرات شرح دلائل الخیرات ،دلامہ نابلسی/ شیخ عبدمحمد عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ ج:۲،ص:۲، میں ذکر فرمائی ہے اور اس کو حدیث صحیح کہاہے،علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیقہ ندیہ میں اس کو صحیح حدیث کہاہے،لہٰذا اس کی حجت پر اعتراض درست نہیں۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ آپ کی عمر کتنے سال ہے عرض کیا حضور! اس کے سوا اور میں کچھ نہیں جانتا کہ چوتھے حجاب عظمت میں ہر ستر ہزار سال کے بعد ایک ستارہ طلوع ہوتا ہے تھا جسے میں نے اپنی عمر میں ستر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے جبرائیل میرے رب کی عزت وجلال کی قسم وہ ستارہ میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے ایک دن کو ہمارے ہزار سال کے برابر فرمایا ہے (تفسیر روح البیان ج:۳،ص:۵۴۳،انسان العیون، ج:۱ ص:۲۹، برہان الدین حلبی) اسی لحاظ سے حدیث جبرائیل کے سالوں کا حساب لگایا جائے تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اربوں کھربوں برس پہلے ہوا جس کا حساب عقل سے ماورا ہے۔ اسماعیل حقی)۔

من نورہٖ: من نورہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور پاک یعنی حضور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کو اپنے نور پاک یعنی خود اپنی ذات سے بغیر کسی واسطہ سے پیدا فرمایا۔ اس کے معنی معاذ اللہ یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور اللہ کے نور کا کوئی جز ہے یا حصہ ہے، یا اس مادہ سے ذات کی تخلیق ہوئی ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے ایک ایسی ذاتی تجلی فرمائی کہ اس سے نور محمدی جلوہ گر ہوگیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینہ میں جب آفتاب کے نور کی روشنی پڑے تو وہ روشن ہو جاتا ہے، حالانکہ یہاں نہ آفتاب کی ذات میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے نہ اس کی روشنی میں کوئی کمی آئی ہے اور نہ وہ نور اس کا جز کہلاتا ہے ہاں البتہ یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ آئینہ کا نور آفتاب سے ہے، بلاتشبیہ و بلاتمثیل آئینہ محمدی نور ذات احدی سے روشن ہوگئی یہی معنی ہیں من نورہٖ کے۔ لہٰذا اس سے نہ اللہ کی ذات اور نہ اس کی صفات کسی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

اسی طرح جب آئینہ کی روشنی دوسرے آئینوں میں پڑتی ہے تو وہ بھی روشن ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود آفتاب کے نور میں یا پہلے آئینہ کے نور میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اسی طرح فیضان وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہنچا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے تمام ممکنات کو وجود فیض حاصل ہوا۔ یہی معنی ہیں اس حدیث کے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے پیدا ہوئی جس طرح آفتاب کی شعائیں گندی چیزوں پر پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتیں اسی طرح انوار محمدی کی شعائیں عالم موجودات کی برائیوں سے متاثر نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے ممکنات کی تخلیق میں اشیاء کی قباحت و نجاست سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

نور ذات محمدی: ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح مبارک نور تھی اسی طرح آپ کا جسم مبارک بھی نور تھا۔ اور یہ اول تخلیق اسی ذات محمدی کے نور سے کی ہوئی تھی چونکہ کائنات کی ہر شئے نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیدا ہوئی ہے اسی

لئے عرفاء وصوفیاء فرماتے ہیں کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں نور محمدی اور حقیقت محمدی جلوہ گر ہے۔ سکھ مت کے بانی گرونانک نے ریاضیاتی طور پر ثابت کیا ہے کہ نور محمدی کائنات کی ہر شی میں جلوہ گر ہے اس کا مصرعہ ہے ''گرونانک یوں کہے ہر شی میں محمد کو پائے'' (جنگ ۲۴، جنوری ۱۹۶۷ء) اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ''نور نبیک'' میں نور محمدی سے روح محمدی مراد ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور جسم مبارک کا نور ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اس ہی حدیث پاک میں ''من نورہ'' میں اضافت بیانیہ ہے اور لفظ نور سے اللہ کی ذات مراد ہے اسی طرح ''نور نبیک'' میں بھی اضافت بیانیہ ہے اور لفظ نور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک مراد ہے۔ اور یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا حدیث جابر میں تمام اشیاء سے پہلے جس نور محمدی کی تخلیق کا ذکر ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کا نور ہے۔

دلیل: ہر باپ کی صلب میں اس کی اولاد کی روح کے نہیں بلکہ بدن کے اجزائے لطیفہ موجود ہوتے ہیں اسی لئے وہ اس کی نسل کہلاتی ہے اور اسی سے باپ بیٹے، کا رشتہ وجود میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر یعنی تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم کی پشت میں قیامت تک آنے والی آپ کی تمام اولاد کے اجزائے بدنیہ اور اجزائے اصلیہ رکھ دیئے تھے۔ اسی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم انور کے لطیف نورانی اجزاء بھی رکھ دیئے تھے اور وہ نور تھے جیسا کہ حدیث مبارک میں آتا ہے۔ ''لما خلق اللہ تعالیٰ آدم جعل ذالک النور فی ظھرہ فکان یلمع فی جبینہ'' (زرقانی ج۱، ص: ۹/۴۹ مواہب اللدنیہ ج: ۱، ص: ۱۰)۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پشت میں رکھ دیا اور وہ نور مبارک ایسا چمک والا تھا کہ باوجود پشت میں ہونے کے حضرت آدم کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ اس سے ثابت

ہوا کہ حضور ﷺ کا جسم مبارک بھی نور تھا۔

اعتراض: عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی قیامت تک پیدا ہونے والی تمام اولاد کو باہر نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام بنی آدم کی ارواح حضرت آدم کے پشت میں تھیں۔

جواب: حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کی ارواح نہیں نکالی گئی تھیں بلکہ وہ انکے اشخاص مثالیہ تھے۔ یعنی وہ مثالی صورتیں تھیں۔ جو نکالی گئیں اور ان سے عہد لیا گیا۔ روحیں حضرت آدم کی پشت میں نہیں تھیں کیونکہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں استقراء حمل کے چار مہینہ بعد اللہ تعالیٰ فرشتے کو چار باتیں لکھنے کے لئے بھیجتا ہے اور وہ چار باتیں لکھ دیتا ہے اس کا عمل، عمر، رزق اور دوزخی یا جنتی ہونا پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری، مسلم: ص ۲۰) اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی روحیں باپ کی پشت اور صلب میں نہیں بلکہ ماں کے شکم میں پھونکی جاتی ہیں۔ اسی طرح حضرت آدم کی پشت میں بھی روحیں نہیں تھیں بلکہ مثالی جسم تھے۔

بہر حال ہمارا عقیدہ ہے کہ ذات محمدی ﷺ کا نور تمام کمالات حتی کے خاتم النبیین کے وصف سے بھی متصف ہو کر کائنات کی ہر چیز کی تخلیق سے پہلے پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس کمالات کا ظہور اپنے اپنے اوقات میں حسب حکمت و مصلحت خداوندی ہوتا رہا۔

اعتراض: عالم ارواح میں بھی حضور خاتم النبیین تھے یہ اس وقت کیسے ممکن تھا ہاں دنیا میں تمام انبیاء کے بعد آئے لہٰذا یہاں متحقق ہو سکتا ہے؟

جواب: ایک ہوتا ہے کسی چیز کا ثبوت دوسرا ہے اس کا ظہور یہ دو الگ الگ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں آپ ﷺ کو ختم نبوت کے منصب پر فائز فرما دیا

تھا یہ اس کا ثبوت تھا لیکن اس کا ظہور آپ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد ہوا۔ جیسے کوئی بادشاہ کسی کو امیر جہاد مقرر کر دے تو اسکی امارت کا ظہور تو جہاد پر جانے کے بعد ہی ہوگا لیکن اس منصب پر اس کا ثبوت ابھی سے ثابت ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت

ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ نور پاک جو ساری کائنات کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ حضرت آدم کی تخلیق کے بعد ان کی پشت میں رکھ دیا گیا جو ان کی پیشانی سے چمکتا تھا، اور وہ نور مبین حضرت آدم کے بعد اصلاب طاہرہ اور ارحام طیبہ میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ حضرت عبدالمطلب کی پشت مبارک میں منتقل ہوا جس کی وجہ سے آپ کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور آپ کی پیشانی میں وہ نور چمکتا تھا۔ لوگ آپ کا ہاتھ پکڑ کر جبل شبیر کی طرف آپ کو لے جاتے تھے اور آپ کے واسطے اور وسیلہ سے قحط کے دنوں میں بارش کی دعائیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس نور کے صدقہ میں دعائیں قبول کرتا تھا اور بارشیں برساتا تھا۔ (مواہب اللدنیہ: ج:ا ص:۱۰) پھر وہ نور حضرت عبداللہ کی پشت میں جلوہ گر ہوا، اور وہ نور آپ کے چہرہ سے چمکتا تھا چنانچہ سابقہ کتابوں کی ماہر ایک یہودیہ عورت آپ کے چہرہ پر اسی نور کو دیکھ کر آپ پر فریفتہ ہوگئی اور آپ کو اپنی طرف بلایا لیکن آپ نے انکار فرما دیا۔ (مواہب اللدنیہ ج:ا ص:۱۵) جب حضرت عبداللہ کا حضرت بی بی آمنہ سے منیٰ میں جمرۃ الوسطیٰ کے قریب نکاح ہوا تو یہیں جمعہ کی شب یہ نور محمدی حضرت بی بی آمنہ کے شکم مبارک میں منتقل ہو گیا، معارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ رات شب قدر سے بھی افضل تھی کیونکہ اس رات جو اللہ تعالیٰ کے انوار برکات وتجلیات نازل ہوئی ہیں وہ قیامت تک کسی رات میں نہیں ہوئی ہیں۔ (مولود محمود ص:۵۴) حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پیٹ میں رہے علامات حمل

میں سے کوئی علامت مجھ پر کبھی ظاہر نہیں ہوئی حتی کے کوئی ضعف بھی محسوس نہیں ہوا چھ ماہ تک تو مجھے معلوم ہی نہیں ہوا کہ میں حاملہ ہوں۔ کیوں نہ ہو جو ضعیفوں اور ناتوانوں کا سہارا اور قوت بن کر آ رہا تھا بھلا اس کا وجود ان کی والدہ مطہرہ کے لئے ضعف کا سبب کیسے بن سکتا تھا جو مجبور و بے بس لوگوں کی مشکلات اور پریشانیوں اور گناہوں کے بوجھ اتارنے آیا تھا بھلا اس کو کب گوارہ ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی والدہ کیلئے بوجھ بنے۔

آمد ہے یہ کس بادشہ عرش مکاں کی
آتے ہیں فلک سے جو حسینان ارم آج
بت خانہ میں وہ قہر کا کہرام پڑا ہے
مل مل کے گلے روتے ہیں کفار صنم آج

آخر وہ گھڑی آ پہنچی جس کا سارے جہاں کو انتظار تھا، سارے انبیاء جس کی بشارتیں دیتے آ رہے تھے جس کی خاطر یہ بزم جہاں سجائی گئی تھی، وہ وجہ تخلیق کائنات اللہ کا محبوب اور پیارا بارہ ربیع الاول ۲۳ اپریل ۵۷۱ء صحیح قول کے مطابق پیر کے دن صبح صادق کے وقت اس عالم کون و مکاں میں جلوہ گر ہو گیا۔ اس کے آتے ہی روئے زمین کے بت اوندھے گر گئے جو اشارہ تھا اس طرف کہ اب شرک اور بت پرستی کے خاتمہ اور عقیدۂ توحید کی بلندی کا وقت آ گیا ہے۔ دریائے سادہ کا پانی جو خشک ہو گیا تھا جاری ہو گیا جو اشارہ تھا اس طرف کہ علم و حکمت اور معرفت کی جو نہریں، سوکھ گئی ہیں ان کی روانی کا وقت آ گیا ہے ہزاروں سال سے جلنے والا آتشکدہ فارس بجھ گیا جو اشارہ تھا اس طرف کہ اب نفرت حقارت، عصبیت، تعصب، دشمنی الغرض ہر قسم کی لگی ہوئی آگیں بجھ جائیں گی اور ایران کسریٰ کے کنگرے گر گئے جو عظمت اسلام کے آگے سپر پاور کے شکست اور مغلوبیت کی طرف اشارہ تھا جو پورا ہو کر رہا۔

میلاد شریف

اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ولادت کرنا آپ کا میلاد شریف منانا، آپ کے میلاد پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا، قرآن وحدیث کو مطلوب ہے اور گناہوں کے کفارہ، بخشش و مغفرت، بلندی درجات، دینی و دنیوی خیر و برکت اور تقرب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باعث ہے۔ دین میں جو مستحب اور مندوب افعال ہیں ان میں یہ افضل ترین مندوب اور اعلیٰ ترین مستحب ہے جبکہ دیوبندی اور وہابی حضرات کے نزدیک یہ حرام و ناجائز، شرک و بدعت ہے۔ چنانچہ فتاوٰی رشیدیہ میں ہے:

مسئلہ: انعقاد مجلس میلاد بدون قیام بروایات صحیحہ درست یا نہیں۔ بینوا توجروا نیاز محمد امتیاز علی طالب علم مدرسہ قصبہ سہارنپور جواب طلب مع حوالہ کتب۔

الجواب: انعقاد مجلس میلاد بہر حال ناجائز ہے تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اگر پڑھو گے حوالہ کتب معلوم ہو جائیں گے نہ پڑھو گے تو تقلید سے عمل کرنا۔ فقط والسلام۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاوٰی رشیدیہ حصہ دوم ص: ۱۵۰)

دوسرا حوالہ ملاحظہ ہو:

ہیئت مروجہ کیساتھ مجلس میلاد کا انعقاد از روئے کتاب وسنت قطعاً حرام اور بدعت بلکہ داخل فی الشرک ہے کیونکہ اس کا ثبوت نہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے نہ کسی صحابی سے نہ کسی تابعی سے غرض قرون ثلاثہ میں اس کا وجود بالکل مفقود ہے۔ (فتاوٰی ستاریہ ج:۱ ص: ۶۴)

میلاد شریف منانے کے ثبوت میں ہمارے مسلک پر قرآن وحدیث سے دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

حکم خداوندی:

اول: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دے رہا ہے۔ "وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کہ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے "وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ" (البقرۃ: ۲۳۱) اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کا ذکر کیا کرو اور وہ جو تم پر کتاب وحکمت اتاری ہے تمہیں نصیحت دینے کو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

ان آیات میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ خدا کی ساری نعمتوں میں سب سے بڑی اور افضل واعلیٰ اور قیمتی نعمت حضور ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی ولادت کا ذکر ہے کیونکہ یہ وہ نعمت ہے جس کے صدقہ میں خدا نے ساری نعمتیں عطا فرمائیں۔ "لولاک لما خلقت الافلاک والارضین" اس پر شاہد ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا شعر ہے ۔

فاشهد ان الله راحم خلقه　　　　وانک مفتاح لکنز المواهب

(ترجمہ): میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ اپنی تمام مخلوق پر رحم فرمانے والا ہے اور حضور ﷺ نعمتوں اور بخششوں کے خزانہ کی کنجی ہیں۔ یعنی آپ کی ذات تمام خدا کی نعمتوں کا سر چشمہ ہے جس کو جو کچھ ملا ملتا ہے یا ملے گا سب آپ کے واسطے سے ملے گا۔

لہٰذا اصل نعمت تو آپ ہوئے اب "وان تعدوا نعمة الله لاتحصوها" کے مصداق خدا کی بے شمار نعمتوں کا ذکر نہیں کر سکتے لہٰذا اس اصل نعمت کے ذکر کا اس آیۃ میں حکم ہے تاکہ اس کے صدقہ اور ضمن میں ساری نعمتوں کا خود بخود ذکر اور شکر ادا ہو جائے اور ہر ایک نعمت کا ذکر نا ممکن ہے۔

معنوی طور کے علاوہ ظاہری لفظوں کے لحاظ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی ذکر کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کیونکہ بخاری شریف ج:۲ ص:۵۶۶، میں پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی "نعمة الله" ہیں۔اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام "نعمة الله" بھی ہے چنانچہ صاحب دلائل الخیرات نے اپنے ابیات میں آپ کو اسی لقب سے یوں پکارا ہے ۔

یارحمة اللّٰه انی خائف　　　یانعمة اللّٰه انی مفلس عانی

(یعنی اے اللہ کی رحمت میں بیشک ڈر رہا ہوں

اے اللہ کی نعمت میں بلاشبہ محتاج اور عاجز ہوں)

بہر حال میلاد شریف منانا دراصل ان آیات پر عمل کرنا ہے۔

ثانی: عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔"رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝" (مائدہ:۱۱۴) اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔جس دن آسمان سے خوان اترا اس دن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے امتیوں نے "عید" کا دن بنالیا اور خوب خوشیاں منائیں تو جس دن خود خدا کا محبوب اور ساری کائنات اور ساری نعمتوں کی اصل اس عالم میں جلوہ گر ہوئی اس دن کو مسلمان کیوں نہ عید بنائیں اور "عید میلاد النبی" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام سے خوشیاں منائیں۔ کیونکہ آپ کی آمد ہزاروں خوانوں اور کھانوں کی نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔

ثالث: ارشاد رب العزت ہے۔"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ

فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۝﴿۵۸﴾" (یونس: ۵۷-۵۸) اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور دلوں کی شفاء اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے۔ فرمادیجئے اور اسی کے فضل اور اس کی رحمت سے اسی پر چاہئے کہ وہ خوشی کریں۔ وہ بہتر ہے اس سے کہ وہ جمع کرتے ہیں۔

اس آیت میں نصیحت، شفاء، ہدایت اور رحمت پر خوش ہونے اور فرحت و مسرت کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے جبکہ یہ سب چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے صدقہ میں ملی ہیں تو اصل اور بڑی رحمت اور نعمت تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہوئی جبکہ دوسرے مقام پر صاف فرمایا گیا "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" لہٰذا اس عظیم رحمت کی آمد پر جس قدر بھی خوشیاں منائی جائیں کم ہیں اور وہ سب اظہار فرحت و مسرت قرآن پر اور حکم خداوندی پر عمل کے بموجب عبادت اور لائق ثواب ہوگا۔

سنت خداوندی: مذکورہ بالا آیت سے تو میلاد کے بارے میں خدا کے حکم کا پتا چلا جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر دیگر انبیاء کی ولادت اور ان کے بچپن کے واقعات (مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ گہوارہ کا) اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا بار بار اور متعدد انداز اور مختلف طریقوں سے ذکر فرما کر امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس ذکر ولادت کو سنت الٰہیہ بھی بنادیا۔ اب جو بھی نبی کا میلاد منائے گا وہ تخلقو باخلاق اللّٰہ کے بمصداق خدا کی صفت سے اپنے آپ کو متصف کر کے خدا کا خاص قرب حاصل کرتا چلا جائے گا۔ دیکھئے مندرجہ ذیل آیات میں کس طرح انبیاء کا بالخصوص امام الانبیاء کا میلاد پاک بیان کیا جارہا ہے۔

(۱): وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا، الخ" (مریم: ۱۶ تا ۳۶) ان آیات میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، مریم کا دردِ زہ، اس کی تکلیف میں "یالیتنی مت

قبل ھٰذا"، جیسے کلمات کی ادائیگی، ملائکہ کی طرف سے تسلی، پھران کی غذا کا ذکر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ان کا جھولہ میں قوم سے کلام کرنا غرض وہ سب کچھ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کے سلسلہ میں ہم بیان کرتے ہیں وہ پورا میلاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن پاک نے بیان فرمایا۔

(۲): لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" (التوبۃ:۱۲۸) بیشک تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لے آئے (ذکرولادت ہوا) جوتم ہی میں سے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نسب نامہ بیان ہوا) جن پر تمہارا تکلیف میں پڑجانا شاق ہے، تمہاری ہدایت پر بڑے حریص ہیں مسلمانوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات اور اوصاف کا ذکر آگیا) میلاد شریف میں یہی سب کچھ تو ہوتا ہے۔

سنت انبیاء: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کا ذکر یعنی میلاد پاک انبیاء کی سنت بھی ہے کیونکہ انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے آئے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک کہتا ہے:"وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ" (صف:٦) اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور اس رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ لہٰذا میلاد پاک منانا انبیاء کی بھی سنت ہے۔

سنت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم: خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا میلاد پاک بیان فرمایا: چنانچہ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب میں طعن کرتے

ہیں۔فقام النبی ﷺ علی المنبر فقال من انا؟پس نبی ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے اور آپ نے فرمایا بتاؤ میں کون ہوں؟سب نے عرض کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔اللہ نے مخلوق پیدا فرمائی تو ہمیں بہترین مخلوق میں سے کیا، پھر ان کے دو حصے کیے عرب اور عجم ہم کو ان میں سے بہترین یعنی عرب میں سے کیا پھر عرب کے چند قبیلے کیے اور ان میں سے بہترین قبیلہ قریش میں سے ہمیں کیا پھر قریش کے چند خاندان کیے ان میں سے سب سے بہترین خاندان یعنی بنو ہاشم میں سے ہمیں کیا۔(مشکوٰۃ ج:۲باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی /ترمذی شریف)اسی مشکوٰۃ شریف میں اور موطا امام احمد میں اور بھی احادیث آئی ہیں جن میں حضور ﷺ نے اپنی ولادت کے بہت سے واقعات کا ذکر فرمایا ہے پتہ یہ چلا کہ جو میلاد پاک مناتا ہے وہ سنت مصطفیٰ ﷺ پر عمل کر کے حضور ﷺ کی رضا حاصل کرتا ہے۔مذکورہ بالا حدیث سے تو کھڑے ہونا میلاد پاک میں سنت رسول ﷺ سے ثابت ہو گیا ہے۔

سنت صحابہ: میلاد پاک منانا سنت صحابہ بھی ہے چنانچہ حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کی کہ مجھے حضور ﷺ کی وہ نعت سنائے جو کہ توریت شریف میں ہے چنانچہ انہوں نے پڑھ کر سنائی۔اسی طرح حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی نعت پاک توریت میں یوں پاتے تھے ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہوں گے میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ کج خلق نہ سخت طبیعت ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اور ان کی ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوگی ان کا ملک شام میں ہوگا ان کی امت خدا کی بہت حمد کرے گی کہ رنج اور خوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول)اسی طرح حاکم اور طبرانی میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ

نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی مدح میں نظم کہوں آپ نے فرمایا کہو اللہ تمہارے منہ کو ہر آفت سے بچائے چنانچہ انہوں نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا اس طویل قصیدہ میں صرف آپ کی خلقت اور ولادت کا ذکر ہے اس کا ایک شعر یہ ہے ؂

وانت لماولدت اشرقت الارض
وضائت بنورک الافق

اور آپ جب پیدا ہوئے تو چمک گئی زمین اور روشن ہو گئے آپ کے نور سے اطراف عالم (حاکم وطبرانی)

سنت علماء وصوفیاء: حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہر سال ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو حضور سرور دوجہاں کی فاتحہ اور نیاز دلوایا کرتے تھے۔ یہ نیاز اتنی مقبول ہوئی کہ رفتہ رفتہ یہ نیاز اب خود غوث پاک کی نیاز بن گئی حالانکہ آپ کا وصال ایک روایت کے مطابق ۱۱ ربیع الثانی کو نہیں بلکہ ۱۷ ربیع الثانی کو ہوا تھا۔ تو دراصل گیارہویں شریف بھی حقیقت میں غوث پاک کی بارھویں شریف ہے۔ (امام یافعی قادری، قرۃ الناظر وخلاصۃ المفاخر ص:۱۱)

(۲): بعض حضرات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہتے ہیں کہ انہوں نے میلاد کو منع فرمایا ہے حالانکہ انہوں نے میلاد شریف کی اجازت دی ہے اور اس کو جائز فرمایا ہے۔ ہاں البتہ میلاد شریف میں جو غیر شرعی باتیں ہوتی ہیں آپ نے ان کی ممانعت فرمائی ہے۔ آپ واضح طور پر فرماتے ہیں:

"دیگر درباب مولودخانی اندراج یافتہ بوددرباب مولودخانی درنفس قرآن خواندن بصوت حسن درقصائد، نعت ومنقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف وتغییر حروف قرآن است مرالتزام رعایت مقام نغمہ وتردید صوت باں طریق الحان باتصفیق

مناسب آنکه در شعر نیز غیر مباح است اگر بر لہجے خوانند کہ تحریرے در کلمات قرآنی واقع نشود و در قصائد خواندن شرائط مذکورہ متحقق نگر در وآز اھم بغرض صحیح تجویز نمایند چہ مانع است" (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم مطبوعہ امرتسر مکتوب ۷ ۲ ص:۱۵۷)

آپ کے خط میں مولودخانی کے متعلق درج تھا (اس کا جواب یہ ہے) مجلس میلاد میں اچھی آواز کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کی جائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت شریف اور منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ ناجائز تو یہ ہے کہ قرآن عظیم کے حروف میں تغیر وتحریف کردی جائے اور قصیدے پڑھنے میں راگ اور موسیقی کے قواعد کی رعایت و پابندی کی جائے اور تالیاں بجائی جائیں اگر اس طرح پڑھیں کہ کلمات قرآن میں تبدیلی واقع نہ ہو اور قصیدے پڑھنے میں شرائط موسیقی کا لحاظ نہ ہو اور غرض صحیح کے تحت پڑھے جائیں تو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

(۳): علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یستحب لنا ایضا اظهار الشکر بمولده صلی اللہ علیہ وسلم بالاجتماع الاخوان والاطعام ونحو ذالک من وجوه القربات والمسرات"۔ یعنی مستحب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا شکر مجمع کر کے اور کھانا کھلا کر اور اس کے مثل دیگر اعمال قرب واظہار سرور وفرحت سے بجالائیں آگے فرماتے ہیں:

"ولعمری انمایکون جزاء ہ من المولیٰ الکریم ان یدخله بفضله جنات النعیم" (حسن المقصد فی عمل المولد، جلال الدین سیوطی، دار العلمیۃ بیروت ص ۶۵،۶۶)

(۴): شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اسلام ہمیشہ سے محفلیں منعقد کرتے چلے آئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کے زمانے میں خوشی کے ساتھ کھانے وغیرہ پکاتے ہیں خوب خیرات کرتے ہیں جس کی برکت سے اللہ کا فضل

ان پر ظاہر ہوتا ہے یہ امر محبوب ہے کہ محفل میلاد کا انعقاد سال بھر کے لئے موجب امن وعافیت ہوتا ہے اور ہر مقصود پانے کیلئے اکسیر ہے۔

(علامہ قسطلانی شارح بخاری، مواہب اللدنیہ / ما ثبت بالسنۃ محمد شیخ عبدالحق، ص: ۷۹)

(۵): شاہ ولی اللہ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ میں ہر سال مولود شریف میں کھانا پکا کر لوگوں کو کھلایا کرتا تھا ایک سال قحط سالی کی وجہ سے بھنے ہوئے چنوں کے علاوہ کچھ میسر نہ آیا میں نے وہی چنے تقسیم کر دیئے رات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہوئی تو دیکھتا ہوں کہ وہ ہی بھنے ہوئے چنے رکھے ہوئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت مسرور ہیں۔ (الدر الثمن، شاہ عبدالرحیم ص: ۸)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں محفل میلاد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں (فیصلہ ہفت مسئلہ، حاجی امداد اللہ، ص: ۱۱)

(۷): حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس مجلس میں جو خاص مولود اقدس میں بروز ولادت شریف مکہ معظمہ میں منعقد تھی حاضر تھا لوگ درود شریف پڑھتے تھے اور ان واقعات کا ذکر کرتے تھے جو قبل از ولادت شریف ظہور میں آئے تھے ناگاہ میں نے دیکھا کہ دفعۃً کچھ انوار بلند ہوئے نہیں کہتا کہ میں نے ان کو بدن کی آنکھ سے دیکھا یا روح کی نظر سے خدا کو معلوم ہے کہ کیا کیفیت تھی اس کی اور اس کے درمیان پھر میں نے ان انوار میں تامل کیا تو وہ انوار ان فرشتوں کی طرف سے پائے جو ایسی مجالس اور مشاہد پر موکل ہیں اور انوار ملائکہ انوار رحمت سے ملے ہوئے میں نے دیکھے۔ (فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ)

(۸): شیخ محمد عبدالحق محدث دهلوی فرماتے هیں :

اے اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے تیرے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں

میرے تمام اعمال فسادنیت کا شکار ہیں البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل محض تیری ہی عنایت سے اس قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقعہ پر کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی وانکساری محبت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا ہوں۔

اے اللہ وہ کونسا مقام ہے جہاں میلاد پاک سے بڑھ کر تیری طرف سے خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہو۔اس لئے اے ارحم الراحمین !مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جوکوئی درود وسلام پڑھے اور اس کے ذریعہ سے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوگی۔

(اخبار الاخیار۔شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی)

(۹): حتیٰ کے ابن تیمیہ بھی محفل میلاد کا قائل تھا۔وہ کہتا ہے: محفل میلاد کی تعظیم اور سالانہ محفل میلاد کا انعقاد بعض لوگ کرتے ہیں اور اچھے ارادے اور نیک نیت سے اس محفل کو منعقد کرنے والے کیلئے حسن قصد کی بدولت اس میں اجر عظیم ہوتا ہے۔نیز اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم ہے۔(حول الاختفال بالمولد النبی الشریف محمد بن علوی مالکی، مطبوعہ لاہور، ص ۲۱، ۲۲، بحوالہ اقتضاء الصراط المستقیم مصنفہ ابن تیمیہ)۔

فوائد میلاد: میلاد شریف منانے والے کو بے شمار دینی اور دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔چنانچہ امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن وعافیت رہتی ہے اور اس میں مرادیں پوری ہونے کی خوشخبری ہے اور جو شخص آپ کے ولادت کی خوشی منائے وہ آگ سے محفوظ ہے اگر اس میں ایک درہم خرچ کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کیلئے شافع ومشفع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہر درہم کے بدلہ اس کو دس درہم معاوضہ دے گا "**فبانشریٰ لکم انه محمد لقد خیر اکثیر افی الدنیاو فی الآخرة**" اے امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھے بشارت کہ

تو نے دنیاو آخرت میں خیر کثیر حاصل کر لیا۔

(میلاد رسول ﷺ ترجمہ مولد العروس ابن جوزی: ص:۴۹)

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جب ابولہب مر گیا تو اس کو اس کے گھر والوں نے برے حال میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری ابولہب نے کہا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوا ہاں مجھے اس کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے ثوبیہ لونڈی کو آزاد کیا تھا۔ اصل میں ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا جب اس کی لونڈی نے حضور ﷺ کی ولادت کی خوشخبری اس کو سنائی تو اس نے خوشی میں اپنی اس انگلی سے اس کو آزاد کر دیا تھا جس کی وجہ سے اسپر عذاب ہلکا ہو گیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "فاذا کان ابولهب الکافر الذی نزل القرآن بذمه جوزی فی النار بفرحة لیلة مولد النبی ﷺ به فماحال المسلم الموحدمن الله النبی ﷺ یسر بمولده ویبذل باتصل الله قدرته فی محبته ولعمری انمایکون جزاء ہ من المولی الکریم ان یدخله بفضله جناتِ النعیم۔

(حسن المقصد فی عمل المولد، جلال الدین سیوطی ص:۶۵، ۶۶)۔

اور یہی بات اور استدلال شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں مولود والوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو حضور ﷺ کے شب ولادت میں خوشیاں مناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا (جس کی برائی میں پوری سورۃ "تبت یدا" نازل ہوئی) جب حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو محبت اور خوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے۔

(مدارج النبوۃ، شیخ محمد عبدالحق، ج: دوم، حضور ﷺ کی رضاعت)

اعتراضات وجوابات: میلادرسول ﷺ پر کئے جانے والے اعتراضات اوران کے جوابات کامختصر جائزہ۔

اعتراض اول: یہ نہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ صحابہ کے زمانہ میں ہوا لہٰذا بدعت وحرام ہے۔

جواب: پچھلے اوراق میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ یہ سنت الٰہیہ ،سنت انبیاء، سنت مصطفٰی ﷺ ،سنت صحابہ،سنت اولیاء ہے اسے کوئی جاہل یابد بخت اندھا ہی بدعت، حرام کہہ سکتا ہے۔اوراگرتھوڑی دیر کے لئے مان لیاجائے کہ یہ بدعت ہےتو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ بدعتیں جائزاور مستحب بھی ہوتی ہیں جیسے قرآن کے حروف پر حرکات وسکنات،نصف ربع وغیرہ کےنشان،مساجد کی آرائش وتزئین،موجودہ ہیئت میں مدارس کا قیام اوران کانصاب وغیرہ یہ سب بدعتیں مستحب ہیں۔

اعتراض ثانی : اس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں جیسے عورتوں کا اختلاط، ڈاڑھی منڈوں کانعت پڑھناوغیرہ۔

جواب: اول تو ایسا ہوتا نہیں اوراگر بالفرض کہیں ایسا ہوتو یہ چیزیں حرام ہوں گی ان سے منع کیا جائے گا نہ کہ میلاد کوحرام کہہ دیا جائے گا۔مدرسہ میں بہت سارے ڈاڑھی منڈے پڑھتے ہیں اور بعض خرابیاں ہوتی ہیں کیا مدرسے بند کردیئے جائیں؟

اعتراض ثالث: رات کودیر تک جاگنے کی وجہ سے فجر کی نماز فوت ہوجاتی ہے۔

جواب: یہ وجہ تو مدارس کے جلسوں اوردیگر مذہبی اورسیاسی جلسوں میں بھی ہوتی ہے لہٰذاوہ بھی حرام ہوئے؟

آج کل توشادی کی تقریبیں رات ۲، ۲ بجے تک ختم ہوتی ہیں کیا نکاح بھی حرام ہوگیا؟اگر یہ حلال ہیں تو میلاد پاک بھی حلال ہے۔

اعتراض رابع: شامی ج:۲ کتاب الصوم بحث نذراموات میں علامہ شامی نے

اور تفسیرات احمدیہ میں اس کو حرام اور سب سے بدتر چیز لکھا گیا ہے۔اس کے حلال جاننے والے کو کافر کہا ہے۔

جواب: ان کتابوں میں میلاد کو نہیں بلکہ میلاد میں گانے بجانے کو حرام اور اس کو حلال اور کار ثواب جاننے والوں کو کافر کہا ہے۔

اس کی تصریح ان کتابوں میں موجود ہے۔ورنہ اگر مطلقا میلاد کفر ہوتو انکے مرشد حاجی امداد اللہ بھی کافر ہو گئے۔

اعتراض خامس: نعت خوانی ایک طرح کا گانا ہے حرام ہے لہٰذا میلاد بھی حرام ہے۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت خوانی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ سارا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت ہے۔انبیاء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت خوانی کی خود صحابہ نے کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنی اور دعائیں دیں جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اشعار پچھلے اوراق میں گزرے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے منبر بچھوایا اور خوش ہو کر "اللّٰھم ایدہ بروح القدس" کی دعا دی (مشکوٰۃ ج:۲ باب الشعر) قصیدہ بردہ کا واقعہ مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کہ وجہ سے اللہ نے ان کو شفاء عطاء فرمائی۔تمام اولیاء نے نعتیں لکھیں اور پڑھیں۔البتہ برے اشعار اور ان کے گانے بجانے کی فقہاء نے ممانعت کی ہے جبکہ فصاحت وبلاغت جیسے فائدہ کے باعث برے اشعار کی بھی اجازت دے دی گئی ہے جیسے حماسہ، متنبی وغیرہ تو نعتوں کیلئے کون منع کر سکتا ہے۔

اعتراض سادس: شیرینی صدقہ وخیرات ،کھانا کھلانا،روشنی چراغاں وغیرہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

جواب: یہ سب چیزیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ۔اول تو ان سب چیزوں میں اظہار فرحت وسرور ہے اور میلاد پر فرحت وسرور کے اظہار کا مستحسن ہونا گزشتہ

اوراق میں ثابت ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ قرآن میں واضح حکم ہے۔"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ" (مجادلہ:۱۲) اے ایمان والو جب تم رسول ﷺ سے کچھ آہستہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر اور ستھرا ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ایک دینار صدقہ کر کے حضور ﷺ سے دس مسئلے دریافت کرتے تھے۔اگرچہ اس آیت سے وجوب منسوخ ہے لیکن اباحت اور استحباب آج بھی باقی ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے سورہ بقرہ بارہ سال کی مدت میں اس کے رموز کیساتھ پڑھی جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھلایا (تفسیر فتح العزیز، شاہ عبدالعزیز، ص۸۶ بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان) اسی طرح صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو مٹھاس بہت مرغوب تھی۔ایک روایت میں ہے کہ جب آپ تشریف لاتے تو ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کو شہد پیش کیا کرتی تھیں لہٰذا امتیوں کا میلاد میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں شیرینی پر فاتحہ دلانا حدیث کے مطابق ہے۔ اس میں جتنا خرچ کیا جائے کم ہے اسراف نہیں۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "لا اسراف فی الخیر" بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

اعتراض سابع: جب نفل نماز کے لئے تداعی یعنی بلانا حرام ہے تو میلاد کے لئے اس سے بڑھ کر ہے (براہین قاطعہ)

جواب: دعوت ولیمہ، مجالس، امتحان، محفل نکاح وعقیقہ کے لئے اور دیگر جلسوں کے لئے جو بلایا جاتا ہے اشتہار وغیرہ چھپوائے جاتے ہیں کیا یہ سب حرام ہیں؟ اگر یہ کہو کہ

یہ فرائض اسلامی ہیں تو سن لو تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سب سے بڑا اسلامی فرض ہے۔

اعتراض ثامن: دن اور تاریخ کا مقرر کرنا شرک ہے لہٰذا میلاد بھی شرک ہوا۔

جواب: دن اور تاریخ مقرر کرنا شرک نہیں مسنون ہے۔حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے دن روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اسی دن میں پیدا ہوا اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔

(مشکوٰۃ کتاب الصوم، باب صوم التطوع، فصل اول)۔

اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوگئیں (۱) یادگار منانا سنت ہے۔(۲) دن مقرر کرنا سنت ہے (۴) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں بدنی یا مالی کسی قسم کی عبادت سنت ہے۔نزول قرآن کی وجہ سے اگر رمضان اور شب قدر افضل ہوگئی اور اس کو اعلیٰ مرتبہ مل گیا تو صاحب قرآن کی آمد کا دن اور تاریخ ان کی نسبت سے کیوں نہ افضل واعلیٰ ہوگی۔اگر تعین حرام ہو تو مدرسہ کے جلسہ کی تاریخ ،امتحان ،نکاح ،ولیمہ اسکول کی تعطیلات ،ماہ رمضان ،مدرسین کی تنخواہ ،کھانے سونے اور دفتر کے اوقات ،نماز پنجگانہ کے اوقات کا تعین سب حرام ہو جائے گا۔

قیام میلاد

اپنا میلاد بیان کرتے ہوئے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوگئے جیسا کہ پہلے حدیث گزری لہٰذا میلاد میں قیام سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے میلاد شریف میں دو جہاں کے محبوب اور رب کے دلارے کا ذکر محبوب ہوتا ہے جبکہ کسی پیار بھرے اور خوشی کے ذکر پر کھڑا ہو جانا سنت صحابہ ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک خوشخبری سنائی "فقمت الیه وقلت بابی انت وامی انت احق بھا" (مشکوٰۃ کتاب الایمان، فصل ثالث)۔تو میں کھڑا ہوگیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔

آنحضرت ﷺ بھی لائق تعظیم اور آپ کی نسبت سے آپ ﷺ کا ذکر پاک بھی لائق تعظیم جبکہ لائق تعظیم امور کی تعظیم کے لئے قیام سنت مصطفیٰ ﷺ اور سنت صحابہ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوئے تو حضور ﷺ ان کی طرف بغیر کسی چادر کے کھڑے ہوگئے پھر ان کو گلے سے لگالیا اور ان کا بوسہ لیا۔ "فقام اليه رسول الله ﷺ عريانا فاعتنقه وقبّله" (مشکوٰۃ، کتاب الادب باب المصافحۃ) اسی باب میں حضرت خاتون جنت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کیلئے بھی آنحضرت ﷺ کے اسی طرز عمل کا ذکر آتا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور ﷺ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے کہ آپ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے گھر میں داخل ہوگئے۔ "فاذاقام قمناقياما حتى نراه قد دخل بعض بيوت ازواجه" (مشکوٰۃ باب القیام) جب سعد بن معاذ مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو آپ نے انصار کو حکم دیا "قوموا الىٰ سيدكم" اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجاؤ۔ جمع کا صیغہ اور سیدکم کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ بیماری یا کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ سرداری کی وجہ سے قیام تعظیمی کا سب کو حکم دیا جا رہا ہے اسی لئے انصار کو حکم دیا کیونکہ قبیلہ کے وہ سردار تھے۔

اجماع امت: اس حدیث کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علماء نے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اجماع کیا ہے اور امام نووی فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی آمد پر کھڑا ہوجانا مستحب ہے اس بارے میں احادیث آئی ہیں ممانعت میں صراحۃً کوئی حدیث نہیں۔

اعتراض: حدیث شریف میں آتا ہے "وكانوا اذارأوالم يقوموا لمايعلمون من كراهية لذالك" (مشکوٰۃ باب القیام) صحابہ کرامؓ جب حضور ﷺ کو دیکھتے

تو کھڑے نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ناپسند ہے۔ اسی باب میں دوسری حدیث ہے "لاتقوموا کماتقوم الاعاجم" (ایضاً) عجمی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔ لہٰذا جب کسی کی آمد پر اس کی تعظیم ناجائز تو اسکے ذکر پر بدرجہ اولیٰ ناجائز۔

جواب : ان احادیث میں مطلقاً قیام کی ممانعت نہیں ورنہ وہ سابقہ احادیث جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم دینا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا قیام ثابت ہے اس کے خلاف ہونا لازم آجائے گا۔ لہٰذا دونوں حدیثیں صحیح ہیں مختلف احوال مختلف ازمنہ اور مختلف اشخاص کے لحاظ سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناپسندیدگی کا اظہار بطور تواضع وانکساری ہے دوسری حدیث کے جواب میں شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے۔ لہٰذا جو قیام کا خواہشمند ہو اس کے لئے قیام مکروہ ہے۔ ورنہ نہیں۔ اسی طرح امام نووی فرماتے ہیں کہ مطلقاً قیام منع نہیں، قیام وہ منع ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو۔

(حاشیہ مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب حکم الاسراء)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں لیکن خدا کی ساری مخلوق میں سب سے افضل، اعلیٰ، اور اشرف ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس افضلیت کو اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان فرمایا:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے　　باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری　　حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا　　خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ آپ کی افضلیت کو اپنے دلکش انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں:

دع ماادعته النصارٰی فی نبیهم
واحکم بماشئت مدحاً فیه واحتکم

(ترجمہ) جو دعویٰ نصاریٰ نے اپنے نبیوں کے بارے میں کیا اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف مت کر واس کے علاوہ آپ کی تعریف میں جس وصف کمال کو تیرا دل چاہے دعویٰ کر اور اسپر خوب مستحکم رہ۔

یعنی یہ وہ ذات اقدس ہے جس میں صرف الوہیت اور معبودیت کے علاوہ کائنات کے سارے حسن رعنائیاں اور کمالات موجود ہیں کوئی کمال یا حسن ایسا نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ نے نہ عطاء فرمایا ہو۔ بلکہ جس کو جو کمال ملا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے در دولت سے ملا ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام عالم کے وجود اور اس کے ہر کمال کی اصل ہیں۔ (اول ماخلق اللہ نوری اور لولاک لماخلقت الافلاک اس پر شاہد ہے) تو جو کمال اصل میں نہ ہو وہ فرع میں نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا فرع میں ایک کمال کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اصل میں بھی یہ کمال ہے کیونکہ فرع میں تو کمال اصل سے آیا ہے۔

یہاں کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ پھر تو فرع میں برائی کا ہونا بھی دلیل ہوگا اس بات کا کہ اصل میں بھی برائی ہے، یہ اعتراض اس لئے نہیں ہوسکتا کہ فرع میں برائی اصل سے تعلق منقطع کرنے کی وجہ سے آتی ہے جیسے پتے ہیں کہ ان میں تر و تازگی کی خوبی

جڑ کی تروتازگی کی وجہ سے آئے گی لیکن اس کے پتوں کا خشک ہونا جھڑنا جڑ کی وجہ سے نہیں بلکہ اصل سے تعلق منقطع کر لینے کی وجہ سے ہوا ہے۔لہٰذا ممکنات کے عیوب اصل یعنی ذات مصطفیٰ ﷺ کی طرف منسوب نہیں ہوں گے البتہ موجودات کا کمال کمال محمدی کی دلیل ہے۔

افضل الرسل

وہابیوں کا رسولوں کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ:

جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار سو ان معنوں میں ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے۔(تقویۃ الایمان ص:٦١، اسماعیل دہلوی) ان کے مذہب میں نبیوں کا یہ مقام ہے جبکہ اہل سنت والجماعت بلکہ تمام متقدمین ومتاخرین علماء کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء خدا کی ساری مخلوق سے افضل ہوتے ہیں اور سارے انبیاء ورسولوں سے افضل واعلیٰ ہمارے نبی حضور سرور دو جہاں ﷺ کی ذات گرامی ہے۔آپ کی افضلیت متعدد قرآن کی آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔چند ایک دلائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

دلیل اول: ارشاد ربانی ہے: "وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ" (آل عمران:٨١)

ترجمہ: اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ جو میں تمہیں دوں کتاب اور حکمت پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور بالضرور مدد کرنا اس کی فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اٹھالیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ سب

نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں اب تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ اسی لئے بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ نبی مطلق اور رسول حقیقی مستقل شریعت کے لانے والے تو صرف حضور ہی ہیں باقی تمام انبیاء تو آپ کے تابع ہیں۔ یعنی آپ نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ امام الانبیاء ہیں۔ تمام انبیاء نے معراج کی رات عملاً آپ کے پیچھے نماز پڑھ کر اس عہد کی توثیق کر دی۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ آخیر زمانہ میں حضور ﷺ کے امتی بن کر تشریف لائیں گے۔ دین اسلام کی تبلیغ کر کے اس عہد کی تعمیل کریں گے۔

دلیل دوم: ''تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ'' (بقرہ: ۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کوئی وہ ہیں جسے ''سب میں درجوں بلند کیا'' تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ آخری جملہ سے حضور ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے کیونکہ وہ صرف ایک آپ ہی کی ذات ہے جن کو تمام کمالات اور خوبیاں، درجے عطا فرما کر سب پر فضیلت دے دی گئی ہے جیسے تمام انبیاء کا امام بنا دیا گیا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ کا نام نامی بھی ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کیونکہ ایسی شان والا دوسرا کائنات میں کوئی اور نبی نہیں۔

خصائص و کمالات جن میں آپ تمام انبیاء پر فائق اور افضل ہیں اور آپ کا کوئی شریک نہیں وہ بے شمار ہیں۔ ان کا کوئی حد و حساب اور شمار نہیں، بھلا جن کمالات کیلئے قرآن یہ فرمائے کہ درجوں بلند کیا اور درجوں کا کوئی شمار ذکر نہیں فرمایا۔ تو اب کون ہے جو ان درجوں کو شمار کرے گا؟ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱): آپ کی نبوت ورسالت عامہ ہے جن وانس، چرندو پرند، وحوش وطیور، ملک فرشتے، حوریں الغرض ساری کائنات آپ کی امت میں ہے "لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا" اس پر شاہد ہے۔ (تفصیلی بیان آگے آئے گا)

(۲): فریضۂ نبوت آپ پر ختم ہوگیا۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔ "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" اس پر شاہد ہے۔

(۳): آپ کو بے حدوحساب آیات وبیّنات ومعجزات عطا کئے گئے حتی کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فرمادیا گیا۔ "قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴿۱۷۴﴾"۔

(۴): آپ کی امت کیلئے فرمایا گیا۔ "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" ظاہر ہے تابع کی فضیلت متبوع کی افضلیت سے ہوتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جس کے سبب سے اس کی امت سب امتوں سے افضل ٹھہری وہ نبی خود سارے نبیوں کا سرتاج ہوگا۔

(۵): معراج شریف کی رات قرب خاص اور دیگر آیات وبیّنات اور خصوصی معجزات اور عنایات سے آپ کو نوازا گیا اس سے قبل جو کسی کے حصہ میں آج تک نہیں آیا۔

(۶): قیامت کے دن لواء الحمد آپ کے ہاتھ میں ہوگا جس کی شان یہ ہوگی "آدم ومن دون تحت لوائی" کہ آدم اور جوان کے ماسوا ہیں وہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

(۷): شفاعت کبریٰ کا تاج آپ کے سر پر رکھا جائے گا۔ اور رب ذوالجلال فرمائے گا۔ "سل تعط واشفع تشفع" (تفصیل آگے آئے گی۔

(۸): "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" فرما کر آپ کو تمام اخلاق حسنہ اور اوصاف جمیلہ کا پیکر بنایا گیا آپ کے علاوہ جو کسی دوسری ذات میں اتنے اخلاق حسنہ کا اجتماع ناقابل تصور ہے۔

(۹): حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مبارک ہے "ان اللہ اعطیٰ موسیٰ الکلام واعطانی الرؤیۃ فضلنی بالمقام المحمود والحوض المودود"

(ابن عساکر، عن جابر)

بے شک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی عطا فرمایا اور مجھے اپنا جلوۂ ذات دکھلایا اور مجھے مقام محمود اور حوض کوثر کے ساتھ فضیلت بخشی جس پر روز قیامت سارے پیاسے میرے دست کرم سے شراب طہور پینے کے لئے جمع ہوں گے۔

(۱۰): آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ مجھے انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔(۱) مجھے جوامع الکلم عطاء فرمائے گئے ہیں یعنی ایسے کلمات جو عبارت کے لحاظ سے مختصر مگر معانی اور مطالب کے لحاظ سے جامع اور بحر ناپیدا کنار ہیں (۲) مخالفین پر میرا رعب بٹھا کر میری مدد فرمائی گئی۔(۳) مال غنیمت کو میرے لئے حلال کیا گیا جبکہ پچھلی امتوں میں آسمانی آگ آکر اس کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی۔ (۴) میرے لئے ساری زمین پر نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی اور اسے پاک او رقابل تیمم بنایا گیا (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اور مجھ پر سلسلۂ نبوت ورسالت ختم کر دیا گیا۔

(بقیہ): ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام اخلاق اور کمالات انبیاء کو اپنے اندر جمع فرمالیا تا کہ ہر نبی اپنا اپنا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست جود وعطاء سے اپنی اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق حاصل کر سکے اسی لئے امام بوصیری فرماتے ہیں:

وکل آمی اتی الرسل الکرام بہا　　فانما انصلت من نورہ بھم
وکلھم من رسول اللہ ملتمس　　غرفامن البحر اورشفامن الدیم

یعنی جتنے بھی آیات معجزات اور کمالات لیکر انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے وہ سب

نور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کو عطاء ہوئے اور انبیاء سے ہر ایک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بحر کرم میں سے ایک چلو اور آپ کے باران رحمت کے ایک چھینٹے کا خواستگار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام کو جو جو کمالات و معجزات عطا ہوئے وہ سب ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مزید آب و تاب کیساتھ جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام:۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا '' وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا''، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے فرمایا گیا '' وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ '' جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھا دیا اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت عظیم فضل و احسان ہے۔ یعنی جب آپ پر تمام انبیاء کرام سے زیادہ فضل و احسان ہے تو جو علم و معرفت جو اس فضل کا مقتضے ہے وہ بھی یقیناً سب سے زیادہ ہوگا۔ حضرت آدم کے لئے ''اَلْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' کا لفظ ارشاد فرمایا گیا جس کے معنی ہیں علامات اور دلائل، اس کے معنی یہ ہیں کہ کائنات جو کہ خالق پر دلیل اور علامت ہے اس کا علم عطا فرمایا گیا جبکہ محبوب کے علم کا جب ذکر فرمایا تو یوں فرمایا گیا '' مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ''، جس میں تمام مخلوقات اور ساری کائنات کے علم کے علاوہ خالق کا علم یعنی معرفت ذات و صفات خداوند تعالیٰ بھی آ گئی۔ اسی لئے علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لک ذات العلوم من عالم الغیب

وفیھا لادم الاسماء

یعنی اے حبیب علوم و معرفت کے وہ منبع حاصل ہے کہ آدم کو بھی اسی میں سے علم اسماء عطا ہوا ہے۔

(۲): حضرت آدم کو ''مسجود ملائک'' ہونے کا شرف عطا کیا گیا اس طرح

ان کی تعظیم وتکریم کرائی گئی لیکن محبوب کی عظمت وشان اس طرح آشکارا کی گئی کہ "اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۵۶)" گویا آدم کی تعظیم ایک محدود وقت اور صرف ملائکہ تک محدود رہی جبکہ محبوب کی توقیر وتکریم میں تمام ایمان والے، ملائکہ اور خود رب العالمین بھی شریک ہے۔ اور یہ تعظیم وتکریم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان والوں میں تمام حیوانات، نباتات، جمادات، افلاک، اور اجرام سماویہ بھی شامل ہیں اسی لئے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مامن شئ الاوقدیعلم انی رسول الله" کوئی بھی شئ ایسی نہیں جسے یہ یقین نہ ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اسی لئے پتھروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور درختوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا اور جانور آپ کے قدموں میں گر پڑے۔

حضرت نوح علیہ السلام: بلاخیز طوفان میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی صحیح وسالم تیرتی رہی جبکہ محبوب کو اس سے بھی بلند مقام عطاء فرمایا گیا امام رازی یہ روایت بیان فرماتے ہیں کہ عکرمہ بن ابوجہل فتح مکہ کے وقت شہر سے بھاگ گیا ایک جھیل کے کنارے بیٹھا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے آئے اور فرمایا اے عکرمہ! کب تک حق سے بھاگو گے اب تو مجھے رسول مان لو۔ اس نے کہا کہ اگر تم سچے رسول ہو تو جو چٹان ہے اس سے ایک بہت بڑا پتھر الگ ہو کر پانی میں تیرتا ہوا یہاں تمہارے پاس آئے اور تمہارے رسول ہونے کی شہادت دے تو میں اسلام لے آؤں گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چٹان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ایک پتھر وہاں سے الگ ہوا اور تیرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر "اشهد ان الا اله الا الله واشهدان محمد رسول الله" پڑھنے لگا۔ کشتیاں آج بھی دریاؤں اور سمندروں میں تیرتی ہیں لیکن یہ محبوب دوجہاں کا کمال ہے کہ ایک نگاہ نے پتھر کو اپنی جگہ سے علیحدہ ہونے اور

پانی پر چلنے اور سمت و جہت کا تعین کر کے آپ کا کلمہ پڑھوا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام آسمان سے باتیں کرتے شعلوں میں پھینکے گئے لیکن صحیح و سالم رہے۔ لیکن شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ ہے کہ سیدنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تنور پر روٹیاں لگا رہی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی ان کے ساتھ روٹیاں لگائیں لیکن جو روٹیاں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے لگائیں وہ پک گئیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لگائی ہوئی روٹیاں ویسی ہی رہی اور تنور کی آگ نہیں جلا سکی بلکہ ان کی رطوبت کو بھی خشک نہ کر سکی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: انہیں ید بیضا کا معجزہ عطا فرمایا گیا کہ ہاتھ گریباں میں ڈال کر ہاتھ نکالتے ہیں تو چمکنے لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو کتاب قرآن عطاء کیا گیا اس کے لئے فرمایا گیا "یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۝" اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سر سے لیکر پاؤں تک مجسم نور بنا کر بھیجا گیا "قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝" شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ لباس بشریت میں نہ ہوتے تو اس نور کو دیکھنے کی کسی کو تاب نہ ہوتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے زمین کو پھاڑ کر اس میں سے بارہ چشمے جاری کر دیئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی انگلی سے صرف اشارہ فرما کر چاند جیسے عظیم کرہ کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے۔ جس کی انگلی کے اشارہ میں یہ طاقت ہے تو خود پھر اس کی انگلی کی طاقت اس کے دست اقدس کی طاقت کا کیا مقام ہوگا۔ جسے اللہ اپنا ہاتھ فرمائے غزوۂ تبوک میں انگلیوں سے چشمے جاری فرما دیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے بہتے دریا کو روک دیا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی حضرت عمرؓ کے ایک رقعہ نے دریا کو جاری کر دیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بہتے دریا کی

موجوں میں سے سارے لشکر کولیکر گزر گئے کسی کا ایک پیالہ تک ضائع نہ ہوا۔

حضرت داؤد علیہ السلام: حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ملکر پہاڑ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ یہاں ابوجہل کی مٹھی میں کنکریوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کلمہ پڑھوایا۔ ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے پتھروں کو نرم کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام: آپ کا تخت اڑتا تھا اور "غدوھا شھر ورواحھا شھر" اس کی صبح کی سیر ایک مہینہ کا راستہ تھی اور شام کی سیر بھی ایک مہینہ کا راستہ تھی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو براق عطا فرمایا گیا اس کی نظر جہاں پڑتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا تھا تخت کی سیر صرف زمین پر تھی جبکہ براق کی سیر آسمانوں پر تھی۔ اور آپ کی سیر تو زمین وزماں اور مکاں ولا مکاں کے حدود سے بھی ماوراء تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت، صرف دنیا پر تھی جبکہ محبوب دو جہاں کی بادشاہت تمام زمینوں اور آسمانوں پر تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحائی کی طاقت عطا فرمائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اس سے بھی بلند ہے جنگ خیبر سے واپسی پر یہودی عورت کی دعوت میں آپ کو بکری کی ٹانگ نے بتا دیا کہ میرے اندر زہر ملا ہوا ہے۔ صرف ایک جسم کے حصہ میں زندگی اور طاقت گویائی عطاء فرمانا یہ عظیم معجزہ ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ جب حکم فرماتے تب مردہ زندہ ہوتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لیکر اور آپ کے نام کا وسیلہ پیش کر کے مردے زندہ کر دیئے گئے۔ مدینہ طیبہ میں ایک مہاجرہ بڑھیا عورت کو جب اسکے جواں بیٹے کی موت کی خبر دی گئی تو اس نے اللہ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف ہجرت کرنے اور ایمان لانے کا وسیلہ پیش کر کے اپنے بیٹے کی حیات کا سوال کیا تو اللہ نے اس کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے مرغ کی ہڈیوں پر فرمایا "قم باسم

اللہ وبرکۃ محمد ﷺ" تو وہ مرغ زندہ ہوگیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیماروں پر ہاتھ پھیرا تو شفاء مل گئی۔ لیکن یہاں نبی کے نام کے وسیلہ سے صحابی نے دعا کی تو ان کو آنکھ کی بینائی مل گئی۔ برص والوں کو شفا دیتے تھے۔ یہاں مدینہ طیبہ کی خاک میں یہ اثر ہے کہ مرض جذام سے اس میں شفاء ہے بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ غبار مدینہ میں ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔ لوگ جو گھروں سے کھا کر آتے اور گھروں میں رکھ کر آتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں بتا دیا کرتے تھے۔ اور محبوب کی شان یہ ہے کہ "انی انظر الی الدنیا وما ھو کائن فیھا الیٰ یوم القیامۃ کانما انظر الیٰ کفی ھٰذا" (طبرانی) میں دنیا اور اس میں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اسے اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وادب وغیرت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور آپ کا ادب بجالانا یہ ہمارے دین کی اہم بنیاد ہے۔ دین اسلام کی ساری مکمل عمارت اسی بنیاد پر قائم ہے۔ اگر یہ بنیاد درست ہے تو عمارت بھی درست ہے ورنہ سب کچھ بیکار ضائع ہے۔

(۱): اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا" (فتح: ۹،۸) اے نبی بیشک ہم نے آپ کو بھیجا گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔

اس آیت میں دین اسلام کے بھیجنے اور قرآن کے اتارنے کا مقصود ہی تین باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ (۱) تاکہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں (۲): رسول اللہ کی تعظیم کریں۔ (۳): اللہ کی عبادت کریں۔ ان تینوں باتوں کی ترتیب پر غور کرو سب سے پہلے ایمان آخیر میں عبادت الٰہی اور بیچ میں تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بتانا

یہ مقصود ہے کہ تعظیم مصطفیٰ ﷺ ایمان کے بغیر کوئی فائدہ مند نہیں جیسے بہت سے کافروں اور غیر مسلموں نے حضور ﷺ کی شان میں قصیدے لکھے یہ ظاہری تعظیم ہے دل سے نہیں ورنہ آپ ﷺ پر ضرور ایمان لے آتے۔

پھر عبادت الٰہی کا ذکر بعد میں اس سے قبل تعظیم مصطفیٰ ﷺ کا ذکر کر کے بتا دیا کہ سچی تعظیم کے بغیر ساری زندگی کی عبادتیں بیکار ہیں اسی لئے فرمایا گیا "عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿۴﴾" عمل کریں مشقتیں بھریں لیکن اس کے بدلہ بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ ایمان نجات اور قبولیت ایمان کا دارومدار تعظیم مصطفیٰ ﷺ پر ہے۔

دوم: حضور ﷺ کے کلام یا خطاب کے دوران جب صحابہ کو کوئی بات دوبارہ پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو وہ حضور ﷺ کو ادب کے ساتھ "رَاعِنَا" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے جس کے معنی ہیں ہماری رعایت فرمایئے لیکن یہودی یہی لفظ استعمال کرتے تھے تو اس کے کچھ اور معنی مراد لیتے تھے (جو ان کی عبرانی زبان میں نہایت بے ہودہ معنی تھے) تو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کا استعمال ہی ممنوع فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾" (بقرہ: ۱۰۴) اے ایمان والو مت کہا کرو رَاعِنَا بلکہ کہو انْظُرْنَا (اور ان کی بات پہلے ہی) اور غور سے سنا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ سرور دو جہاں ﷺ کی شان میں توہین آمیز الفاظ کا استعمال تو دور کی بات ہے دل کا توہین آمیز ارادہ بھی گوارا نہیں کیونکہ راعنا اگرچہ اس کے معنی عربی میں درست ہیں لیکن چونکہ دشمن مصطفیٰ ﷺ اس کے ذریعہ توہین کرتے ہیں اس لئے استعمال ہی ترک کرنے کا حکم دے دیا گیا تاکہ کسی کو آئندہ معنوی معنی بھی استعمال کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں

ایسے الفاظ استعمال بھی ممنوع ہیں جس میں بے ادبی یا تنقیص کا کوئی دور تک کا احتمال بھی ہو۔

پھر ''وَاسْمَعُوْا'' کہہ کر یہ تنبیہ فرمادی کہ محبوب کی بارگاہ میں ہمہ تن وگوش ہو کر سنا کروتا کہ انظرنا کہنے کی بھی نوبت نہ آنے پائے ۔اور آخیر میں گستاخان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دردناک انجام کی خبر بھی دے دی گئی کہ یہ عذاب الیم سے دوچار ہوں گے۔

سوم: صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے کسی مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے کہ دوران گفتگو کچھ آواز بلند ہوگئی۔فوراً آیت کریمہ نازل ہوئی۔''یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ (الحجرات ۲) اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہ ہونے دو اور ان سے اس طرح چلا کر گفتگو نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے گستاخی یا توہین کا ارادہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا لیکن ادب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف اتنی سی بات بھی خالق کائنات کو گوارا نہ ہوئی اور اتنی سخت سزا سنادی گئی کہ ساری نیکیاں برباد چلی جائیں گی اور اس پر مزید سزا یہ کہ تمہیں خبر تک نہ ہوگی کہ تم اس کی تلافی بھی نہ کرسکو اور جہنم واصل ہو جاؤ۔دنیا کا کوئی بھی بڑے سے بڑا گناہ کرنے سے ایک گناہ میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن پچھلی عبادتیں اور نیکیاں برباد نہیں ہوتیں لیکن یہاں ذراسی آواز کا اونچا ہو جانا وہ عظیم گناہ ہے جو تمہارے نامہ اعمال سیاہ کردے گا۔

گستاخانہ عبارات: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ادب اور تعظیم کے متعلق قرآن کے

احکامات کوسامنے رکھ کر دیو بندی حضرات کی ان گستاخانہ عبارات کوسامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ مسلمان نہیں بلکہ مسلمانوں کے بھیس میں کافر اور منافق ہیں ورنہ کوئی مسلمان ایسی گستاخی کا کبھی مرتکب نہیں ہوسکتا۔

(۱): از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است شیخ وامثال آں را معظمین گو جناب رسالت مآب باشد بچندیں مرتبہ از استغراق در صورت گاؤ خر درست۔

(صراط مستقیم، مطبوعہ مجتبائی، ص:۶۸)

(۲): اور یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق میں بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان ص:۸)

(۳): اللہ جیسے زبردست کے ہوتے ہوئے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان پہنچا سکتے ہیں محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کرنا۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۵، ۱۶)۔

جس عظیم ذات کے لئے راعنا کا لفظ کہنے کی بھی ممانعت ہو اور اس ادنیٰ سی گستاخی پر بھی "وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۱۰۴﴾" کی وعید ہو اس ذات کے لئے اتنے بے ہودہ الفاظ کے استعمال اور اتنی زبردست گستاخی پر کیوں کفر لازم آئے گا اور کیوں نہ یہ عذاب الیم کے مستحق ٹھہریں گے ایسے گستاخوں کے لئے تو دنیا کی بڑی سے بڑی سزا بھی کم ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معمولی سی گستاخی پر منافق کو قتل کی سزا دی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ: ایک یہودی اور ایک مسلمان کے درمیان کھیت کے پانی کے بارے میں نزاع تھا، یہودی کا کھیت پہلے پڑتا تھا لہٰذا اس کا کہنا تھا کہ پہلے میں پانی لوں گا مسلمان کہتا تھا کہ پہلے میں لوں گا، دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصاف فرماتے ہوئے عدل کے

تقاضوں کے مطابق یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔منافق نے کہا کہ میں فیصلہ نہیں مانتا چلو عمر کے پاس چلتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو یہودی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے پہلے میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں لیکن یہ مسلمان نہیں مانتا اور آپ کے پاس آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں فرط جلال سے چہرہ تمتما اٹھا۔ پوچھا کیا یہودی کی بات صحیح ہے مسلمان نے کہا ہاں۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور تلوار نیام سے باہر نکال کر لائے اور اس مسلمان کا سر قلم کر دیا۔ مدینہ میں شور برپا ہو گیا کہ عمر نے مسلمان کو قتل کر دیا، دشمنوں کا پروپیگنڈا عروج پر تھا۔ فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عدالت میں آیا اور اسی وقت جبرئیل یہ آیت کریمہ لے کر آئے اور اس مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا کہ: ”فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ “قسم ہے آپ کے پروردگار کی کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں وہ آپ کو اپنا حکم نہ مان لیں اور پھر جب آپ جن کا فیصلہ فرما دیں تو وہ اپنے دلوں میں کسی طرح کی خلش نہ محسوس کریں اور آپ کا فیصلہ کھلے دل سے تسلیم کر لیں۔

معلوم ہوا کہ اسلام کی ظاہری نمائش کا کوئی فائدہ نہیں اگر گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے تو وہ واجب القتل ہے اسی طرح یہ بھی بات ثابت ہوگئی کہ کافر کو تو زندہ چھوڑا جا سکتا ہے لیکن مرتد اور گستاخ رسول کو ایک لمحے کے لئے بھی زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ تیسری بات یہ بھی ثابت ہوگئی کہ کفر و ارتداد صرف توحید و رسالت کے انکار پر ہی موقوف نہیں بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلام کو مانتے ہوئے صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ادنیٰ سی گستاخی پر ہی ارتداد ثابت ہو جاتا ہے اور اس کی سزا صرف قتل ہے۔

اسی لئے درمختار میں ہے ” ایسا شخص قتل کیا جائے گا اور ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہو گیا اور اسی طرح کافر کر دیتا ہے

مذاق کرنا یا ہلکا جاننا رسول اللہ کی شان کو" امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو کو محبوب رکھتے تھے دوسرا کہے کہ مجھے پسند نہیں یہ بھی کفر ہے۔ امام مالکؒ کے زمانہ میں ایک امیر نے کہا کہ مدینہ کی مٹی ناقص ہے آپ نے اس کو تیس درے لگائے اور فرمایا کہ یہ شخص اس بات سے گردن مارنے کے لائق ہو گیا۔

شبہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو فقہاء کا قول ہے کہ فتویٰ کفر پر نہیں دینا چاہئے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول اس تقدیر پر ہے کہ کسی مسلمان کے کلام میں ننانوے وجوہِ کفر کا صرف احتمال ہو کفر صریح نہ ہو لیکن جو کلام توہین میں صریح کفر ہو اس میں کسی وجہ کو ملحوظ رکھ کر تاویل کرنا جائز نہیں خود انور کشمیری لکھتے ہیں "لفظ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا" (انکارالملحدین ص:۷۲) بلکہ انور شاہ آگے لکھتے ہیں کہ "التاویل الفاسد کالکفر" کہ تاویل فاسد کفر کی طرح ہے۔

شبہ: بعض کہتے ہیں کہ "انماالاعمال بالنیات" اعمال کا دارومدار نیت پر ہے لہٰذا اگر علمائے دیوبند کے اقوال میں توہین ہے لیکن نیت ان کی یہ نہیں تھی۔اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی عمل کا ثواب نیت ثواب کے بغیر نہیں ملتا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر عمل میں نیت کا اعتبار ہو گا ورنہ کفر کوئی توہین اور بے ادبی بے ادبی نہیں رہے گی۔اس میں کوئی نہ کوئی حسن نیت نکل آئے گا۔جس طرح لفظ صریح میں تاویل کی گنجائش نہیں اسی طرح نیت کا بہانہ بھی نہیں چلے گا۔چنانچہ انور شاہ کشمیری لکھتا ہے۔"الدارفی الحکم بالکفر علی الظواھر ولانظر للمقصود والنیات ولانظر لقرائن حالہ" راعنا کی آیت اس پر شاہد عادل ہے۔

گستاخانہ فرقہ: وہابی، نجدی، اور دیوبندی یہ وہ گستاخ فرقہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء و اولیاء کی شان میں بے پناہ گستاخیاں کیں، کتاب

التوحید سے لیکر تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، حفظ الایمان، صراط مستقیم، اور فتاوٰی رشیدیہ جیسی کتابیں لکھی گئیں جو اللہ کے محبوبوں کی توہینوں بے ادبیوں، اور گستاخیوں سے بھری پڑی ہیں علمائے اہل سنت نے ان کے مصنفین سے کہا کہ یہ عبارتیں نکال دو لیکن وہ نہ مانے اس کی تاویلیں کرنے لگے اور آج تک ان کے پیروکاران کتابوں کو اور ان کی ان گستاخانہ عبارات کو مان کر اپنا ایمان خراب کر رہے ہیں اور مسلمانوں میں انتشار اور تفرقہ پیدا کر رہے ہیں اس دیوبندی اور وہابی گستاخ فرقہ کی پیشن گوئی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو سال قبل فرما دی تھی۔

حدیث اول: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ الٰہی ہمارے شام اور یمن میں برکت عطا فرما۔ صحابہ نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں بھی یعنی نجد کو بھی دعا میں شریک فرمالیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ پھر وہی دعا فرمائی کہ الٰہی ہمارے شام اور یمن میں برکت عطا فرما پھر صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارے نجد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا۔ (بخاری)

حدیث دوم: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کئی لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے، پڑھیں گے وہ قرآن مگر وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اتریگا۔ جب ایک سینگھ کاٹا جائیگا تو دوسرا نکلے گا (یعنی ایک فرقہ ختم ہونے کے بعد (خارجیوں) دوسرا فرقہ وہابیوں کا نکلے گا) یہاں تک کہ وہ آخر میں دجال کے ساتھ رہیں گے۔ (امام احمد، طبرانی، حاکم وغیرہ) ان دونوں حدیثوں میں صاف وہابی فرقہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس مذہب کا بانی عبدالوہاب نجدی اور اس کے پیروکار نجد ہی کے رہنے والے تھے اور نجد مدینہ طیبہ کے مشرق میں واقع ہے اور مدینہ کے عام لوگ نجد ہی کو مشرق اور وہاں کے رہنے والوں کو مشرقی کہا کرتے تھے۔ اور چونکہ ہندوستان بھی مدینہ کے مشرق میں

ہے لہٰذا اس علاقہ میں یہ فتنہ دیوبندیت کے نام سے مدرسہ دیوبند سے اٹھا۔ اس لحاظ سے بھی آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

حدیث سوم: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نکلیں گے آخیر زمانہ میں بے وقوف لوگ جو نہایت اچھے لوگوں کی سی بات کریں گے اور قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا جو شخص اس سے ملے چاہئے ان کو قتل کر دے کیونکہ قتل میں ثواب ہے (کنز العمال)۔

یہ دیوبندی اور تبلیغی بظاہر کیسی اچھی باتیں کر کے لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ یہ نشانی بھی ان میں موجود ہے۔

حدیث چھارم: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ''نکلے گی ایک قوم میری امت سے کہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نہ اترے گا قتل کریں گے وہ اہل اسلام کو خوشخبری ہے اس کو جو انہیں قتل کرے اور جس کو انہوں نے شہید کیا، جب کوئی شاخ ان کی نکلے گی حق تعالیٰ اس کو قطع کر دے گا۔ (کنز العمال۔ امام احمد)

یہ نشانی بھی ان میں کامل طور پر موجود ہے کیونکہ عبدالوہاب نجدی نے ابوسعود کے ذریعہ مسلمان وہ بھی عاشقان مصطفیٰ ﷺ کا بے دریغ قتل کروایا۔ چنانچہ علامہ آفندی فرماتے ہیں ''محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اپنے ماننے والوں میں یہ بات بٹھادی تھی کہ آسمان کے نیچے جس قدر لوگ ہیں سب مشرک ہیں۔ اور جو مشرک کو قتل کرے گا اس کے لئے جنت لازم ہے (الفجر الصادق، ص: ۳۰) خود اس کے بھائی نے ان کے رد میں صدر عن الالٰہیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اپنے عقائد کے خلاف مسلمانوں کو جو نماز، روزہ کے پابند تھے قتل کرایا، مشرک جانا۔ (الصدر عن الالٰہیہ، سلیمان نجدی عبدالوھاب نجدی کے بھائی استنبول ص: ۵، ردالمختار، شامی، ابن

عابدین ص ۳۹)۔

دوددسنیہ میں علامہ ذینی بن دہلان مکی نے عبدالوہاب نجدی کا حال تفصیل سے لکھا ہے کہ ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا۔ ۱۱۵۰ھ میں جب اس کی شہرت ہوگئی تو اس نے بیعت لے کر مسلمانوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا اور ہزاروں مسلمانوں کو شہید اور جلاوطن کر دیا حرمین شریفین پر قبضہ کر لیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے والے اور بزرگوں سے مدد لینے والوں کو کافر جان کر قتل کرا دیا تھا۔

وہ ہر جمعہ کو اپنے خطاب میں کہتا تھا کہ "من توسل بالنبی فقد کفر" جس نے نبی کا وسیلہ پیش کیا وہ کافر ہو گیا۔ زیارت قبور کو حرام قرار دیتا تھا۔ چنانچہ ایک قافلہ احساء سے مدینہ طیبہ زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لئے آرہا تھا کہ اس نے واپسی میں ورعیہ کے مقام پر ان کو پکڑ کر اس زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کو یہ سزا دی کہ ان کی ڈاڑھیاں منڈوا کر ان کو گدھوں پر سوار کر کے دم کی طرف منہ کر کے احسا تک ان کو اسی حال میں پہنچایا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری کی یہ سزا ہے۔ ہزاروں دلائل الخیرات جلا دیں۔ ایک نابینا بزرگ آذان کے بعد منارہ پر بلند آواز سے درود شریف پڑھتا تھا ابن عبدالوہاب نے اس کو منع کیا جب وہ نہ مانا تو اس کو قتل کرا دیا۔ اور کہا کہ کسی عورت کے گھر سے رباب کی آواز کا سننا اتنا گناہ نہیں جتنا منارہ سے درود شریف کی آواز کا سننا گناہ ہے۔

میلاد شریف پڑھنے سے بھی منع کرتا تھا۔ صرف ونحوفقہ وغیرہ کے پڑھنے سے منع کرتا تھا۔ چاروں مذہبوں کا مخالف تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ "سیدنا" لگانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ کہتا تھا کہ اگر کبھی مجھے قدرت ہوئی تو اس سبز گنبد کو ڈھاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے رسول کا معنی "طارش" کرتا تھا یعنی "ہرکارہ" "قاصد" "اہلکار" "چپڑاسی" وغیرہ۔

ہندوستان میں مولوی اسماعیل دہلوی نے عبدالوہاب نجدی کے عقائد و نظریات کو متعارف کرایا اور تقویۃ الایمان لکھ کر وہابیت کو پھیلایا اور عبدالوہاب نجدی کا اتباع کرتے ہوئے انبیاء و اولیاء کی توہین کیں۔ عبدالوہاب کی طرح ان عقائد کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو کافر و مشرک کہا اور ان کا خون حلال جانا بلکہ ان کا خون بہا دیا ان کے اموال لوٹے اور ان کے گھروں کو تاراج کیا اور عبدالوہاب کی طرح ہندوستان میں بھی سعودی حکومت کی طرح ایسی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جہاں صرف ان کے عقائد و نظریات پر عمل ہو۔

عبدالوہاب نجدی کی طرح اپنے عقائد کے عملی نفاذ کے لئے حکومت اور اقتدار حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لئے سب سے پہلے اسماعیل دہلوی نے اپنے مرشد سید احمد بریلوی کے ہمراہ جب افغانستان میں داخل ہوئے تو یہاں انہوں نے اپنے مرشد کو امام برحق اور امیر المومنین بنانے کا اعلان اس طرح کیا۔

"جو شخص آنجناب کی امامت ابتداء ہی سے قبول نہ کرے یا قبول کے بعد اس سے انکار کرے وہ ایسا باغی ہے کہ اس کا خون بہانا حلال ہے اور اس کا قتل کرنا کافروں کے قتل کی طرح عین جہاد ہے۔ اس معاملہ میں عاجز کا مسلک یہی ہے لہٰذا اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات کا جواب تلوار کی مار ہے نہ تحریر و تقریر۔ (ابوالحسن فاروقی، مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان ص: ۸۸ بحوالہ مکتوب سید احمد شہید)۔

۱۸۳۰ء میں مولوی سید احمد دہلوی نے حملہ کر کے پشاور اور کوہاٹ پر قبضہ کرلیا اور اس مہم میں دو ہزار مسلمان شہید اور ایک ہزار زخمی ہوئے۔ لیکن پھر وہاں کے مسلمان حکمرانوں پائندہ خان اور سلطان محمد خان نے دوبارہ حملہ کیا اور بالاکوٹ پر قبضہ کر کے وہاں چھپے ہوئے اسماعیل دہلوی کو اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر ڈالا۔

اسماعیل دہلوی کے ہم مشن اور تحریک کے ایک ساتھی محبوب علی لکھتے ہیں:

جناب سید صاحب کے لوگوں نے مقتولوں کے اموال میں مال غنیمت کی طرح تصرف کیا یہ کیفیت دیکھ کر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ سید صاحب خلافت کے لائق نہیں لہٰذا سب نے بیعت توڑ ڈالی اور کہا کہ ہم تمہاری اتباع کسی امر میں نہیں کریں گے (محبوب علی۔ تاریخ الائمۃ قلمی، انڈین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز دہلی تعلق آباد، ص:۱۹۸) اس کے علاوہ سید احمد کے رفقاء نے جبرا افغان عورتوں سے نکاح کرنے شروع کر دیئے جب خویشگی خان کی ایک لڑکی سے جبری نکاح کیا گیا تو لوگ برہم ہو گئے اور ان کے خلاف ہو کر ان سے مقابلہ کیا اور سید احمد کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ (زید ابوالحسن قادری، مولوی اسماعیل دہلوی / تقویۃ الایمان بحوالہ ضرب ولی اللہ کی تاریخ کا مقدمہ از مولانا عبید اللہ سندھی ص:۱۷۰)۔ پھر کتابوں سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ان کی اس تحریک کی انگریزوں نے مدد کی اور اپنی جنگ میں انہوں نے کافروں کو اہم مناصب پر فائز کیا۔ ادھر مسلم افغان حکمرانوں نے ان کے خلاف سکھوں سے مدد طلب کی۔ ان سب دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ جنگ نہ انگریز کے خلاف تھی نہ ہندوؤں کے خلاف تھی نہ سکھوں کے خلاف تھی، نہ شرعی حکومت قائم کرنا مقصود تھی بلکہ اپنے عقائد مسلط کرنے کے لئے، اپنی خلافت ثابت کر کے اپنی حکومت بنانی مقصود تھی جو خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

حدیث پنجم: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ میری امت سے جن کی خالص پہچان سر منڈے ہوں گے وہ قرآن مجید پڑھیں گے (لیکن حرف صرف زبان پر رہے گا) قرآن کا اثر حلق سے نیچے نہیں اترے گا دین سے وہ نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پھر دین کی طرف وہ نہیں لوٹیں گے وہ لوگ تمام مخلوق سے زیادہ شرارتی ہوں گے اور فطرۃ شرارتی ہوں گے۔

حضرت عبدالرحمٰن رھول فرماتے ہیں کہ عبدالوہاب نجدی (دیوبندی کے

لئے بھی) کے رد پر کسی کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں صرف یہ نشانی کافی ہے جس کی خبر حضور ﷺ نے دی ہے کہ وہ سر منڈوائے گا کیونکہ اس شخص نے نہ صرف خود سر منڈوایا بلکہ اس کا اتنا اہتمام کیا کہ جو شخص اس کی ملت میں داخل ہوتا تھا اس کے لئے سر منڈوانا لازمی قرار دیتا تھا۔ حتی کہ عورتوں کو بھی سر منڈوانے کا اس نے حکم دے رکھا تھا۔ ایک دن ایک عورت گرفتار ہو کر اس کے پاس لائی گئی سر منڈوانے کے لئے جب اس سے کہا تو اس عورت نے کہا کہ عورتوں کے سر کے بال اور مردوں کی ڈاڑھیاں برابر ہیں لہٰذا اگر مردوں کی ڈاڑھیوں کو منڈوانے کا حکم دو گے تو عورتوں کے بالوں کو مونڈنے کا تمہارا حکم درست ہوگا۔ یہ سن کر وہ مبہوت ہو گیا۔ اور اس کو کوئی جواب نہ دے اس کا اسی طرح شرارتی، فتین، فسادی ہونا یہ بھی واضح علامت اور نشانی ہے جہاں بھی کوئی فتنہ فساد ہوتا ہے اس کی جڑ یہی ہوتے ہیں۔

حدیث ششم: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے حضرت کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کے قبیلہ کا ایک شخص آیا جس کا نام ذوالخویصرہ تھا اور کہا یا رسول اللہ! عدل کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا خرابی ہو تیری اگر میں عدل نہ کروں گا تو پھر کون کرے گا؟ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو اس کی گردن ماردوں فرمایا جانے دو "فان له اصحاباً" کہ اس کے اصحاب ایسے ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں اور روزوں کو ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے وہ قرآن پڑھیں گے مگر حلق سے آگے نہیں بڑھے گا، اسلام سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکلتا ہے (مسلم شریف) اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ گستاخ رسول ﷺ ذوالخویصرہ، قبیلہ بنی تمیم کا تھا جبکہ عبدالوہاب نجدی بھی اسی قبیلہ بنی تمیم سے تعلق رکھتا تھا، اس کا بھی یہی خاندان تھا لہٰذا 'فان اصحابه" کہہ کر آپ ﷺ نے عبدالوہاب کا قبیلہ تک بتا دیا۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ولید بن مغیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مجنوں کہا اللہ نے قرآن میں اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا "فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ "(القلم:۱۶۔۸) قرآن نے اس کے دس عیب بیان فرمادیئے کہ (۱): وہ قسمیں کھانے والا (۲) رذیل (۳): عیب جو (۴): چغلخور (۵): خیر کے منع کرنے والا (۶): حد سے تجاوز کرنے والا (۷): گناہوں کا دلدادہ۔ (۸): بدخلق (۹): اور حرام زادہ ہے ناک ہاتھی کی سونڈ جیسی ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مغیرہ نے اپنی والدہ سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے میرے دس عیب بیان کئے ہیں جس میں سے نو تو درست ہیں مجھ میں ہیں میں جانتا ہوں لیکن "ولدالزنا" نہیں جانتا سچ بتا حقیقت کیا ہے ورنہ تیرا سر قلم کردوں گا اس نے کہا تیرا باپ نامرد تھا بے شمار دولت کا مالک تھا مجھے دولت ضائع ہونے کا خطرہ تھا اس لئے ایک چرواہے کے ساتھ برائی کی اس کے نطفہ سے تو پیدا ہوا ہے۔

نکتہ: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ عام طور سے کسی ایک برائی کے بدلہ میں ایک گناہ ملتا ہے لیکن گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جزاء دس گناہ ہیں لہٰذ مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھی یقیناً دس گناہ ثواب ہوگا۔ اسی لئے حدیث میں ہے "**من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرۃ**" لیکن حضرت مولانا محمد اشرف سیالوی فرماتے ہیں کہ یہ قانون خداوندی ہے "مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا" جو نیکی کرے گا اسے دس گنا زیادہ ثواب ملے گا جو برائی کرے گا اسے اس کے برابر جزاء ملے گی اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ لیکن جب محبوب خدا کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی سزاء دس گناہوگی تو ان کی مدح وثناء اور تعظیم وتکریم کی جزاء صرف دس گناہ (جو عام نیکی کی جزا

ہے) نہیں رہے گی بلکہ بہت زیادہ ہوگی۔اسی لئے حدیث میں ہے "من صلی علی واحدۃ صلی الله علیه عشر صلوات وحطت عنه عشر خطیئات ورفعت له عشر درجات" (نسائی) یعنی ایک دفعہ درود بھیجنے پر دس رحمتیں نازل ہوں گی، دس گناہ معاف ہوں گے اور دس درجے قرب الٰہی میں بلند ہوں گے۔

بہرحال جس بارگاہ ناز کے آداب خود خدا سکھلائے، جن کی تعظیم کے طریقے خود مالک وخالق دوجہاں بیان فرمائے، جن کے گستاخوں اور معترضین کو خود قرآن میں خدا جواب دے، اور ان کی تذلیل کرے، جن کی اداؤں کی قسمیں قرآن میں کھائی جائیں، ان کی عظمت اور تعظیم کو کون بیان کرسکتا ہے۔اور ان کی برابری کا پھر کون دعوٰی کرسکتا ہے؟

قادیانی: وہابیوں نے اور دیوبندیوں نے گستاخی اور توہین رسول کا جو طریقہ ایجاد کیا اس پر چل کر قادیانیوں نے بھی حضور ﷺ کی خوب گستاخیاں کیں۔چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتا ہے۔یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کرسکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پاسکتا ہے حتی کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے (ڈائری مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان ثانی مطبوعہ اخبار الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء) حضرت مسیح موعود کا ذہنی ارتقاء آنحضرت ﷺ سے زیادہ تھا اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسیح موعود کو آنحضرت ﷺ پر حاصل ہے۔(ریویو قادیان، ماہ مئی، ۱۹۲۹ء) آنحضرت ﷺ اور صحابہ عیسائیوں کے ہاتھوں کا پنیر کھالیتے تھے حالانکہ مشہور تھا اس پنیر میں خنزیر کی چربی پڑتی ہے۔ (مکتوب مرزا مندرجہ اخبار الفضل ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء احمدیہ مارکیٹ چک نمبر ۹۱۴، ۱۹۴۰ء)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت

حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور سلسلۂ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفاء تو آ سکتے ہیں لیکن کوئی نبی بن کر نہیں آ سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سچے خواب اور الہامات تو ہو سکتے ہیں لیکن وحی نہیں آ سکتی ۔

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی

پر نہ بدلے نہ بدلا ہمارا نبی

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" (سورۃ الاحزاب۔ آیت: ۴۰) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی حتیٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نازل ہوں گے تو اگر چہ ان کو نبوت پہلے مل چکی ہے لیکن نزول کے بعد وہ بھی شریعت محمدی پر عمل کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر بے شمار احادیث بھی ہیں اور اس پر اجماع امت ہے اس کا منکر کافر ہے۔

حدیث مبارک: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ تحقیق رسالت و نبوت میرے بعد منقطع ہو گئی ہے لہٰذا نہ میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا۔

حدیث مبارک دوم: حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں بنی قریظہ کے ایک اپنے دوست کے پاس سے گزر رہا تھا تو اس نے تورات کے لکھے ہوئے چند جامع کلمات مجھے دیئے ہیں تا کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش

کروں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور پر آثار غضب نمودار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر خود موسیٰ علیہ السلام تم میں آجائیں پھر تم (مجھے چھوڑ کر) ان کی اتباع کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے تحقیق تمام امتوں میں سے صرف تم میرا حصہ ہو اور تمام انبیاء میں سے صرف میں تمہارا حصہ ہوں بلکہ اگر موسیٰ علیہ السلام ظاہری حیات کے ساتھ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کئے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ (مسند احمد)۔

وھابیوں کا عقیدہ: وہابی اور دیوبندی بظاہر ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا راگ الاپتے ہیں اور بظاہر غلام احمد قادیانی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ بھی ختم نبوت کے منکر ہیں بلکہ غلام احمد قادیانی کو نبی بننے کا راستہ انہوں نے ہی دکھلایا ہے۔ چنانچہ بانی دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی لکھتا ہے۔ "بعد حمد وصلوٰۃ کے قبل جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین کے معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ انبیاء سابقین کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ سب سے آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ (تحذیر الناس ص: ۳) آگے لکھتا ہے:

"بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ (تحذیر الناس، مولوی محمد قاسم نانوتوی ص: ۲۸)۔

حالانکہ یہ ایک واضح بات ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بالفرض کوئی نبی پیدا ہو جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت پر ضرور اثر پڑے گا۔ اصل میں یہ ان عبارات

کو لکھ کر اپنے لئے راہ ہموار کر رہے تھے کہ لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کر کے پھر نبوت کا اعلان کریں لیکن مرزا غلام احمد ان کا بھی استاد نکلا محنت انہوں نے کی فائدہ اس نے اٹھایا اور فوراً اعلان نبوت کر دیا۔ اب یہ اس سے چڑ رہے اور جل رہے ہیں اور اس کی مخالفت کر رہے ہیں اصل جلن یہ ہے کہ ہمارا منصب کیوں چھینا اسی لئے مرزا ناصر نے قومی اسمبلی میں اپنے مذہب کی وضاحت مولوی محمد قاسم بانی دیوبند کی یہی مندرجہ بالا عبارت بار بار پیش کر کے مفتی محمود کو خاموش کر رہے تھے حقیقت میں اس کا وہابیوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا لیکن حضرت قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانیؒ نے اس کے دلائل کا منہ توڑ جواب دیا اور اس کو اسمبلی کے فورم پر ذلیل کیا اور قدرت کی طرف سے اس کو اس طرح ذلیل کیا گیا کہ اسمبلی جیسے محفوظ مقام پر ایک پرندہ نے گھس کر عین مرزا ناصر کی تقریر کے دوران مرزا کی تحریری تقریر پر غلاظت اور گندگی پھینک کر اس کے باطل ہونے پر مزید دلیل قائم کر دی۔

قادیانیوں کا عقیدہ: قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی کہتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خاتم النبیین بھی مانتے ہیں دلیل یہ دیتے ہیں کہ جس طرح عیسیٰ جو نبی ہیں صاحب انجیل ہیں ان کا حضور کے بعد آنا ختم نبوت کے خلاف نہیں اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاتم النبین ہونے میں کوئی فرق نہیں ہوتا تو اسی طرح مرزا غلام احمد کے نبی ہونے سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاتم النبیین ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ آخری نبی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا یعنی اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے سارے نبی بھی فوت ہو جائیں گے یا وہ زندہ ہی نہیں رہیں گے۔ ان کے وجود کی نفی نہیں وہ زندہ ہیں، قیامت تک موجود ہیں اس کی

نفی نہیں کی گئی بلکہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تشریف لانے کے بعد ان کی شریعت منسوخ ہو جائے گی ان پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتباع اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کی اشاعت لازم ہوگی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانا واجب اور فرض ہوگا۔ جیسے قرآن میں میثاق نبیّین کا واضح ارشاد موجود ہے۔ اس پر پہلی حدیث بھی شاہد ہے کہ "لو کان موسیٰ حیالماوسعه الااتباعی" چنانچہ ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں کہ اکابر علماء کا یہ مذہب ہے کہ چار انبیاء زمرہ احیاء میں ہیں اور ظاہری حیات کے ساتھ موجود ہیں جن میں سے حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام زمین پر اور حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس علیہما السلام آسمانوں پر موجود ہیں۔ لہٰذا ان انبیاء کی ظاہری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ختم نبوت کے منافی نہیں بلکہ یہی ختم نبوت کی دلیل ہے کہ یہ زندہ ہونے کے باوجود آپ کے غلام اور آپکے امتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انجیل کی تعلیم و تبلیغ نہیں فرمائیں گے بلکہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اشاعت فرمائیں گے اور حضرت مہدی کی امامت اور اقتداء میں نماز ادا کر کے یہ ظاہر کر دینگے کہ وہ نبی بن کر نہیں آئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امتی بن کر آئے ہیں۔

عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ زید عمر کا آخری شاگرد ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے سارے شاگرد دنیا سے کوچ کر گئے، یہ مطلب تو کوئی احمق ہی مراد لے سکتا ہے۔ لہٰذا آخری نبی کے یہ معنی کوئی احمق ہی لے سکتا ہے کہ کوئی نبی بھی باقی نہ رہے۔

دلائل: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی بھی نبی یا رسول کے نہ آنے پر اور بھی بہت سے دلائل ہیں۔

اول: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ساری

زندگی کو محفوظ فرما دیا تا کہ لوگ اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں اب تو صرف ان گوشوں کو ظاہر کر کے عوام کو ہدایت کرنا ہے جس کیلئے نبی ہونا کوئی ضروری نہیں۔ اگر تیرہ سو سال میں کسی نبی کی ضرورت پیش نہیں آئی تو رہبری وہدایت کا کام علماء وصوفیاء کے ذریعہ ہوتا رہا تو اب بھی یہ کام بغیر نبی کے ہوسکتا ہے اور پھر بھلا ہدایت کا کام بھی وہ انجام دے جس نے یوں اپنی کتابوں کو پڑھ کر فیض حاصل کرتا رہا ہو۔ پھر اچانک نبوت کا اعلان کر کے ساری امت کے علماء اور متبعین کو گمراہ، زنا کار عورتوں کی اولاد قرار دے، اور خود اپنے آپ کو انسانیت کے لئے شرم اور عار قرار دے۔ خود نما کہتا ہے۔

کرم خاکی ہوں پیارے نہ میں آدم زاد ہوں

ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار ہوں

جو پیغمبروں کی شان میں گستاخی کرے، ایسا پست انسان بھلا کیسے نبی ہوسکتا ہے جبکہ رسل، نبی کا کام ہی انسانیت کو پستی سے نکال کر بلند مراتب پر پہنچانا ہوتا ہے۔

دوم: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہوتے لیکن خبردار میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر نبی ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی اور تابع ہو کر نبی ہوتے کیونکہ وہ آپ کے امتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبع صحابی تھے لیکن ان کے بھی نبی ہونے کی ممانعت سے پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی تابع، یعنی ظلی بروزی نبی بھی نہیں ہوسکتا۔

سوم: اگر محض تبلیغ، رشد وہدایت وتزکیہ یہ منصب نبوت ہے جیسا کہ مرزا کہتا ہے تو پھر تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے تمام علماء وفقہا اور صوفیاء نبی ہونے چاہئیں کیونکہ سب نے تبلیغ کی ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کے لئے فرمایا کہ **"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"** کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں یعنی رشد وہدایت میں ان کے مثل ہیں حقیقی نبی نہیں۔

چھارم: قادیانی کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد حضور ﷺ کے تابع نبی ہو کر آئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کی اتباع کامل کی جب اس اتباع میں ان کو کمال حاصل ہو گیا تو منصب نبوت پر فائز ہو گئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا اتنی صدیوں میں صرف مرزا جیسے بے ہودہ شخص ایک ہی متبع کامل نکلا۔ آج تک کسی ولی، غوث، قطب کو کامل اتباع نصیب نہیں ہوئی۔ اور کیا یہی اتباع کامل ہے عمر بھر کبھی حرمین شریفین کی حاضری جس کو نصیب نہیں ہوئی۔ حتی کے محمدی بیگم کے عشق میں ان کے روزے بھی جاتے رہے، جس کو دن بھر پیشاب اور استنجے سے فرصت نہیں ہوتی تھی دن میں ایک سو بار پیشاب کرتا تھا، کیا اسی کا نام اتباع کامل ہے؟

متضاد دعوے : مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ سچا خدا وہ ہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا میں صریح طور پر نبی ہوں، جو مجھے نہیں مانتا وہ جھوٹا ہے شیطان ہے لعنتی ہے کافر ہے (حوالہ: البشری ج:۱،ص:۱۰، تبلیغ رسالت: ۲۱، ۲۷، درثمین) پھر فیصلہ اور فتویٰ بھی خود دیتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد مدعی نبوت کافر ہے، کذاب ہے کیونکہ حضور ﷺ کی نبوت ختم ہے، مدعی نبوت خارج از اسلام ہے۔ مفتری علی اللہ ہے، بد بخت ہے، قرآن کا منکر ہے، دشمن قرآن ہے، ثابت ہوا کہ مرزا جی اپنے فتوے کے مطابق منکر قرآن، دشمن قرآن، کذاب، بد بخت، تارک شریعت، ثابت ہوئے۔ (تبلیغ رسالت، ج:۲ ص:۲۰، ج:۶، ص:۲، آسمانی فیصلہ ج:۴، ص:۳۶) مرزا کے پاس آنے والے فرشتہ کا نام ٹیچی تھا اور خیراتی تھا۔ (مکاشفات ص ۳۸، تریاق القلوب)

مضحکہ خیز عقائد: کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ رجولیت، کی قوت کا اظہار فرمایا، بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی اور ناپاکی پر اطلاع پائے تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا جو

بمنزل "اطفال اللہ" کے ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص: ۱۴۳) مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی یعنی مراق اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی کثرت بول (رسالہ تشہید الاذہان قادیان جون ۱۹۰۶ء) مرزا کا بیٹا بشیر احمد اپنی کتاب سیرۃ المہدی ج:۱، ص: ۱۳ میں لکھتا ہے کہ "بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلی دفعہ دوران سر اور ہسٹریا کا دورہ بیقراری کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا، والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد سے آپ کو باقاعدہ دورے پڑنے لگے۔ جبکہ ڈاکٹر شاہنواز مرزائی رسالہ ریویو اگست ۱۹۲۶ء میں کہتا ہے کہ اگر کسی مدعی الہام کے متعلق یہ ثابت ہوجائے کہ اس کو ہسٹریا، مالیخولیا یا مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعوے کی تردید کے لئے کسی اور حرف کی ضرورت نہیں رہتی۔

پیشنگوئیاں: مرزا کہتا ہے کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کو پیشنگوئی سے بڑھ کر اور کوئی ایمان نہیں۔ (آئینہ کمالات ص: ۲۸۰) اس کی روشنی میں مرزا کی پیشنگوئی دیکھئے۔ مرزا کے قریبی رشتہ داروں میں ایک مرزا احمد بیگ تھے وہ کسی کام سے مرزا کے پاس آئے مرزا نے اس کام کا معاوضہ ان سے یہ مانگا کہ اپنی لڑکی محمدی بیگم سے میری شادی کردو کیونکہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اگر مجھ سے نکاح نہ کیا تو لڑکی کا بہت برا انجام ہوگا۔ آخرکار مجبور ہوکر وہ لڑکی میرے نکاح میں آئے گی یہ قضائے مبرم ہے۔ (آئینہ کمالات ص ۲۸۱) جبکہ اس پیشنگوئی کے برعکس محمدی بیگم کا ۱۷، اپریل ۱۸۹۲ء میں مرزا اسلطان محمد سے نکاح ہوا اور آخیر تک وہ انہی کے ساتھ رہیں مرزا کے نکاح میں کبھی نہیں آئی۔

دوسری اس نے پیشنگوئی ہی کی تھی کہ "آتھم" پندرہ ماہ کے عرصہ میں مرے گا اگر نہ مرے تو مجھے ذلیل کیا جائے اور سیاہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ لیکن آتھم اس میعاد میں نہ مرا اور مرزا جھوٹا ثابت ہو۔

حضورﷺ کی پیشنگوئی: ہمارے نبی سرور دو جہاں ﷺ نے اس بدبخت مرزا کے متعلق جو پیشنگوئی فرمائی تھی وہ حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "سینشاء نفرمن قبل المشرق یقولون لاجهاد ولارباط اولئک هم وقودالنار" (کنز العمال کتاب الجہاد/ابن عساکر۔ ج:۲ ص ۲۶۳) عنقریب مشرق کی جانب سے ایک گروہ پیدا ہوگا جو کہیں گے نہ جہاد جائز ہے اور نہ سرحدوں پر حفاظتی چوکیاں اور نگراں دستے متعین کرنا وہ لوگ آگ کا ایندھن ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی مرزا نے اعلان کردیا۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

جبکہ اللہ فرماتا ہے:"کتب علیکم القتال" اور یہ سب کچھ مرزا نے انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے کیا جن کا یہ پروردہ تھا۔ از خود اس کو اقرار تھا چنانچہ لکھتا ہے۔ ایک نیا فرقہ جس کا پیشوا اور امام یہ راقم (مرزا) ہے پنجاب اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں موجود ہے میں نے قرین مصلحت سمجھا کہ اس فرقہ جدیدہ اور نیز اپنے تمام حالات سے جو اس فرقہ کا پیشوا ہوں حضور لیفٹینینٹ گورنر بہادر رام اقبالہ کو آگاہ کروں۔ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریز کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ ہے اور مورد مراحم گورنمنٹ ہے اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے۔ (نور الحق حصہ اول ص:۲۸، مصنف مرزا) اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں اس محسن گورنمنٹ کا مجھ پر سب سے زیادہ شکر واجب ہے کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد جو جناب قیصر ضد کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پزیر ہو رہے ہیں ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پزیر ہو سکتے اگر چہ وہ کوئی

اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔ (تحفہ قیصریہ۔مصنف مرزاص: ۲۴)۔

میری اور میری جماعت کی پناہ یہ سلطنت ہے یہ امن جو اس سلطنت کے زیر سایہ ہمیں حاصل ہے نہ یہ امن مکہ معظمہ میں مل سکتا ہے نہ مدینہ منورہ میں اور نہ سلطان روم کے پایۂ تخت قسطنطنیہ میں اور جو لوگ مسلمانوں میں سے ایسے بدخیال جہاد اور بغاوت اپنے دلوں میں مخفی رکھتے ہیں ان کو میں سخت ناداں بدقسمت اور ظالم سمجھتا ہوں۔ (تریاق القلوب، ج:۲ ص:۲۸، مرزا غلام احمد)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے بارے میں ہم اہلسنّت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روز اول سے لے کر روز آخر تک کا علم عطاء فرمایا اور تمام علوم جو لوح محفوظ میں ہیں اس کے علاوہ اپنی ذات وصفات کی معرفت سے متعلق بے شمار علوم عطاء فرمائے اپنے بعض غیوب کا علم عطا فرمایا جس میں پانچ غیبوں کے بہت سے جزئیات کا علم بھی شامل ہے تدریجاً علم عطاء کیا گیا، تمام مخلوقات کے احوال الغرض ماکان وما یکون کا علم عطاء فرما دیا آپ کا علم ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔

دیوبندیوں کا عقیدہ: دیوبندیوں اور وہابیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بعض علم غیب تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھا البتہ جمیع ماکان وما یکون کا آپ کو علم نہیں تھا۔ قیامت کا آپ کو علم نہیں تھا، وہ کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے کسی غیر میں ثابت کریں گے تو شرک ہو جائے گا۔ وہ پانچ علوم یہ ہیں قیامت کب آئے گی، (۲) بارش کب ہوگی۔ (۳) عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی (۴) کل کیا ہوگا۔ (۵): کون کہاں مرے گا۔ اسی طرح قرآن کے متشابہات کا علم بھی آپ کو نہیں تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بعض علوم غیبیہ مانتے ہیں اس کے ثبوت

میں مولوی اشرف علی کی تحریر: ۔ یہاں اس میں کلام ہی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم غیبیہ جزئیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں اس کا کون انکار کرسکتا ہے ۔ (تغییر العنوان اشرف علی تھانوی) یہ وہابی دیوبندی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جو بعض علوم غیبیہ مانتے ہیں وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے علم کو پاگلوں اور حیوانوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دیتے ہیں اور ان کے برابر مانتے ہیں ۔ چنانچہ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو زید عمرو بکر ہر صبی، و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کیلئے بھی حاصل ہے ۔ (حفظ الایمان، مولوی اشرف علی تھانوی، ص: ۸) ۔

وہابیوں کے نزدیک شیطان کا علم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر دو عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے ۔ شیطان، ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر دو عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے ۔ (براہین قاطعہ، خلیل احمد انبیٹھوی، مصدقہ رشید احمد گنگوہی، مطبوعہ ساڈھو، ص ۵۱) وہابیوں کے نزدیک معاذ اللہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی عاقبت کا پتہ تھا اور نہ دیوار کے پیچھے کا علم تھا ۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "خود فخر دو عالم فرماتے ہیں" واللہ لاادری مایفعل بی ولابکم "اور شیخ محمد عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ۔ (براہین قاطعہ، خلیل احمد انبیٹھوی، ص ۵۱) ہمارے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو پاگلوں اور چوپایوں سے تشبیہ دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کے لئے انتہائی اہانت آمیز جملے اختیار کرنا یہ

اسلام کے خلاف اوراس عظیم گستاخی سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔
علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآن کی روشنی میں : (۱): ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ'' (ترجمہ): اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے لوگوتم (عام) لوگوں کو اللہ تعالیٰ غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے (غیب کی اطلاع کے لئے) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔اس آیت کے تحت تفسیر بیضاوی، تفسیر خازن، تفسیر کبیر، جلالین، جمل میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے۔بعض علوم غیبیہ پر مطلع فرما دیتا ہے۔
(۲): وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝۱۱۳'' (ترجمہ): اللہ نے آپ پر کتاب وحکمت نازل فرمائی اور آپ کو سکھایا وہ جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے، اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔پہلے نزول کتاب وحکمت کا ذکر اس کے بعد ہر چیز کی تعلیم کا ذکر گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ اس قرآن کے ذریعہ تمام اسرار ورموز اور تمام علوم ومعارف آپ پر منکشف کر دیئے گئے۔ اس تعلیم کا آغاز بھی اسی کتاب کے نزول سے ہوا اوراس کی تکمیل بھی اس کی تکمیل سے ہوئی ''ما'' عموم کے لئے ہوتا ہے اور ''عام'' احناف کے نزدیک اپنے مدلول پر اسی طرح قطعی الدلالۃ ہوتا ہے جس طرح خاص۔لہٰذا اس ''ما'' کے عموم میں تمام مخلوقات ان کے احوال اور خالق کی ذات وصفات کے بے شمار علوم آ گئے کیونکہ کتاب وہ جس کے بارے میں فرمایا گیا ''وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ'' ''مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ'' (کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی گئی)۔
(۳): ''فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝۲۶ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ'' (ترجمہ) اللہ تعالیٰ اپنے غیب خاص پر سوائے اپنے رسولوں کے کسی کو مسلط نہیں فرماتا تفسیر خازن، تفسیر عزیزی، وغیرہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب پر مثلاً قیامت وغیرہ کا علم

اپنے خاص بندوں کو عطاء فرما دیتا ہے۔

(۴): وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کا علم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کو بھی اس سے مطلع فرما دیتے ہیں۔

اعتراض: ان مندرجہ بالا آیات کا وہابی یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں "مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" "کل شیٔ" وغیرہ میں شریعت کے احکام مراد ہیں جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مفسرین نے جہاں شریعت کے احکام مراد لئے ہیں وہاں بہت سے مفسرین نے علم غیب بھی مراد لیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ بعض دلائل نفی کے ہوں اور بعض دلائل ثبوت کے ہوں تو ترجیح ثبوت کو ہی ہوگی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جن مفسرین نے امور دین کی تفسیر کی ہے انہوں نے دوسرے علوم کی نفی تو نہیں کی لہٰذا تم نفی کہاں سے نکال لاتے ہو کسی چیز کا ذکر نہ کرنے سے اسکی نفی تو نہیں ہو جاتی؟ جیسے قرآن میں ہے "تقیکم الحر" کہ یہ کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ اب یہاں سردی کا ذکر نہیں تو کیا کپڑے سردی سے نہیں بچاتے؟

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہمارا دین تو تمام دنیا کے امور کو شامل ہے لہٰذا جب دین کا علم کامل آ گیا تو سمجھ لو سارے جہاں کا علم آ گیا۔

علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احادیث کی روشنی میں

(۱) "رایت ربی عزوجل فی احسن صورة۔۔الیٰ۔۔۔فوضع کفه بین کتفی فوجدت برده بین ثدیی فعلمت مافی السموات والارض وتلاو کذالک نری ابراهیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین" (مشکوٰۃ باب المساجد)

(ترجمہ) میں نے اپنے رب تعالیٰ کا بہت بہتر حالت میں مشاہدہ کیا اس نے پوچھا کہ ملاء اعلیٰ اور جماعت ملائکہ کس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے میں نے عرض کیا اے اللہ تو ہی بہتر جانتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اپنا بے کیف دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی اور اس فیض وبرکت سے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب میں نے جان لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت فرمایا جس میں حضرت ابراہیم کے علم وسیع کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ایسا ہی ہم حضرت ابراہیم کو مشاہدہ کراتے ہیں آسمانوں اور زمین کے عظیم ملک کا تاکہ وہ یقین کامل رکھنے والوں میں سے ہوجائے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ وسیع علم اس لے عطاء ہوتا ہے تاکہ یقین کامل حاصل ہوجائے کیونکہ ساری کائنات دلیل ہے خالق کے وجود پر لہٰذا اس کا جتنا علم زیادہ ہوگا اسی قدر ذات باری تعالیٰ پر یقین بھی کامل ہوتا چلا جائے گا۔

علمت مافی السمٰوات والارض: کے تحت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: عبارت است از تمام علوم کلامی ضروری واحاطہ آں" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ "فتجلی لی کل شیٔ وعرفت" کہ ہر چیز مجھ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر روشن ہوگئی اور میں نے ہر شی کو پہچان لیا۔ اس حدیث کے تحت شیخ محمد عبدالحق نے خلیل وحبیب کی رؤیت میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ خلیل نے ملک آسمان وزمین کو دیکھا اور حبیب نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا اس کو بھی دیکھ لیا۔ خلیل کو دیکھنے کے بعد یقین کامل ہوا جبکہ محبوب کو پہلے اپنی ذات کی معرفت کرائی اس کے بعد مخلوق کی معرفت کرائی۔

(۲): بخاری شریف کی حدیث ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممبر پر ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ہمیں ابتدائے آفرینش عالم سے خبر دینی

شروع کی یہاں تک کہ جنتی جنت میں داخل ہو گئے اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو گئے اس بیان کو جس نے جتنا یاد رکھا یاد رکھا اور اسے جو بھول گیا بھول گیا۔ اس حدیث کے تحت علامہ عینی فرماتے ہیں کہ غرض حضور ﷺ نے مخلوقات کے مبدأ معاش اور معاد سب کی خبر دے دی تھی۔

(۳): اس کے علاوہ عالم برزخ میں قبر کی تنگی، منکر نکیر کے سوالوں، ضغطہ قبر، احوال قیامت، وزن اعمال، پل صراط، حوض کوثر، جنت اور اس کی نعمتوں اور دوزخ اور اس کی آگ کی خبر دینا، اسی طرح دنیوی معاملات میں بدر میں مشرکین کی قتل گاہوں تک کی خبر دینا، ابو جہل کی مٹھی میں کنکریوں کی خبر دینا، شاہ فارس کے قتل کی خبر دینا، شاہ نجاشی کی حبشہ میں موت کی خبر دینا، بکری کے گوشت میں زہر ملانے کی خبر دینا، اخیر زمانوں میں فتنوں کی خبر دینا، یہ تمام دنیوی امور سے متعلق علم غیب ہے جو اللہ نے حضور ﷺ کو عطاء فرمایا۔

علم مصطفی ﷺ اور مخالفین : (۱): حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں: ''لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء واولیاء کو نہیں ہوتا میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت وادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے اصل میں یہ علم حق ہے۔ (انوار غیبیہ، ص: ۲۵، شمائم امدادیہ ص: ۱۱۰)

(۲): رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں ۔انبیاء علیہم السلام کو ہر دم مشاہدہ امور غیبیہ اور تیقظ حضور حق کا رہتا ہے۔ ''کماقال النبی ﷺ لوتعلمون مااعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا'' اور فرمایا ''انی ارٰی ما لاترون''

(انوار غیبیہ ص: ۳۲، لطائف رشیدیہ ص: ۲۷)۔

(۳): مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل واولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے تھے کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادثات کو

جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادث اس کے علم سے ہے اسی کے ارادہ کے متعلق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہوسکتا ہے کہ یہ یہی خدا ان رسل اور اولیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔

(تکمیل الیقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس ص ۱۳۵)۔

(۴): مولوی محمد قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں۔(تحذیر الناس :ص: ۴)۔

منکرین کے اعتراضات:(۱): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے علم غیب نہ ماننے والے آیات پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں آیت "لایعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الاالله ""وعنده مفاتیح الغیب لایعلمهاالاهو"، " قل لااقول لکم عندی خزائن الله ولااعلم الغیب /ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر "اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک قرآن کی یہ آیات برحق ہیں۔ لیکن اگر اسکو ظاہری معنی پر رکھا جائے تو قرآن کی آیتوں میں تعارض ہو جائے گا کیونکہ گزشتہ آیات سے ثابت ہوا کہ دوسروں کو بھی علم غیب حاصل ہوتا ہے حتی کے عام مسلمان کے لئے بھی فرمایا گیا "یومنون بالغیب"، جبکہ قرآن تعارض سے پاک ہے اللہ نے قرآن کی حقانیت کی یہی نشانی بیان فرمائی ہے "ولو کان من عندغیر الله لوجدوا فیه اختلافا کثیرا" اگر قرآن مجید غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے لہٰذا اس بظاہر تعارض کو اس طرح ختم کیا جائے گا۔ کہ آیات نفی کو علم غیب بالاستقلال، یا علم محیط غیر متناہی کی غیر اللہ سے نفی پر محمول کیا جائے گا۔ اسی کی تصریح فقیہ نیشاپوری قاضی عیاض، امام نووی، علامہ ابن حجر مکی، نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ مخلوق کے غیب کی نفی علم ذاتی اور علم محیط کلی کی ہے (الدولة المکیة) اسی

سے معلوم ہوا کہ جو مطلقاً حضور ﷺ سے علم غیب کا انکار کرے کافر ہے نفی علم غیب کی آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے بتائے بغیر کسی کو غیب کا علم نہیں ہوتا اسی طرح کل علم غیر متناہی اسکے ساتھ خاص یا حضور ﷺ کا یہ ارشاد "لااعلم الغیب" تواضع وانکساری کے واسطے ہو یا اس کے معنی یہ ہوں کہ میں علم غیب جاننے کا دعوی نہیں کرتا۔ اور یہاں دعوئے علم غیب کی نفی ہو۔ "لا ستکثرت من الخیر" والی آیت کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس خیر کثیر تھا کیونکہ "ومن یؤت الحکمة فقداوتی خیرا کثیرا" "ویعلمھم الکتاب والحکمة" لہٰذا اسی آیت سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کو علم غیب بھی تھا۔ اعلیحضرت کا نکتہ ایک جگہ ہے۔ "عندہ مفاتیح الغیب" دوسرے مقام پر "لہ مقالیدالسمٰوات والارض "مفاتیح اور مقالید کے معنی کنجی کے ہیں مفاتیح کا اول وآخر حرف م اور ح ہے جبکہ مقالید کا اول م اور آخر حرف، دال، ہے اس سے لفظ محمد بن گیا اشارہ ہے کہ ظہور عالم اور ایجاد کی کنجی محمد ﷺ ہیں "کل الخلق من نوری" شاہد ہے۔ آپ کی ہر ادا رحمت الٰہی کی کنجی ہے آپ ﷺ کا سجدہ شفاعت کی کنجی ہے جنت میں آپ کا جانا جنت کی کنجی "لایعلمھاالاھو" کے معنی ہیں حقیقت مصطفیٰ ﷺ رب عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سوال یہ ہے کہ اس کنجی سے غیب کا دروازہ کسی کیلئے کھولا یا نہیں۔ ہاں حضور ﷺ کے لئے کھول دیا گیا" اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا"

اعتراض و جواب دوم: تم نے ما کان وما یکون کا علم حضور ﷺ کے لئے ثابت کر کے شرک کر دیا اور اللہ سے حضور ﷺ کو ملا دیا کیونکہ یہ تو اللہ کی شان ہے۔

جواب: دراصل وہابیوں نے اللہ کی شان کو سمجھا نہیں بلکہ یہ اعتراض کر کے خود انہوں نے بے عقلی کا ثبوت دیا کیونکہ ما کان وما یکون کے معنی ہیں روز اول سے روز آخر تک کے تمام گزشتہ اور آئندہ باتوں کا علم ثابت کرنا۔ اور یہ محدود علم ہے۔ تم نے مساوات

کا فتوٰی دیکر یہ ثابت کر دیا کہ خدا کو بھی اتنا ہی محدود علم ہے۔ (معاذ اللہ) ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم متناہی ہے جبکہ خدا کا علم غیر متناہی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام علوم متناہی ہیں خدا کے جمیع علوم غیر متناہی کے بعض ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کائنات کے ذرہ ذرہ کا اور تمام مخلوقات کے جمیع احوال کا علم ہے اس کے باوجود علم محیط اور متناہی، کم اور محدود ہے لہٰذا اللہ کے علم کے مساوی ہر گز نہیں ہوسکتا جو لامحدود اور غیر متناہی ہے پھر یہ بھی فرق ہے کہ مخلوق کا علم عطائی ہے خدا کا ذاتی ہے اللہ کا علم اس کی ذات کیلئے واجب ہے مخلوق کا علم اس کے لئے ممکن۔ اللہ کا علم ازلی، سرمدی، ابدی اور قدیم ہے جبکہ مخلوق کا علم حادث ہے اللہ کا علم مخلوق نہیں جبکہ مخلوق کا علم مخلوق ہے۔ وہ اپنی تمام صفات کو جانتا ہے جبکہ اس کی تمام صفات غیر متناہی اور اس میں سے ہر صفت غیر متناہی ہے اسی طرح ابد کے دن غیر متناہی اس کی گھڑیاں اس کی آیتیں جنت کے غیر متناہی نعمتوں میں سے ہر نعمت غیر متناہی، جہنم کے عذابوں میں سے ہر عذاب غیر متناہی، جنتیوں اور دوزخیوں کے سانسوں ان کے پلک جھپکنے کی تعداد جو غیر متناہی اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ بلکہ ہر ہر ذرہ کا علم اس کو غیر متناہی ہے وہ روز اول سے ابدالاباد تک جس جس جہت اور مکان میں رہا اور رہے گا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم محدود کیونکہ عرش سے فرش دو کنارے اور روز اول سے روز اخیر تک یہ دوسری دو حدیں اور جو چیز دو عددوں میں مقید ہو وہ محدود ہوگی لامحدود اور غیر متناہی نہیں ہوگی، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم متناہی ہے اور اس کو خدا کے لامتناہی علم سے وہی نسبت ہے جو ایک بوند کو سمندر سے بلکہ یہ مثال بھی یہاں درست نہیں کیونکہ سمندر پھر بھی محدود ہے ایک قطرہ اگر اس سے لیں تو وہ کبھی نہ کبھی ختم ہوسکتا ہے لیکن خدا کا علم لامحدود ہے اس کے علم سے کسی غیر کے لئے متناہی ثابت کریں اس میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔

اعتراض وجواب سوم: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام مخلوقات کے جمیع احوال کا

علم تھا تو بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض امور سے لاعلمی کا اظہار کیوں فرمایا؟ یا ایسے کام کیوں کئے جن سے لاعلمی کا اظہار ہوتا ہے؟ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے معاملہ میں آپ کی لاعلمی کا اظہار ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جواب: ہمارا دعویٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ما کان وما یکون کا علم تدریجاً ہوا لہٰذا جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخیر عمر تک اس بات کا علم نہیں ہوا اس وقت تک ہمارا دعویٰ باطل نہیں ہوگا۔

جواب: جب قرآن واحادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے لئے ''کل'' اور ''ما'' جیسے الفاظ استعمال کئے گئے جو عموم پر دلالت کرتے ہیں تو پھر کسی ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی تخصیص کرنا اور اس واقعہ سے لاعلمی ثابت کرنا جائز نہیں بلکہ ایسے واقعات کو ہم کسی حکمت اور مصلحت پر محمول کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت کے تحت آپ کی توجہ اس طرف سے اس وقت ہٹادی تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت وہ بات بھلادی تھی۔ کیونکہ یہ خدا کی شان ہے کہ وہ ذہول اور نسیان سے پاک ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نسیان ہوسکتا ہے۔

یہ بھی ایک فرق ہے کہ خالق اور مخلوق کے علم میں جبکہ عدم توجہ اور نسیان سے لاعلمی ثابت نہیں ہوتی۔ ورنہ بہت سی بھولی ہوئی باتیں کبھی یاد نہیں آنی چاہئے حالانکہ بعض دفعہ بہت دنوں کے بعد یاد آجاتی ہیں معلوم یہ ہوا کہ وہ علم زائل نہیں ہوا تھا۔ کسی مصلحت کے تحت ذہول ونسیان ہوجانے کی مثال یہ ہے جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا تھا دوران سفر اس موقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذہول میں یہ حکمت تھی کہ صحابہ اس ہار کی گمشدگی کے باعث اس مرحلہ تک پہنچ جائیں کہ ان کے پاس پانی نہ رہے اور بغیر پانی اور وضو کے نماز کا جب مسئلہ آئے تو تیمم کا حکم نازل کردیا جائے چنانچہ اس موقعہ پر تیمم کا حکم نازل

ہو گیا دراصل اس بہانہ سے یہ مسئلہ ان کو بتانا اور ذہن نشین کرانا مقصود تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے واقعہ میں علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نفی کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس واقعہ میں ارشاد فرمایا "واللہ ماعلمت علیٰ اھلی الاخیراً" خدا کی قسم میں نے اپنی اھل مقدس پر بجز خیر کے کچھ نہیں جانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قسم ارشاد فرما کر اپنے علم کا اعلان فرما رہے ہیں کیا اب بھی کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حضرت عائشہؓ کی طرف توجہ کم کرنا بھی لاعلمی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس تہمت کے بعد غیرت محمدیہ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جب تک یہ معاملہ اللہ کی طرف سے صاف نہ ہو جائے آپ توجہ کم فرمائیں تاکہ دشمن کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں تھی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا غمگین ہونا بھی لاعلمی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی کا یقین تھا اور صدمہ یہی تھا کہ بے گناہ پر کیسی تہمت لگائی جا رہی ہے آج بھی ہم میں سے کسی کو کسی مجرم کی بے گناہی کا یقین ہو اور وہ ہمارے سامنے پھانسی چڑھ جائے تو اس میں زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ کی تفتیش خود علم حاصل کرنے کے لئے نہیں کرائی بلکہ ان مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے فرمائی جو منافقین کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اس موقعہ پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی پر زور دیتے تو شاید دوسرے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی بدگمان ہو جاتے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود زور نہیں دیا اور پاک دامنی پر خود اصرار نہیں فرمایا بلکہ دوسرے قرائن، حالات اور شواہد کے ذریعہ ان کی پاکدامنی ثابت کرنے کی کوشش فرمائی۔ ایک مہینہ تک اس معاملہ کو طول دینے میں بھی یہی حکمت تھی۔ ورنہ جلدی معاملہ ختم کرنے میں یہاں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات رہ جاتے۔

اسی طرح قیامت کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جماعت مرتدین کو حضور ﷺ اصحابی اصحابی کہہ کر بلائیں گے اس وقت آپ ﷺ سے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کو معلوم نہیں انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا کیا۔ منکرین اس سے حضور ﷺ کے علم کی نفی ثابت کرتے ہیں حالانکہ خود اسی واقعہ میں علم کا ثبوت موجود ہے۔ کیونکہ واقعہ قیامت کا ہے اور آپ ﷺ آج بیان فرمارہے ہیں علم نہ تھا تو کیسے بیان کر دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مسلم شریف کی اسی روایت میں یہ الفاظ ہیں "اماشعرت ماعملوا بعدک" کیا آپ ﷺ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا ہے۔ یہاں استفہام انکاری ہے جب کہ نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے لہٰذا حکم ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ کو ان کے اعمال کا علم تھا جب ایک روایت میں استفہام آ گیا تو دوسری روایت بھی اسی پر محمول کی جائے گی۔ (جیسے ٹخنوں سے پاجامہ نیچے ہونے کی روایت ہے)۔

اعتراض وجواب چھارم: ایک اعتراض یہ ہے کہ ماکان ومایکون میں تو جادو وغیرہ کا علم بھی آ گیا جبکہ یہ تو حضور ﷺ کی شان کے لائق نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم فی نفسہ کسی بھی چیز کا مذموم اور قبیح نہیں اس پر اس میں عمل کی طرف سے برائی پیدا ہوتی ہے اگر فی نفسہ علم برے ہوں تو معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی برائی منسوب ہو جائے گی کیونکہ "ان اللہ بکل شیٔ علیم" وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اعتراض وجواب پنجم: حضور ﷺ کا علم غیب وحی کے ذریعہ تھا جو بات جبرئیل علیہ السلام نے بتادی وہ آپ ﷺ کو معلوم ہو گئی لہٰذا یہ علم غیب نہ رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا علم جو وحی کے ذریعہ آیا تھا وہ صرف حضرت جبرئیل کے اہتمام پر منحصر نہیں تھا بلکہ حضور ﷺ کو خواب اور القا کے ذریعے بھی وحی آتی تھی اور اس کے ذریعہ بھی آپ ﷺ کو علم حاصل ہو جاتا تھا۔ اس پر "رؤ یاالانبیاء

وحی"اور "انی لاراکم من خلفی کمااراکم من بین یدی" والی احادیث شاہد ہیں۔

اعتراض وجواب ششم: اللہ فرماتا ہے "وماعلمناہ الشعر وماینبغی لہ"، ہم نے ان کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی وہ ان کے لائق ہے۔ یہاں سے شعر کی نفی ثابت ہوتی ہے تو ماکان ومایکون" کا علم کیسے ثابت ہوا؟

جواب: "ماعلمناہ الشعر" کے معنی ہیں کہ شعر پڑھنے کا اور شعر گوئی کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملکہ عطاء نہیں فرمایا اس سے شعر کی نفی ثابت نہیں ہوئی یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعض شعراء کے بعض شعر بہت پسند تھے چنانچہ ایک عرب کے شاعر کے اس شعر کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت تعریف فرماتے تھے۔

"الاکل شیء ماخل اللہ باطلا"

سوال یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر کی پہچان اور علم ہی نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعریف کس طرح فرمائی؟ پتہ یہ چلا کہ علم ہر چیز کا تھا صرف کہنے کا ملکہ اللہ کی طرف سے عطاء نہیں ہوا۔

اعتراض وجواب ہفتم : قرآن میں ہے "ومآادری مایفعل بی ولابکم"، میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

جواب: علماء فرماتے ہیں یہاں "ادری" کا لفظ ہے لہٰذا درایت جس کے معنی اٹکل بچو سے علم حاصل کرنا ہے اس کی نفی ہے لہٰذا معنی یہ ہوں گے کہ میں بغیر وحی اپنے قیاس سے نہیں جانتا بلکہ وحی سے جانتا ہوں دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان امور کا علم حاصل ہونے سے پہلے کی ہے۔ اگر اس حدیث کا جواب نہ دیا جائے تو وہ احادیث غلط ہو جائیں گے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کے واقعات، لواء الحمد، شفاعت کبریٰ، عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے اور حسن وحسین کے جنتیوں کے سردار ہونے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنت کی

عورتوں کی سردار ہونے کی خبریں دی ہیں۔

اعتراض وجواب هشتم: "لاتعلمهم نحن نعلمهم" اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین کو نہیں جانتے تھے پھر علم غیب کیسا؟

جواب: اس کے بعد جو آیت نازل ہوئی اس میں علم کا اثبات ہے "ولتعرفنهم فی لحن القول" اور ضرور تم ان کو بات کے طریقہ سے پہچان لوگے۔لہٰذا یا تو یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ بغیر ہمارے بتائے تم ان کو نہیں جانتے۔لہٰذا اندازہ، اٹکل سے علم حاصل کرنے کی نفی ہے ورنہ مذکورہ بالا آیت کے علاوہ اس حدیث کی بھی مخالفت لازم آئے گی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک منافق کا نام لیکر فرمایا "اخرج یافلان فانک منافق"

(عینی شرح بخاری ج ۴ ص:۱۳۳۱)۔

اعتراض وجواب نهم: "یسئلونک عن الساعة ایان مرساها قل انما علمها عندالله" ماالمسئول باعلم من السائل" اس آیت اور حدیث سے قیامت کے علم کی نفی ثابت ہوتی ہے۔؟

جواب: اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ علم قیامت خدا کے پاس ہے اس کا کوئی بھی منکر نہیں لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ خدا نے کسی کو دیا بھی نہیں۔یہاں سے علم دینے کی نفی ثابت نہیں ہوئی۔اس طرح حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔یعنی تمہارا میرا علم اس بارے میں برابر ہے۔مجھے بھی اور تم کو بھی پتہ ہے لیکن اس کے متعلق راز فاش کرنا مناسب نہیں۔ اس کے علاوہ اس کی نشانیوں کے متعلق پھر جبرئیل نے سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشانیاں بتائیں۔نشانیاں وہی بتاتا ہے جس کو پتہ ہو۔نشان اور پتہ تو جاننے والے سے ہی معلوم کیا جاتا ہے۔جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی تمام نشانیاں اور دن جمعہ تک

کابتادیا اس کے بعد کے واقعات سب بتادیئے بھلااب کیسے کہاجاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم نہ تھا؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء کرام حاضر وناظر ہیں

اب حاضر وناظر کے معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والی ذات ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے دور ونزدیک کی آوازیں سنیں ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور ہزاروں کوس پر حاجتمندوں کی مدد کرے۔ خواہ وہ روحانی طور پر ہوں یا مثالی جسم کے ساتھ ہو یا اسی جسم کے ساتھ ہو جو قبر میں مدفون ہو۔ یہ سب معنی ممکن ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا قرآن واحادیث سے ثابت ہے۔

وہابیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ: شرک کا معنی یہ کہ جو چیزیں اللہ نے اپنے لئے خاص کی ہیں اور اپنے بندوں کے ذمہ پر نشان بندگی کے ٹھہراتے ہیں وہ چیزیں اور کسی کے واسطے کرنے جیسے سجدہ کرنا، اوراس کے نام کے جانور ذبح کرنا، اوراس کی منت ماننا اور مشکل کے وقت پکارنا اور ہر جگہ حاضر وناظر سمجھنا قدرت تصرف کی اور ثابت کرنا سوان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ (تقویۃ الایمان۔ اسماعیل دہلوی۔ ۸۲) نبی کو جو حاضر وناظر کہے بلا شک شرع اس کو کافر کہے۔ (جواہر القرآن غلام اللہ: ص ۹۰) جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہے اور نبی بھی ہر جگہ موجود ہوتا ہے ایسا شخص بے شک اسلامی تعلیم کا منکر ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے مسلمان نہیں اور یہود ونصاریٰ ہیں جنہوں نے انبیاء کو رب بنالیا کوئی فرق نہیں ہے۔

(برہان الحق، مولوی احمد دین گکھڑوی ص ۱۰۰)

قرآن کی روشنی میں: (۱): "یَآاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ

نَذِیْرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ " اے غیب کی خبریں بتانے والے بیشک ہم نے آپ کو بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈرسناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا کائنات کو۔ اس آیت سے حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے کیونکہ شاہد کے معنی حاضر وناظر کے ہیں۔ مفردات میں ہے کہ: الشهود الحضور مع المشاهدة" شاہد غائب کی ضد ہے جس کے معنی حاضر کے ہیں جیسے دعائے جنازہ میں شاهدنا و غائبنا۔ جبکہ گواہ کو شاہد بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ تمام عالم کے تمام انبیاء ورسل اور انکی امتوں کے گواہ ہیں قرآن سے ثابت ہے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کو آفتاب فرمایا جبکہ آفتاب بھی عالم میں ہر جگہ ہر ہر گھر میں موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہیں جو اس کا منکر قرآن کا منکر ہے۔

(۱): "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝" اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہو جائیں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ﷺ ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے ظاہر ہے اس سے مراد مدینہ کی حاضری تو ہو نہیں سکتی کیونکہ حضور ﷺ کی امت میں غریب بھی ہیں ان کے لئے یہ تکلیف مالایطاق ہوگی لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تو ہر وقت تمہارے قریب ہیں البتہ تم ان سے غائب ہو اب ذرا تم بھی حاضر ہو جاؤ یعنی اس طرف توجہ کرلو انشاءاللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔

(۳): "النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسهم" نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ مولوی قاسم نانوتوی تحذیر الناس صفحہ نمبر ۱۰ میں لکھتا ہے کہ

یہاں اولیٰ کے معنی قریب تر کے ہیں۔اس زیادتی قرب کے باعث آپ ہمیں نظر نہیں آتے۔

حدیث کی روشنی میں: "ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والیٰ ما کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانھاانظر الیٰ کفی ھٰذا" اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے ساری دنیا کو پیش کر دیا بس میں اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتا ہوں۔(شرح مواہب اللدنیہ للزرقانی، عن عبداللہ بن عمر)

(۲): "فیقولان ماکنت تقول لھٰذاالرجل محمد"(مشکوٰۃ: باب اسباب عذاب القبر)۔نکیرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم ان (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے تھے۔جبکہ ایک ہی وقت میں ہزارہا مردوں سے یہی سوال ہوگا۔ اس کی صورت یہی ہوگی جو علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمائی کہ "فیکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشریٰ عظیمہ" کہ میت سے حجاب اٹھالیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ لے گا اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔ اسی کا نام حاضر و ناظر ہے۔

(۳): " وان موعدکم الحوض وانی لانظر الیہ وانافی مقامی" (مشکوٰۃ ج:۲ باب وفاۃ النبی) تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔

(۴): "حینماعمر یخطب فجعل یصح یاساریہ"(مشکوٰۃ ج:۲ باب الکرامات) عمر مدینہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے اے ساریہ پہاڑ کو لو۔ جب لشکر واپس مدینہ آیا تو اس نے بتایا کہ اس آواز کی وجہ سے ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لیا تو خدا نے ہم کو فتح عطا فرمادی۔

اقوال: درمختار اور شامی میں ہے کہ نمازی التحیات کے الفاظ میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نمازی رب کو تحیت اور خود نبی کو سلام عرض کررہا ہے۔ مجمع البرکات میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ امت کے حالات واعمال پر مطلع ہیں اور حاضرین بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضروناظر ہیں۔ شرح مشکوٰۃ میں ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جب تم مسجدوں میں داخل ہو تو حضور ﷺ کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں۔ احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں کہ اپنے دل میں حضور ﷺ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور پھر کہو "السلام علیک ایھاالنبی ورحمة الله وبرکاته " لہٰذا جو یہ کہے کہ حضور ﷺ کا نماز میں تصور اور خیال گدھے کے خیال سے بدتر ہے وہ کس قدر ظالم اور جابر اور بد بخت اور مرتد ہے۔

اقوال مخالفین: ترجمہ:۔(صراط مستقیم صفحہ: ۱۳) میں اسماعیل دہلوی کہتا ہے: اسی طرح جب اس طالب کے نقش کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں احدیت کے دریاؤں کی تہہ میں کھینچ کر لیجاتی ہیں تو انا الحق اور لیس فی سواء الله کا آوازہ اسی سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی "کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها" ایک اور روایت کی رو سے "لسانه الذی یتکلم به " اسی حالت کی حکایت ہے۔ اسی کو تو اہل سنت حاضر وناظر کہتے ہیں۔ امدادالسلوک میں رشید احمد گنگوہی نے بھی لکھا ہے کہ" پیر کی روح ایک جگہ پر مقید نہیں مرید جہاں بھی ہو دور یا نزدیک اگر پیر کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں۔

دلائل عقلیہ: عقل بھی یہ کہتی ہے کہ جب ملک الموت آن واحد میں ہزاروں مقامات پر موجو ہو کر ہزاروں لوگوں کی روح قبض کرسکتا ہے۔ حضرت جبرائیل آن

واحد میں سدرہ سے چل کر حضرت یوسف کے کنویں میں پہنچ کران کی مدد کر سکتے ہیں، حضرت اسماعیل کی جگہ پر دنبہ لا سکتے ہیں، حضرت سلیمان کا ادنی امتی آن واحد میں بلقیس کا تخت لاسکتا ہے تو خاتم الانبیاء کے امتی آن واحد میں اپنے غلاموں تک پہنچ کر ان کی مدد کیوں نہیں کر سکتے۔ اور پھر جوان سب فرشتوں اور نبیوں کا بھی نبی اور امام ہو یہ فضیلت اس میں کیسے نہیں ہوگی۔ کیونکہ "فبھداھم اقتدہ" کا فرمان بتا رہا ہے کہ امتی، نبیوں کے کمالات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہیں۔

مخالفین کے اعتراضات: (۱): حاضر و ناظر خدا کی صفت ہے لہٰذا کسی دوسرے میں ثابت کرنا شرک ہے۔

جواب: خدا تو حی، سمیع، بصیر بھی ہے، رحیم و کریم بھی ہے لیکن یہ ساری صفتیں اپنے محبوب میں بھی ثابت فرمائی کچھ صفتیں ہر انسان میں موجود ہیں لیکن شرک نہیں کیونکہ اس کی یہ صفات ذاتی ہیں ہماری عطائی ہیں اسی طرح یہ بھی شرک نہیں۔

(۲): "وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ، وماكنت لديهم اذ رجعوا امرهم" وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا"، آپ ان کے پاس نہ تھے، خود قرآن کہہ رہا ہے لہٰذا آپ حاضر و ناظر نہیں۔

جواب: جیسے ان آیات سے کوئی اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ واقعی آپ اس وقت جسمانی لحاظ سے وہاں موجود نہیں تھے لیکن دیکھ سب کچھ رہے تھے اس کی نفی یہاں سے ثابت نہیں ہوتی۔

(۳): بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ زید بن ارقم نے عبداللہ بن ابی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے "لاتنفقوا علی من عندرسول الله"، کہ مسلمانوں کو کچھ خرچ نہ دو۔ عبداللہ بن ابی نے بارگاہ رسالت میں آکر جھوٹی قسم کھالی کہ میں نے یہ نہیں کیا "فصدقھم و کذبنی"، پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سچا مان لیا اور میری بات

نہ مانی اگر حضور ﷺ حاضر و ناظر ہوتے تو ابی کی غلط تصدیق کیسے کرتے؟

جواب: عبداللہ بن ابی کی تصدیق سے یہ لازمی نہیں آتا کہ آپ کو اصل واقعہ کا بھی علم نہ ہوا کیونکہ شرعی طور پر مقدمہ کا فیصلہ اس طرح ہوتا ہے کہ "البینة علی المدعی والیمین علی من انکر" تو چونکہ مدعی کے پاس گواہ نہ تھے لہٰذا جب مدعی علیہ نے قسم کھالی تو اس کے حق میں فیصلہ سنا دیا اگرچہ قاضی کا علم اس کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ جب قرآن نے زید کی گواہی دی تو اس کی تصدیق ہوئی۔ دیکھو قیامت میں کفار کہیں گے "واللہ ربنا ما کنا مشرکین" خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے، پھر ان کے اعضاء، نامہ اعمال اور ملائکہ سے گواہی کے بعد ان کو سزا دی جائے گی تو کیا معاذ اللہ یہاں اللہ کو بھی ان کے شرک کا علم نہیں تھا؟ نہیں نہیں۔ ضرور علم تھا لیکن قانونی تقاضے پورے کرنے تھے اور حجت تمام کرنی تھی۔

(۴): حضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو گندی جگہ اور دوزخ میں بھی حاضر ہیں؟

جواب: ہاں ہر جگہ حاضر ہیں لیکن انکو اس گندگی سے کوئی نقصان نہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب کی شعائیں ہر جگہ ہیں لیکن وہ تو گندگی سے گندی نہیں ہوتیں اسی طرح حقیقت محمدی جو نور خدا ہے اس پر بھی ناپاکی کے احکامات نہیں لگ سکتے۔ دوسرا الزامی جواب یہ بھی ہے کہ تمہارے نظر میں خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو وہاں جو جواب تمہارا ہوگا وہی جواب یہاں ہمارا ہوگا۔

(۵): "من صلی علی عندقبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته" (بیہقی) جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے اس کو ہم خود سنتے ہیں اور جو دور سے بھیجتا ہے تو وہ ہم تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ ﷺ تک نہیں پہنچتی ورنہ پہنچائے جانے کی کیا ضرورت؟

جواب: اس حدیث میں دور والے کے نہ سننے کا کہاں ذکر ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں

قریب کا خود سنتے ہیں جبکہ دور والے کا سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے۔

جواب ۲: یا دور و نزدیک سے دل کی اور از روئے محبت دوری اور نزدیکی مراد ہے تو اب معنی یہ ہوں گے کہ جو ہمارے دل سے قریب ہیں ہم سے محبت کرنے والے ہیں ان کا درود ہم خود سنتے ہیں اور جو محبت کرنے والے نہیں ان کے درود ہم پر پیش کئے جاتے ہیں اس کا ثبوت دلائل الخیرات کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں آتا ہے کہ محبت والوں کا درود خود سنتا ہوں اور غیر محبت والوں کا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس کی تصدیق جلاء الافہام ص ۷۳ (ابن قیم) کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ کوئی کہیں سے درود پڑھے مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے اور یہ دستور بعد وفات بھی رہے گا۔ انیس المجلس ص ۲۲۲ میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر جمعہ اور پیر کو مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو میری وفات کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔

جواب ۳: اگر پہنچانے کے اور پیش کرنے کے یہ معنی لئے جائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود دیکھتے اور سنتے نہیں تو بندوں کے اعمال فرشتے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اس کا پھر کیا معنی کئے جائیں گے۔

(۶): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جگہ ہیں تو مدینہ میں وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: جب خدا ہر جگہ ہے تو خانہ کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھر عرش پر بلانے کا کیا فائدہ؟ اصل بات یہ ہے کہ مدینہ دار السلطنت ہے اور خاص تجلی گاہ ہے گویا کہ پاور ہاؤس ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاقت وقدرت

تمام کائنات ارضی وسماوی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت تصرف کر دیا ہے خدا کی دی ہوئی طاقت سے وہ حیات ظاہری میں بھی اور اس عالم

سے پردہ فرمانے کے بعد بھی جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اور کیوں نہ جوذات اپنی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر سکتا ہے، ڈوبے ہوئے سورج کو لوٹا سکتا ہے، ابوجہل کی مٹھی میں کنکریوں کو بلوا سکتا ہے، شجر وحجر سے کلمہ پڑھوا سکتا ہے، اس کی طاقت وقدرت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔

وھابیوں کاعقیدہ: وہابی کہتے ہیں کہ۔ "حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کچھ قدرت اور غیب دانی مجھ میں نہیں" (تقویۃ الایمان اسماعیل دہلوی، ص ۲۴) سارا کاروبار اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول ﷺ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان، اسماعیل دہلوی، ص:۵۸) انبیاء اور اولیاء کو اس بات میں کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے ان کو عالم میں تصرف کرنے کی کچھ قدرت دی ہو کہ جس کو چاہیں مار ڈالیں یا اولاد دلوائیں یا مشکل کا حل دے دیں، یا مرادیں پوری کر دیں، یا فتح و شکست دے دیویں یا غنی اور فقیر کر دیویں یا کسی کو بادشاہ کر دیویں یا کسی کو امیر و وزیر کسی سے بادشاہت، یا امارت چھین لیں یا کسی کے دل میں ڈال دیں ایمان یا کسی بیمار کر تندرست کر دیویں، یا کسی سے تندرستی چھین لیویں کہ ان باتوں میں سب بندے بڑے اور چھوٹے برابر ہیں عاجز اور بے اختیار ہیں

(تقویۃ الایمان، اسماعیل دہلوی، ص:۲۵)

آنحضرت ﷺ کو تبلیغ رسالت کے علاوہ خدائی کاموں میں کوئی دخل نہ تھا۔ (اخبار اہل حدیث امرتسر ص ۴، ۸ جنوری ۱۹۴۳ء) ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذات سرور کائنات علیہ السلام سے ہم کو زیادہ نفع دینے والی ہے، ہم اس سے کتے کو دفع کر سکتے ہیں اور ذات فخر دو عالم ﷺ سے تحذیر بھی نہیں کر سکتے۔

(الشہاب الثاقب۔ مولوی حسین احمد ٹانڈوی مدنی ص:۴۷)

جس کا نام محمد یا علی ہو وہ ایک چیز کا بھی مالک ومختار نہیں۔ (تقویۃ الایمان، اسماعیل

دہلوی)

قرآن کی روشنی میں : (۱): "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" (۲) ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمٰی "جن ہاتھوں کو خدا خود اپنا ہاتھ فرمارہا ہو اور ان ہاتھوں کے فعل کو اپنا فعل، ان کی بیعت کو اپنی بیعت، ان کی رمی کو اپنی رمی فرمارہا ہو پھر ان ہاتھوں کی طاقت قدرت اور قوت کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ اسی لئے اقبال کہتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا تھا

کارآفرین کارکشا کارساز

(۳): "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا﴿۶۴﴾" معلوم ہوا جب گناہوں کی بخشش جیسا عظیم مسئلہ اور پیچیدہ مشکل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر نہیں ہوسکتا جو گناہوں کو معاف کرائیں اس سے بڑی طاقت وقدرت اور کیا ہوگی، ان کے چاہنے سے دوزخی جنت میں چلا جائے گا۔

(۴): "وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ" (توبہ: ۷۴) اور نہیں برا لگا ان کو مگر اس بات سے کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فضل سے غنی کردیا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لوگوں کو غنی اور مال دار فرماتے ہیں دوسروں کو غنی وہ کرے گا جو پہلے خود مالک ہو۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو جہاں کے مالک بھی ہیں۔

(۵): "اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ" "وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى" عطا کردیا، غنی کردیا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ثابت ہوگئی۔ اب کیا دیا کتنا دیا یہ نہیں فرمایا پتہ چلا کہ سب کچھ دے دیا۔ اسی لئے علماء نے کوثر کے معنی خیر کثیر کئے ہیں۔ (۶): "هٰذا عطاؤنا فامنن اوامسک بغیر حساب" یہ ہماری عطاء آپ کو بے حساب ہے

چاہے آپ کسی کو باحسان عطاء فرمائیں چاہیں جمع رکھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہے۔

احادیث کی روشنی میں : (۱):"اعطیت مفاتیح خزائن الارض" (صحیح بخاری، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین) مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطاء کی گئی ہیں۔ کنجیاں مالک ہی کو دی جاتی ہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مالک ہونا ثابت ہوگیا جو مالک ہو اس کو اپنی ملکیت پر پوری قوت وقدرت ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے وہ ظاہر نہ فرمائیں جیسے دوسری حدیث میں ہے" لوشئت لسارت معی جبال الذھب" (مشکوٰۃ باب اخلاق النبی) اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔

(۳):" انماانا قاسم و الله یعطی "(مشکوٰۃ کتاب العلم) کہ اللہ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔ یہاں نہ زمانہ کی قید نہ کسی خاص چیز کی قید نہ لینے والے کی قید معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو خدا دیتا ہے اور جس کو دیتا ہے وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں سے دیتا ہے۔ تقسیم وہ ہی کرتا ہے جو مالک ہو اور اس کو اس پر قدرت ہو طاقت ہو۔

حضرت ربیعہ ابن ابی کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے خوش ہو کر ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سل" مانگ کیا مانگتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا "اسئلک مرافقتک فی الجنة" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جنت میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ مانگتا ہوں۔ فرمایا: "او غیر ذالک" کچھ اور مانگتا ہے۔ عرض کیا بس یہی مانگتا ہوں۔

اس حدیث میں "سل" عام ہے کوئی قید نہیں لگائی کہ فلاں چیز مانگ، یہ وہ ہی کہہ سکتا ہے جس کے قبضے میں سب کچھ ہو۔ پھر ربیعہ نے بھی دنیا کی کوئی چیز نہیں مانگی بلکہ جنت اور اس کا بھی اعلیٰ مقام مانگا۔ مانگا اسی سے جاتا ہے جو اس کا مالک ہو۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی آپ کے قبضہ میں ہے وہاں بھی آپ ہی کی بادشاہت ہے۔ پھر انہوں نے "اسئلک" کہا یہ نہیں کہا کہ میں خدا سے مانگتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تم

مشرک ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سے مانگ سکتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کچھ اور مانگ معلوم ہوا کہ جنت کے علاوہ بھی وہ مانگتا تو حضور ﷺ وہ بھی عطا فرما دیتے۔ حضور ﷺ اس پر بھی قادر ہیں۔

(۵): "انی رأیت الجنة فناولت منها عنقوداً ولو اخذته لاکلتم منها مابقیت الدنیا" (مشکوٰۃ: باب صلوٰۃ الخسوف) میں نے گرہن کی نماز کے دوران جنت کو دیکھا اور اس سے ایک خوشہ پکڑا اور اگر میں وہ خوشہ توڑ لیتا تو تم اس کو قیامت تک کھاتے رہتے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ دنیا میں رہ کر جنت کے خوشے توڑ کر صحابہ کو کھلا سکتے تھے مگر خود اپنے اختیار سے نہیں توڑا پتہ چلا کہ آپ ﷺ دنیا میں رہ کر بھی جنت کی ہر چیز کے مالک اور اس پر قادر ہیں۔

(۶): کہیں آپ ﷺ انگلیوں سے چشمے جاری فرما رہے ہیں، کہیں درختوں کو چلا رہے ہیں، کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے سورج کو پلٹا رہے ہیں، کہیں کنکریوں کو بلوا رہے ہیں کہیں چاند کے دو ٹکڑے فرما رہے ہیں، کہیں بادلوں کو لا کر بارش برسوا رہے ہیں، کہیں ایک اشارہ سے بادلوں کو ہٹا رہے ہیں، کہیں حضرت عثمان سے جنت کا سودا کر رہے ہیں، کہیں سراقہ کو شاہ فارس کے کنگن پہنا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور ﷺ کے قبضہ اختیار میں ہے۔ حتی کہ احکامات کے بھی آپ ﷺ ہی مالک ہیں، ارشاد فرمایا مسلمانو! تم پر حج کرنا فرض ہے کسی نے دریافت کیا کیا یارسول اللہ ﷺ! ہر سال فرض ہے؟ فرمایا اگر میں ابھی "ہاں" کر دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور سب کو ہر سال حج کرنا پڑتا۔ (مشکوٰۃ کتاب الحج) معلوم ہوا کہ سب قانون کے پابند ہیں لیکن قانون الٰہی مصطفیٰ کے لب ہائے مبارک کی ایک جنبش کا منتظر ہے تو جو ان کے منہ سے نکلے وہ بھی رب کا قانون بن جائے۔ ان احادیث کی روشنی میں وہابیوں کے عقائد کو دیکھا جائے کہ کہاں تک صحیح ہیں۔

مخالفین کے اقوال: اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مالک ومختار ماننا شرک وکفر ہے تو ان اکابرین دیوبند کے متعلق کیا فتویٰ جو نادانستہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مالک ومختار مان گئے۔ مثلاً

اسماعیل دہلوی کہتا ہے: "ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش وفرش تک ہماری سلطنت ہے"۔
(صراط مستقیم، اسماعیل دہلوی، ص: ۱۰۳، تیسرا افادہ)

قاسم نانوتوی کہتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

مدد اسی سے مانگی جاتی ہے جس کے قبضہ میں کچھ ہو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مالک ومختار ہیں۔ شیخ محمود الحسن کہتے ہیں۔ آپ اصل میں مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم القصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اصل مالک ہیں اور یہ وجہ ہے کہ عدل ومہر ان پر آپ کے ذمہ واجب نہ تھا۔
(ادلہ کاملہ، شیخ محمود الحسن، ص ۱۲)۔

مخالفین کے اعتراضات: "قل لااقول لکم عندی خزائن الله" اے محبوب! فرمادو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کچھ بھی نہیں۔ پھر مالک ہونے کے کیا معنیٰ؟

جواب: یہاں خزانے کے مالک ہونے کی کہیں نفی نہیں بلکہ دعویٰ کرنے کی نفی ہے کہ میں لوگوں سے کہتا نہیں پھرتا کہ میرے پاس خزانے ہیں دعوے وہی کرتے ہیں جن کے پاس ضبط کی طاقت نہ ہو۔

جواب ۲: صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس خزانے نہیں کیونکہ خزانے تو خزانچی کے پاس ہوتے ہیں، ان کا تو صرف حکم اور اشارہ چلتا ہے اور جس کو جو چاہتے ہیں خزانہ

سے دلوا سکتے ہیں۔

جواب ۳: چونکہ یہ منافقوں اور کفار سے خطاب کیا اس لئے فرمایا کہ میرے پاس خزانے نہیں کیونکہ چوروں سے خزانے چھپائے جاتے ہیں جبکہ اپنوں کو بتائے جاتے ہیں، اسی لئے مسلمانوں سے یہ نہیں فرمایا بلکہ ان سے یہ فرمایا "**اوتیت مفاتیح خزائن الارض**"

(۲): "**قل لا املک لنفسی نفعا و لا ضرا الا ماشاء الله**" اے محبوب! فرما دیجئے میں تو اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا ملک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تو اپنے نفع و نقصان کے مالک نہیں تو دوسروں کو کیا دیں گے، دوسری چیزوں کے کیا مالک ہوں گے۔

جواب: لفظ "**الا ماشاء الله**" میں اس کا جواب موجود ہے کہ میں بغیر رب کے چاہے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں لیکن رب کے چاہنے سے اس کے دینے سے مالک ہوں۔ یہاں ذاتی ملکیت کا انکار ہے اور عطائی کا اقرار ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک معمولی جج تو تمہیں جیل بھجوا کر نقصان دے اور حضور ﷺ کسی نفع و نقصان کے مالک نہ ہوں؟

(۳): "**انک لاتهدی من احببت و لکن الله یهدی من یشاء**" یہ نہیں کہ جسے تم چاہو ہدایت کر دو ہاں اللہ جس کو چاہے ہدایت دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو کسی کو ہدایت دینے کا اختیار نہیں؟

جواب: اس آیت میں اور اس جیسی دوسری آیات میں مستقل ملکیت اور مستقل قبضہ کی نفی ہے، اس آیت کے معنی بھی یہ ہیں کہ اے حبیب جسے ہم ہدایت نہ دینا چاہیں اسے آپ ہدایت نہیں دے سکتے اگر یہ معنی اس آیت کے نہ کئے جائیں تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہوں گے "**وانک لتهدی الیٰ صراط مستقیم**" یعنی اے محبوب

یقیناً آپ سیدھے راستے کی ہدایت فرماتے ہیں، اسی طرح فرمایا "ان ھٰذاالقرآن یھدی للتی ھی اقوم" کہ قرآن بھی ہدایت کرتا ہے۔ پتہ چلا کہ مستقل کوئی ہدایت نہیں کر سکتا اور خدا کی عطاء سے قرآن بھی اور حضور ﷺ بھی ہدایت کر سکتے ہیں۔

(۴): " استغفرلھم اولاتستغفرلھم ان تستغفرلھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم" اے محبوب! آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر بار بھی ان کی معافی چاہیں تو اللہ ہرگز ان کو نہیں بخشے گا۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ان منافقوں کے لئے دعا بھی کریں تو تو ان کی دعا قبول نہیں ہوگی، پھر ملکیت اور طاقت وقدرت اختیار تو کچھ نہیں ہوا۔

جواب: اس آیت میں تو حضور ﷺ کی شان بیان کی جارہی ہے کہ محبوب ان منافقوں نے آپ کے دل کو ایذاء پہنچائی ہے لہٰذا میں ان کو ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں ہوسکتا ہے آپ کی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی کیسا ہی دشمن ہوگا آپ ﷺ اس کے لئے ضرور ہاتھ اٹھادیں گے لیکن محبوب میری محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ جو آپ کا دشمن ہے اس کو میں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اسی لئے بعض آیات میں حضور ﷺ کو دعا کرنے سے بھی منع کر دیا کیونکہ خدا کو محبوب کی بات ٹالنا گوارہ نہیں جبکہ ان کو سزا دینا ضرور ہے اس لئے فرمایا کہ محبوب ان کے لئے دعا نہ کرو کیونکہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری بات خالی جائے۔

(۵): تم نے تمام جہاں کا مالک ومختار بنا کر خدا کے برابر کردیا یہ شرک ہوگیا؟

جواب: دنیاوی بادشاہ اپنے مقرر کئے ہوئے حکام کو مختار بنادیتے ہیں، اور جس درجہ کا حاکم ہوتا ہے اسی قدر اس کو اختیار دے دیا جاتا ہے۔ ایس ایچ او کا اختیار ایک محلہ تک، ایس پی، ڈی ایس پی کا اختیار ایک وسیع علاقہ تک، ڈی سی کا اختیار ایک شہر ایک ضلع تک، کمشنر کا اختیار پورے ڈویژن تک پھر گورنر اور وزیر اعلیٰ کا اختیار ایک صوبے

تک پھر وزیر اعظم کا اختیار پورے اس کے ملک پر وہ ساری سلطنت کا سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود صدر اور بادشاہ مملکت کی سلطنت اور نہ اختیار میں کوئی کمی نہیں آتی اور نہ وہ اس کا مقابل کہلاتا ہے اور نہ سلطنت بادشاہ کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے بلکہ بادشاہ اس کا اصل مالک ہوتا ہے اور دیگر لوگ اس کی عطاء سے اس کے مالک ہوتے ہیں اسی طرح سارے عالم کا اصل مالک رب ذوالجلال ہے لیکن وہ اپنے پیاروں کو بھی اختیار عطاء فرماتا ہے جس میں اولیاء، اغواث، اقطاب اور انبیاء و رسل ملائکہ سب شامل ہیں۔ اور یہ اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی بادشاہت کے مالک ومختار ہوتے ہیں کسی مردہ کو زندہ کرتے ہیں کسی بیمار کو شفا دیتے ہیں، کسی کا بیٹا دیتے ہیں، کسی کو غنی دولت مند کر دیتے ہیں جیسا کہ قرآن واحادیث سے ثابت ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس مجازی ملکیت اور اختیار سے خدا کی ذاتی ملکیت اور اختیار میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اس کو شرک کہا جاتا ہے۔ بی یسمع وبی یبصر کے موجب وہ صفات الہیہ کا مظہر ہوتے ہیں ان کا چاہنا اللہ کا چاہنا ہوتا ہے ،لہٰذا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا شانِ رسالت کے بھی منافی ہے اور شان الوہیت کے بھی منافی ہے کہ معاذ اللہ خدا کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا آپ کی طاقت وقدرت اور قوت وشوکت کے متعلق شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابتؓ نے خوب فرمایا ؎

له همم لا نتها لكبارها

وهمته الصغرى رجل من الدهر

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار ہمتیں اور قوتیں ہیں جن میں سے بڑی بڑی ہمتوں کی تو انتہاء ہی نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت وقدرت کا ادنیٰ کرشمہ یہ سمجھ لیجئے کہ پورے زمانہ پر حاوی اور غالب ہے اور اسے زیروزبر کر سکتا ہے۔ اسی لئے اعلیٰحضرت فرماتے ہیں ؎

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت اور بشریت

ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں انسانی اور بشری لباس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور چونکہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن وحدیث میں ''نور'' فرمایا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور بھی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت بھی نورانی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت بھی نورانی اور بے مثل و بے مثال ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بشری جسم کو ایسا لطیف ونظیف اللہ نے فرما دیا ہے کہ اس میں کسی قسم کی عنصری اور مادی کثافت باقی ہی نہیں رہی (ظل النبی، علامہ احمد سعید کاظمی ص:۱۴۶) اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہہ کر پکارنا حرام ہے اور از روئے توہین کوئی کہے تو وہ کافر ہے عالمگیری وغیرہ میں ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیت اہانت ''ھذاالرجل'' کہے وہ کافر ہو گیا۔

وھابیوں اور جماعتیوں کا عقیدہ: نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں'' (براہین قاطعہ، ص ۳) انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کے بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔ (تقویۃ الایمان، اسماعیل دہلوی، ص:۶۰) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد مبارک اور رنگت اور چہرہ شریف اعلیٰ اور تن مبارک حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسا تھا۔ (اصدق الرؤیا، ص:۵) مطلب یہ ہے کہ بعض صفات میں، ہم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشترک ہیں۔

(افاضات یومیہ، اشرف علی ص:۴۶۴)

مولوی محمود الحسن اپنے استاد رشید احمد گنگوہی کے متعلق اپنے قصیدہ میں کہتا ہے۔

زبان پر اہل ہوا کی ہے کیوں اجل ہبل شاید
اٹھا عالم سے کوئی بانی اسلام ثانی

(مرثیہ ص:٦)

نام نہاد مسلمانوں نے کہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے نور سے پیدا ہوئے

(صحیفۂ اہل حدیث کراچی ص:٩، ٢٨ نومبر ١٩٠٤ء)

اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ (تفہیمات ابوالاعلیٰ مودودی ج:١، ص:١٩٥)

جو شخص یوں کہتا ہے کہ خدا بھی نور ہے اور نبی بھی نور ہے ایسا شخص بیشک اسلامی تعلیم کا منکر ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے مسلمان میں اور ان یہود و نصاریٰ میں جنہوں نے انبیاء کو رب بنالیا کوئی فرق نہیں۔ (برہان الحق، مولوی احمد دین گھکڑوی، ص:١٠١)۔

رسول ایک انسان ہے اور خدائی میں اس کا ذرہ برابر بھی کوئی حصہ نہیں ہے وہ نہ فوق البشر ہے نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے نہ خدا کے خزانوں کا مالک ہے نہ عالم الغیب ہے کہ اس کو خدا کی طرف سے سب کچھ معلوم ہو وہ دوسروں کے لئے نافع و ضار ہونا تو در کنار خود اپنے لئے بھی کسی نفع وضرر کا اختیار نہیں رکھتا۔ (روزنامہ نوائے وقت، ابوالاعلیٰ مودودی، ١١، اپریل ١٩٧٦ء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو نمونہ قرار دینے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے حکم دینے سے یہ مراد نہیں کہ تمام معاملات زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ کیا ہے اور جس طرح کیا ہے سب انسان بعینہ وہی فعل اسی طرح کریں اور اپنی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کی ایسی نقل اتاریں کہ اصل اور نقل میں کوئی فرق نہ رہے، یہ مقصد نہ قرآن کا ہے نہ ہوسکتا ہے۔

(تفہیمات، ص ١٢، ج:١)

قرآن کی روشنی میں: "قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین"

(پارہ:۶،رکوع:۷) بیشک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور کتاب مبین۔اس آیت میں تمام مفسرین کے نزدیک نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

(۲):"یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا (احزاب:۴۵) اے پیارے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا۔صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روشن چراغ اس لئے فرمایا کہ چراغ سے ہزار چراغ بھی روشن کر لئے جائیں تو چراغ کے نور میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی،اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے سارے نبیوں کو پیدا فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی۔

(۳): "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝" (الحجرات:۲) رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو،اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔

اس آیت کی رو سے ہم آپس میں ایک دوسرے کو نام لیکر بھائی وغیرہ کہہ کر بلاتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ناموں سے پکارنا جائز نہیں۔دنیا میں جو کوئی عظمت والی،شان والی ذات ہوتی ہے اس کو عظمت والے ناموں سے پکارا جاتا ہے استاد، پیر باپ کو کون بھائی کہہ کر بلاتا ہے۔سب کو ایک نام سے نہیں پکارا جاتا تو جو خلیفۃ اللہ فی الارض ہو خدا کا محبوب ہو اس کو بھائی وغیرہ کہہ کر پکارنا کب جائز ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھنے والی ازواج کے لئے فرمایا گیا قرآن میں "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" (احزاب:۳۲)

حدیث کی روشنی میں :(ا): "اول ماخلق الله نوری" سب سے پہلے جو شئی اللہ نے پیدا فرمائی وہ میرا نور تھا۔ جب حضور ﷺ خود اپنے آپ کو نور فرما رہے ہیں تو آپ کے بارے میں وہابیوں کی کیا رائے ہے۔

(۲): "یاجابران الله تعالیٰ خلق قبل کل الاشیاء نورنبیک من نوره" (حجۃ اللہ علی العالمین، ص ۲۸)۔

(۳): "متی وجبت لک النبوۃ یارسول الله !قال وآدم بین الروح والجسد" (مشکوٰۃ) آپ کب سے نبی بنے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت جبکہ آدم کی روح کا تعلق جسم سے مکمل نہیں ہوا تھا اور نہ ان کی تخلیق مکمل ہوئی تھی۔

یہ احادیث بالاخود حضور ﷺ کے ارشاد ہیں اور معتبر کتابوں میں مستند علماء نے بیان فرمائے ہیں وہابیوں کے عقیدہ کے مطابق کیا وہ سب نام نہاد مسلمان ہوئے؟ معاذ اللہ۔ ان میں اور یہودیوں میں کوئی فرق نہیں کہنا کس قدر بڑی گستاخی ہے۔

(۴): حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ "قدخرج لهانوراضاء لهامنه قصور الشام" (مشکوٰۃ ص:۵۰۵) یعنی جب میری ولادت ہوئی تو ان سے ایسا نور ظاہر ہوا جس سے ان کے سامنے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

انت لماولدت اشرفت الارض

وضائت بنورک الافق

اقوال علماء وصوفیاء: شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس نور محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بشریت کے پردہ میں چھپا دیا تا کہ ہم آپ ﷺ کو دیکھ سکیں اور ان کا اتباع کر سکیں، اگر وہ حقیقت محمدی بے نقاب ہو جائے تو مخلوق میں کسی کی ہمت نہیں کہ اس کو دیکھ سکے اسی کی طرف حضور ﷺ کی اس حدیث میں ارشاد

ہے۔ "لی مع اللہ وقت لایسعنی فیه ملک مقرب ولانبی مرسل" جب میں بارگاہ خداوندی میں ہوتا ہوں تو اس وقت میرے دیکھنے کی تاب نہ کسی مقرب فرشتے میں ہوتی ہے اور نہ کسی نبی ورسول میں (تکملہ مدارج النبوۃ)۔ شفاء شریف میں حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح پاک آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل اپنے رب کے یہاں بطور ایک نور کے موجود تھی وہ ہی نور تسبیح کہتا سب ملائکہ آپکی تسبیح کا اتباع واقتداء کرتے اور سب تسبیح کہتے جب اللہ نے آدم کو پیدا فرمایا تو وہ نور ان کی پشت میں ودیعت فرمایا وہ ہی نور پاک پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا حضرت آمنہ سے انسانی اور بشری صورت میں جلوہ گر ہوا کیونکہ وہ نور اگر حجاب بشری میں مستور ہو کر نمودار نہ ہوتا تو کسی انسان میں اس کے دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سر سے قدم تک نور تھے۔

اقوال منکرین: مولوی رشید احمد گنگوہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اور ایسی جگہ سے یہ بات ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں فرمایا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آئی اور نور سے مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پاک ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی ہم نے آپ کو شاہد ومبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے اور منیر روشن کرنے اور ور دینے والے کو کہتے ہیں پس اگر انسانوں میں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پاک کے لئے یہ امر میسر نہ ہوتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پاک بھی جملہ اولاد آدم علیہ السلام سے ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ذات پاک کو ایسا مظہر فرمایا کہ نور خالص ہو گئے اور حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نور فرما دیا اور تواتر سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا

تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں ۔(ترجمہ از امداد السلوک ،رشید احمد گنگوہی مطبوعہ بلال دخانی پریس ساڈھدرہ ص:۸۶،۸۵)

عقلی دلائل: ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت بھی نور تھی اور وہ نور جس جسم اقدس میں منتقل ہوا وہ جسم اطہر بھی ایسا لطیف اور نورانی تھا کہ جسمانی کثافتوں سے پاک تھا۔وہ جسم عام انسانوں جیسا نہ تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس جسم اقدس کے ہاتھ پیر آنکھ کان ،ناک ،پسینہ مبارک ،پیشاب مبارک ،خون مبارک ،لعاب دہن مبارک سب معجزہ تھے۔کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ کو عطر بنا رہا ہے،تو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب مبارک کو پی رہا ہے اور جس عورت نے پیا اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو کبھی دردزہ نہیں ہوگا جس شخص نے پیا تو اس کے جسم سے اس کی اولاد کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

ام یوسف نے پیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے اپنے آپ کو تمام بیماریوں سے محفوظ کر لیا۔حضرت عبداللہ بن زبیر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب قصد لگوایا تو وہ خون مبارک نوش فرما گئے۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے دوزخ کی آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔لعاب دہن جس کے لگا دیا اس کو شفا مل گی،جس ہانڈی میں ڈالا اس میں برکت ہوئی،کنویں میں ڈالا تو شیرین چشمہ بن گیا۔الغرض یہ تمام لوازم بشریت ہیں ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی برابری نہیں تو ثابت ہوا کہ پورے جسم اقدس میں کوئی برابر نہیں ۔کیونکہ اختلاف لوازم اختلاف ملزوم کو مستلزم ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت تمام انسانوں کی بشریت سے باعتبار حقیقت اور ماہیت کے مختلف ہے ۔بشر ہونے میں اشتراک محض لفظی ہے نہ کہ حقیقی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت تو انبیاء کی ارواح اور نوری ملائکہ سے بھی زیادہ لطیف اور پاکیزہ ہے اسی لئے وہ سرحد وجوب تک واصل ہوئی،اور زمان ومکاں کی حد سے نکل کر لامکاں میں جلوہ گر

ہوئی جہاں جبرئیل بھی فروغ تجلی بسوز د پرم کہہ کر پیچھے ہٹ گئے۔اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہو گئے۔اور اسی لئے جب صحابہ نے حضور ﷺ کی طرح صوم وصال رکھنے شروع کئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:"ایکم مثلی ابیت عندربی فیطعمنی ویسقینی" تم میں سے کون میرے مثل ہے میں تورات کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہ ہی مجھے کھلاتا ہے اور وہ ہی مجھے پلاتا ہے۔حضور ﷺ کے اس خطاب کے وقت سامنے حضور ﷺ کے سسر بھی ہیں داماد بھی ہیں چچے بھی چچازاد بھائی بھی ہیں حسب ونسب میں شریک قریش بھی ہیں لیکن سب سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی میرے مثل نہیں لیکن دیو بند کے نتھو، بدھو حضور ﷺ کے مثل ہو گئے۔معاذ اللہ۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہد کی مکھی اور عام مکھی ایک جیسا کھاتی پیتی ہیں لیکن ایک سے پاخانہ بیماری پیدا ہوتی ہے اور ایک سے شہد اور شفاء۔لہٰذا کھانا پینا صورت ایک جیسی ہونے سے حقیقت ایک جیسی نہیں ہو جاتی۔

لہٰذا آپ ﷺ کی بشریت بھی بے مثل و بے مثال ہے۔کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ حضور ﷺ کو اپنی مثل کہہ کر گستاخی کرے۔کوئی باپ کو، استاذ کو، پیر کو، بھائی کہے تو بے ادبی ہے چہ جائیکہ نبی کو بھائی کہا جائے۔اور اگر صرف نام میں شرکت کی وجہ سے بھائی اور بشر کہنا صحیح ہو تو سب انسان حیوان ناطق ہیں، حیوان ہونے میں سب شریک ہیں لہٰذا علمائے دیو بند کو کتا بلی، سور کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ فرق اتنا ہے کہ وہ ناطق نہیں یہ سب ناطق ہیں بہر حال حیوان ہونے میں شریک ہیں۔تم چھوٹے بھائی وہ بڑے بھائی۔

کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خود مسلمانوں کو اپنا بھائی فرمایا:" تو اگر کسر نفس کے طور پر آپ ﷺ نے فرما دیا تو اس سے ہمارے لئے جواز کہاں سے نکل آیا اگر کوئی استاذ یہ اپنے شاگرد مرید کو پیارے بھائی کہہ دے تو کیا شاگرد اور مرید کو بھی حق ہو گا کہ

وہ اپنے پیر کو بھائی کہتا پھرے یہ تو گستاخی ہوگی ۔تو حضور ﷺ کی شان اقدس ان سے کہیں بلند ہے؟

اعتراض وجواب اول: وہابی دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ حضور ﷺ کا جسم ایسا نظیف ولطیف تھا کہ تمام مادی کثافتوں سے پاک اور نورانی تھا یہ غلط ہے یہ دعوی تمہارا بلا دلیل ہے ۔باقی رہی وہ آیات واحادیث جن میں حضور ﷺ کو نور فرمایا گیا ہے اس میں نور سے نور ہدایت مراد ہے حسی یا جسمانی نور مراد نہیں ہے؟

جواب: قرآن پاک میں جو حضور کو ۔"من الله نور "اور"سراجا منیرا" فرمایا گیا ہے اس میں حسی اور ظاہری نور مراد ہے کیونکہ آپ ﷺ کی جسمانی نورانیت بھی بہت احادیث سے ثابت ہے جس میں سے چند احادیث پیش خدمت ہیں ۔

(ا): حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کی ہے "لم یکن یری له ظل فی شمس ولاقمر" کہ سورج اور چاند کی روشنی میں حضور ﷺ کا سایہ نہ دیکھا جاتا تھا، ابن سبع (محدث) نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی خصائص سے یہ بات ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور یہ اس لئے تھا کہ آپ ﷺ نور تھے، بعض علماء (محدثین) نے کہا ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ ہونے کی شہادت حضور ﷺ کی یہ حدیث بھی دیتی ہے جس میں حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ۔"واجعلنی نوراً" یعنی مجھے نور کردے ۔(خصائص کبرٰی علامہ جلال الدین سیوطی، ج:۱،ص:٦٨) اس روایت کو زرقانی نے بھی روایت کیا اس کے علاوہ زرقانی نے مزید روایات بھی سایہ نہ ہونے کی نقل کی ہیں جس میں حضرت ابن مبارکؒ اور علامہ ابن جوزیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (صحابی) کی روایت نقل کی ہے کتاب الشفاء لابن سبع میں بھی یہی روایت ہے ۔اس کے علاوہ مواہب اللدنیہ ج:۱،ص:۲۸، مفردات امام راغب اصفہانی ،مطبوعہ مصر،ص:۳۱۷،شفاء لقاضی عیاض، ج:۱ ص:۲۴۲، نسیم الریاض

ج:۳ص:۳۱۹، سیرۃ حلبیہ ج:۳،ص:۴۲۲، تفسیر مدارک، ج:۲ ص:۱۰۳، تفسیر عزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی پارہ ۳۰، ص۳۱۹، مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ج:۲ ص:۱۶۱، افضل القریٰ امام ابن حجر مکی مطبوعہ مصر، مجمع بحار الانوار ج:۳ص:۴۰۲، فتوحات احمدیہ شرح امیریہ، سلیمان جمل، مثنوی مولانا روم دفتر پنجم، شرح مثنوی بحر العلوم، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، ج:۳ص:۱۸۷، عزیز الفتاویٰ (وہابیوں کا) اتنے حوالوں اور مستند روایتوں کے باوجود شبلی کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے ناظرین خود فیصلہ کریں ''عام طور پر مشہور ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا لیکن اس کی کوئی سند نہیں (سیرۃ النبی ج:۲ص ۱۹۷)۔

ان تمام کتابوں میں نہ صرف یہ کہ حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کو بیان کیا گیا ہے بلکہ اس سایہ نہ ہونے کی دلیل اور سبب بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ نور تھا اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ سایہ اس تاریک جگہ کو کہتے ہیں جہاں جسم کثیف کے حائل ہو جانے کی وجہ سے چاند اور سورج کی روشنی وہاں نہ پہنچ سکے لیکن جب جسم مبارک میں کثافت ہی نہ رہی تو وہ نورانی جسم کسی روشن چیز کی روشنی کے لئے کیسے حائل اور حجاب بن سکتا تھا لہٰذا تاریک سایہ سے آپ کا جسم مبارک پاک تھا، اور اس پر بطور استدلال تمام علماء و محدثین حضور ﷺ کی حدیث مبارک "واجعلنی نورا" پیش فرمارہے ہیں۔ ثابت ہوا کہ ان تمام علماء کے نزدیک نور سے آپ کا جسمانی نور اور حسی نور مراد ہے، حتیٰ کہ یہی بات مولوی رشید احمد گنگوہی کی تحریر سے بھی ثابت ہے جو کہ پہلے نقل کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک بھی جسمانی نور مراد تھا کیونکہ انہوں نے اپنی تحریر میں حضور ﷺ کے نور ہونے پر حضور ﷺ کے سایہ نہ ہونے سے استدلال کیا ہے۔

(۱): حضرت حسن بن علی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے ماموں حضرت ربیب ہند بن ابی ہالہ نے فرمایا کہ "یتلالو وجھه تلا لؤ القمر لیلة البدر" یعنی آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور ایسا چمکتا تھا اور روشنی دیتا تھا جیسے چودھویں رات میں چاند چمکتا ہو۔ اسی حدیث میں آگے فرمایا "له نور يعلوه" کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنسی مبارک کا نور، ہنسی مبارک پر یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا نور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک پر غالب رہتا تھا۔ (شمائل ترمذی ص:۲)

(۱): حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔:"واذاضحك صلی اللہ علیہ وسلم يتلألؤ في الجدر" رواه البزار والبيهقي اى يضئ في الجدر ،اى يشرق نوره عليها اشراقا كاشراق شمس" (مواہب اللدنیہ ج:۱ص:۲۷۱) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسکراتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور دیواروں پر چمکتا تھا ،اس حدیث کو بزاز اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، پھر اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور دیواروں پر ایسا چمکتا اور روشن ہوتا تھا جیسے سورج کی روشنی دیواروں پر پڑتی ہے اور چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

(۳): خصائص کبریٰ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں کپڑے سی رہی تھی ہاتھ سے سوئی گر پڑی چراغ گل ہونے کی وجہ سے اندھیرا تھا سوئی تلاش کرنے کے باوجود نہ ملی اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور سے ایسا نور نکلا کہ سوئی ظاہر ہوگئی اور مل گئی، اسی طرح مطالع المسرات میں ہے تاریک گھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے روشن ہو جاتے تھے۔

(۵): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طفیل بن محمد دوسی کو تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا انہوں نے نشانی کے طور پر کسی کرامت کے عطا کرنے کیلئے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک ان کے ماتھے پر رکھدی وہ جگہ چمکنے لگی انہوں نے عرض کیا حضور لوگ کہیں برص کا داغ خیال نہ کریں اسے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی چھڑی کو اس جگہ پر رکھا تو وہ چھڑی میں آ گیا اور چھڑی چمکنے لگی ۔شیخ عبدالحق اس حدیث کو نقل

کرنے کے بعد مدارج میں فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کے نور سے چھڑی روشن ہو جائے تو آپ ﷺ کے اعضاء اور بدن کے نور کا کیا کہنا جو نور علی نور ہے۔

مذکورہ بالا احادیث میں "قمر و شمس" وغیرہ سے محض حسن و جمال سے استعارہ نہیں بلکہ اس سے حسی روشنی اور چمک مراد ہے جیسے کوئی کہے " رأیت اسدا" تو یہاں اسد، رجل شجاع سے استعارہ ہوگا لیکن جب کہا جائے " رأیت اسدا فیفترس " تو اس سے اسد حیوان مفترس ہی مراد ہوگا کیونکہ مفترس قرینہ موجود ہے اسی طرح ان احادیث میں بھی دیواروں کا روشن ہو جانا ہنسی مبارک پر نور کا غالب آ جانا، سوئی کا مل جانا، تاریک گھروں کا روشن ہو جانا، یہ سب قرائن اس بات پر شاہد ہیں کہ اس نور سے حسی اور ظاہری نور مراد ہے۔ حتی کہ مولوی اشرف علی تھانوی کا ایک قول بھی اس کی تائید کرتا ہے ان کے نزدیک بھی حسی نور مراد تھا وہ کہتے ہیں " جب آپ ہنستے تھے تو دیواروں پر چمک پڑتی تھی۔ (نشر الطیب ص:۱۶۰)

اعتراض وجواب دوم: حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ میرے حجرۂ مبارک میں رات کو نماز ادا فرماتے تھے چراغ نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرا ہوتا تھا حضور ﷺ جب سجدے میں جاتے تھے تو میرے پاؤں کو اپنے دست مبارک سے دباتے اور میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی تب حضور ﷺ سجدہ فرماتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ " حضور ﷺ سے ظاہری نور ظاہر نہیں ہوتا تھا۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث میں نور اقدس کے وجود کی نفی ثابت نہیں ہوتی بلکہ زیادہ سے زیادہ ظہور نور کی نفی ثابت ہو رہی ہے جبکہ نفی ظہور نفی وجود کو مستلزم نہیں لہٰذا کسی مصلحت کی وجہ سے نور کا ظاہر نہ ہونا نور کے وجود کی نفی کو ثابت نہیں کرتا، اس حدیث میں بھی بہت سے مسائل بتانے مقصود

تھے اس لئے حسی نور کا ظہور نہیں ہوا جیسے اندھیرے میں نمازی کا جواز، نماز کے آگے عورت کا لیٹنا عورت کو ہاتھ لگانے سے نماز کا درست رہنا وغیرہ وغیرہ۔

اعتراض وجواب سوم: مسند امام احمد کی ایک روایت میں ہے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قول منقول ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ظل مبارک کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ لغت کی تمام کتابوں کے علاوہ مجمع بحار الانوار اور تفسیر مظہری میں ظل کے بہت سے معنی تقریبا چودہ معنی لکھے ہیں جس میں ایک معنی ''شخص اور جسم'' کے بھی ہیں لہٰذا یہاں بھی وہ ہی معنی مراد ہیں۔ اگر ظل کے معنی بقول وہابیہ صرف تاریک سایہ کے ہیں تو وہاں اس آیت کے معنی کیا کریں گے جس میں اللہ تعالیٰ کے سایہ کا ذکر ہے۔ ''یوم لاظل الاظلہ'' اس دن اللہ کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا۔؟

اسی طرح ایک اور حدیث جس کو وہابی سایہ کی نفی کیلئے پیش کرتے ہیں جس میں نماز میں حضور ﷺ کے جنت کے مشاہدہ کا ذکر ہے اور آخیر میں ہے ''حتی لقد رأیت ظلی وظلکم'' یہاں تک کہ میں نے اپنا اور تمہارا ظل دیکھا۔ یہاں بھی ظل سے شخص اور جسم مراد ہے معنی یہ ہیں کہ جنت کی ہر چیز دیکھ لی حتی کے وہاں جنت میں جنتیوں کے درمیان خود اور تم کو بھی دیکھ لیا۔

صحابہ کا عقیدہ

حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

خلقت مبرأمن کل عیب کانک قدخلقت کماتشآء

یعنی اللہ نے آپ ﷺ کو ہر عیب اور کمزوری سے پاک پیدا کیا یا اللہ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق پیدا کیا۔ جبکہ مودودی صاحب کہتے

ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معاذ اللہ بشری کمزوریاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری کائنات کے لئے بہترین اسوہ نمونہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کو بہترین فرما رہا ہے "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ" میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطلق اتباع کا حکم دے رہا ہے۔ تو معاذ اللہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بشری کمزوریاں ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور اتباع کا کیا مقصد رہ جائے گا؟

انما انا بشر مثلکم: یہ صرف "انما انا بشر مثلکم" تو دیکھتے ہیں لیکن اگلا جملہ "یوحی الی" نہیں دیکھتے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! آپ فرما دیجئے (معلوم ہوا کہ یہ کہنا صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جائز ہے) تا کہ طاقتوں اور معجزات کو دیکھ کر مجھے خدا نہ سمجھ لینا میں تو تمہاری طرح خدا کا بندہ ہوں۔ لیکن "مثلکم" سے کوئی یہ سمجھ لے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وصف میں ہم جیسے ہیں تو "یوحیٰ الیّ" کہہ کر اس کی تردید فرما دی کہ ہم نبی ہیں صاحب وحی ہیں تم امتی ہو، امتی نبی کے برابر کب ہو سکتا ہے۔ جیسے ناطق نے انسان کو دیگر حیوانات سے جدا کر دیا۔ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ اس قسم کی آیات جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برابری اور مساوات کا بظاہر پتہ چلتا ہے وہ آیات متشابہات میں سے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال قرآن میں دی گئی "کمشکوۃ فیھا مصباح" نور خدا کی مثال چراغ کیساتھ دینے میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نور خدا چراغ جیسا ہے اسی طرح "بشر مثلکم" کہنے سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم جیسے بشر ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے الفاظ وہ ہیں جو کہ پیغمبر اپنے لئے استعمال فرما سکتے ہیں اور یہ ان کا کمال ہوتا ہے اظہار تواضع ہوتا ہے، لیکن اگر وہ ہی لفظ کوئی ان کے لئے استعمال کرتے تو کافر ہو جائے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے لئے فرمایا: "ربنا

ظلمنا انفسنا" حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا "انی کنت من الظٰلمین" حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے فرمایا "فقتلھا اذا و انامن الضالین" اب اگر کوئی ان انبیاء کو ظالم اور ضال کہے تو وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔

اسی طرح خود انبیاء تو خود کو بشر کہہ سکتے ہیں لیکن دوسرا استعمال کرے تو گنہگار ہوگا اسی لئے قرآن میں اس کو کافروں کا قول کہا گیا ہے "ماانتم الابشر مثلنا" ترجمہ: تم نہیں ہو مگر ہم جیسے بشر۔

اعتراض وجواب: قرآن میں ہے "انما المؤمنون اخوۃ "تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھائی کیوں نہ کہیں؟

جواب: اللہ بھی مؤمن ہے پھر اس کو بھی بھائی کہو؟ معاذ اللہ ۔ ارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مومن نہیں بلکہ عین ایمان ہیں۔

اعتراض: بشر، انسان، عبد کے ایک معنی ہیں ان سب کا کہنا حرام ہونا چاہئے؟

جواب: بشر چونکہ کفار بطور اہانت کہتے تھے اس لئے یہ حرام دوسرے جائز جیسے "راعنا" انظر" دونوں کے ایک معنی ایک جائز دوسرا نا جائز۔

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجیت

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد "حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" دین اسلام کا دوسرا سب سے بڑا اور اہم ماخذ ہے ۔کوئی مسئلہ اگر قرآن میں مبہم ہو یا بظاہر نہ ملے تو پھر حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا۔اور اس کے مطابق مسائل اخذ کئے جائیں گے۔

مخالفین کا عقیدہ: بعض مغرب زدہ لوگ جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں وہ حدیث کی حجیت کے قائل نہیں اور اس گروہ کے مختلف لوگوں کے مختلف نظریات ہیں۔ مثلاً بعض کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام

صرف قرآن پہنچانا تھا ہم پر اب قرآن کی اطاعت واجب ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت نہ صحابہ پر واجب تھی نہ ہم پر واجب ہے۔ قرآن سمجھنے کیلئے کسی حدیث کی ضرورت نہیں۔ اہل قرآن کا ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ حضور کی احادیث صحابہ پر حجت تھیں لیکن ہم پر حجت نہیں، اور تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات تمام مسلمانوں پر حجت ہیں لیکن چونکہ موجودہ احادیث ہمارے پاس قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں اس لئے ہم انہیں ماننے کے مکلّف نہیں۔

منکرین حدیث کا یہ فتنہ بیسویں صدی کے آغاز میں بعض مغرب زدہ لوگوں نے برپا کیا تا کہ وہ اپنے مغربی افکار کو پھیلا سکیں اور حدیث جوان کی راہ میں رکاوٹ ہے اس سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں ہندوستان میں سر سید احمد خان ان کے رفیق مولوی چراغ علی، مصر میں حسین، ترکی میں ضیاء گوگ اس طبقہ کے رہنما تھے۔ انہوں نے جن احادیث کو اپنی مرضی کے خلاف اور مغربی افکار سے متصادم پایا اس کی حجت سے انکار کر دیا اور جو اپنے مطلب کی حدیث نظر آئی اس پر عمل کر لیا چنانچہ انہوں نے تجارتی سود کو حلال کیا، معجزات کا انکار کیا، عورتوں کے پردہ کا انکار کیا، فرشتوں کا انکار کیا وغیرہ وغیرہ اسکے بعد اس نظریہ کو عبداللہ چکڑالوی نے آگے بڑھایا۔ اور اپنے آپ کو اہل قرآن کہلوایا۔ یہ شخص حدیث سے کلیۃً انکار کرتا تھا اس کے بعد حیراج پوری اور اس کے بعد غلام احمد پرویز نے اس فرقہ کو پروان چڑھایا۔

قرآن کی روشنی میں :

(ا): "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول " اطاعت رسول کا حکم قرآن دے رہا ہے اور یہ کسی زمان و مکان کے ساتھ خاص نہیں اور چونکہ آیت میں رسول کا مشتق پر حکم ہے لہٰذا مبدأ اشتقاق اس کی علت ہوگا کہ رسول کی اطاعت بحیثیت رسول کے فرض ہے نہ کہ بحیثیت حاکم کے، لہٰذا مخالفین کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ اطاعت بحیثیت حجت فی الشرع

کے نہیں بلکہ بحثیت حاکم کے ہے۔

(۲): "یعلمھم الکتاب والحکمۃ" /" وانزلناالیک الذکرلتبین للناس مانزل الیھم آیات" سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد محض معاذ اللہ ڈاکیہ کی طرح (جیسا کہ ان کا نظریہ) پیغام پہنچانا نہیں بلکہ تعلیم کتاب وحکمت اور تبیین وتشریح بھی ہے۔ اب اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث حجت نہ ہوں تو قرآن کا تبیین وتشریح کس طرح ہوگی؟ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث حجت ہی نہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کس طرح ممکن ہوگی۔ اور اس کا کیا فائدہ؟

(۳): "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾" اس آیت سے بھی صاف طور سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی نہ صرف اطاعت واجب ہے بلکہ یہ مدار ایمان ہے۔

(۴): " وما ارسلناک الا کافّۃ للناس بشیراونذیراً "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت صرف عہد صحابہ تک، کے لئے نہیں تھی بلکہ ساری کائنات کے لئے اور قیامت تک کیلئے تھی لہٰذا آپ کے ارشادات اور مندرجہ بالا احکامات جس طرح صحابہ کے لئے حجت ہیں اسی طرح قیامت تک کے آنے والوں کیلئے بھی حجت ہیں۔

(۵): " من یطع الرسول فقداطاع اللہ" /"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ "، معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت خدا کی اطاعت اور محبوبیت کا واحد راستہ یہی ہے۔

حدیث کی روشنی میں:

(۱): "انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ" مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کا مثل بھی۔ (کنز العمال بحوالہ طبرانی کبیر، ابوداؤد، کتاب السنۃ)۔

(۲): حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر جب بھیجا تو روانہ کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی قضیہ آئے تو اس کو کیسے حل کرو گے؟ عرض کیا اللہ کی کتاب سے حل کروں گا، فرمایا اگر کتاب اللہ میں اس کا حل نہ ملے تو کیا کرو گے؟ عرض کیا پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں حل کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر وہاں بھی نہ پاؤ تو عرض کیا پھر اپنی رائے سے کام لوں گا اور کوئی کمی نہیں کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ کا سینہ ٹھونک کر شاباشی دیتے ہوئے فرمایا شکر ہے اس خدا کا جس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو رسول اللہ سے موافقت کی توفیق دی۔

(دارمی، باب الفتیا/ترمذی کتاب الاحکام)

(۳): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہماری سنت کے خلاف جو بات نکالی جائے وہ مسترد ہے۔ (ابوداؤد کتاب السنۃ)۔

(۴): حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا صحابہ نے عرض کیا وہ کونسا ہوگا؟ فرمایا جو میری اور صحابہ کی راہ پر ہوگا۔ (ترمذی باب الایمان)۔

(۵): جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا۔ (ترمذی باب العلم)۔ (۶): جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ہمراہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی شریف)

عقلی دلائل:

قرآن کے اکثر احکامات ایسے ہیں جن کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں مثلاً:

(۱): "اقیموا الصلوٰۃ" قرآن کا حکم ہے لیکن نماز کا طریقہ اس کے اذکار اس کے اوقات اس کی تعداد رکعات یہ کہیں قرآن میں مذکور نہیں اگر احادیث حجت نہ ہو تو قرآن پر عمل کرنے کا کیا طریقہ رہے گا؟ اگر کوئی یہ کہے کہ "صلوٰۃ" کے عربی لغت

میں معنی تحریک الصلوٰین (کولہے ہلانا) کے ہیں لہٰذا "اقیموا الصلوٰۃ" کے معنی یہ ہیں کہ رقص کے اڈے قائم کرنا تو اہل قرآن کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟

(۲): اگر قرآن کی تشریح سنت کی قید نہ ہو تو ہر شخص اپنی مرضی اور اپنی عقل کے مطابق قرآن کی تشریح کرے گا اور اس طرح امت میں فتنہ وفساد کا وہ سیلاب برپا ہوگا۔ کہ اس کا حل ناممکن ہو جائے گا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن میں (فقط) اپنی رائے سے کام لیکر ٹھیک نتیجہ پر پہنچ جائے وہ بھی غلطی پر ہوگا اور جس نے بغیر علم (سنت وحدیث) کے قرآن میں گفتگو کی وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے۔

(ترمذی باب تفسیر القرآن)

(۳): قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں ذبح ولد کا حکم ہے اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

منکرین کے اعتراضات اور ان کے جوابات:

اعتراض وجواب اول: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾" بیشک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لئے تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔ اس آیت کی رو سے قرآن بالکل آسان ہے لہٰذا اسکے سمجھنے کیلئے کسی تعلیم اور تشریح کی ضرورت نہیں۔

جواب: قرآن کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک عام وعظ ونصیحت کی باتیں اور دوسرے اصلاح شرع، یہ حکم پہلے قسم کے مضامین کے لئے ہے نہ کہ دوسرے مضامین کے لئے۔ جبکہ للذکر کی قید بھی اس پر قرینہ ہے۔ ورنہ اس آیت کے پھر کوئی معنی نہیں رہیں گے کہ "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم"۔

اعتراض وجواب دوم: قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے فرمایا گیا "قل انما انا بشر مثلکم" لہٰذا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عام انسانوں کی طرح ہوتے ہیں تو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہمارے لئے واجب العمل نہیں۔

جواب: اول تو مثلکم میں من کل الوجوہ مثلیت مراد نہیں۔ دوسرے یہ کہ "یوحی الیّ" کی قید موجود ہے جو عام ہے وحی متلو اور وحی غیر متلو دونوں کو شامل ہے۔

اعتراض وجواب سوم: وہ واقعات جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی عمل پر قرآن میں تنبیہ فرمائی گئی ہے اس سے بھی منکرین احادیث کی عموم حجیت پر استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً غزوہ بدر کے موقعہ پر قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنے پر قرآن میں اظہار ناراضگی کیا گیا۔ "ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ" الایۃ۔

جواب: یہ ایک اجتہادی لغزش جس پر وحی کے ذریعہ تنبیہ کردی گئی لیکن یہ واقعہ عدم حجیت کے بجائے حجیت حدیث پر دلالت کرتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تو جب تک قرآن نے تنبیہ نہیں فرمائی اس وقت تک تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا اور قرآن نے بھی صحابہ کو ان کے اس عمل پر کوئی زجر وتوبیخ نہیں فرمائی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات واجب العمل ہیں۔

اعتراض وجواب چهارم: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار مدینہ کو، تابیر نخل سے منع فرمایا جب صحابہ نے تابیر کو چھوڑ دیا تو ان کو کھیتی باڑی میں نقصان ہوا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انتم اعلم باموردنیاکم" تم اپنے دنیاوی معاملات میں زیادہ جانتے ہو اس معاملے میں تم پر میری اتباع واجب نہیں۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی دو حیثیتیں ہیں ایک وہ ارشادات جو بحیثیت رسول کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائے یہ ارشادات واجب العمل ہیں۔ دوسرے وہ ارشادات جو شخصی مشورہ کی حیثیت سے صادر فرمائے ان کا اتباع واجب نہیں۔ مذکورہ بالا قصہ بھی اسی دوسرے قسم کے ارشادات سے تعلق رکھتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ کونسا ارشاد کونسی حیثیت کا ہے؟ تو اس

کو جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیثیت تو رسول کی ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر قول ہر فعل کو اسی پر محمول کیا جائے گا سوائے اس کے کہ کوئی دلیل یا قرینہ پایا جائے تو اس کو مشورہ شمار کر لیا جائے گا۔اور وہ تمام احادیث میں چند متعدد مقامات ہیں جن کی محدثین نے تصریح فرمادی ہے۔

اعتراض وجواب پنجم: احادیث حجیت تو ہیں لیکن چونکہ ہم تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں اس لئے ہم پر عمل واجب نہیں۔

جواب: ہم تک قرآن جن واسطوں سے پہنچا ہے ان ہی اسلوب سے یہ احادیث پہنچی ہیں اگر احادیث کو نا قابل اعتماد کہو گے تو قرآن کو کس طرح قابل اعتماد ثابت کرو گے؟ منکرین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ قرآن کے لئے "اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" اللہ نے فرما دیا ہے جبکہ حدیث کے لئے نہیں فرمایا اور اس کے لئے حفاظت کی اللہ نے کوئی ذمہ داری نہیں لی ۔لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت بھی تو انہی ذرائع سے پہنچی ہے جو آپ کے نزدیک نا قابل اعتماد ہیں لہٰذا اس آیت کا کیا ثبوت کہ یہ آیت بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں قرآن کے نظم اور معنی دونوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے لہٰذا جس طرح اس کے الفاظ ہمیشہ محفوظ رہیں گے اسی طرح اس کے معانی (یعنی احادیث) بھی ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔

اعتراض وجواب ششم: اخبار احاد کو خود محدثین ظنی کہتے ہیں جبکہ ظن کے متعلق قرآن کا ارشاد موجود ہے "ان یتبعون الا الظن وان الظن لایغنی من الحق شیئا" وہ تو نرے گمان کے پیچھے ہیں بیشک گمان یقین کی جگہ کچھ کام نہیں دیتا۔ لہٰذا قرآن کی تصریح کے مطابق ظن کی پیروی منع ہے۔

جواب: علم یقینی اور استدلالی: جیسے قرآن کی اس آیت سے ظن کا لفظ یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے "الذین یظنون انھم ملاقوا ربھم" تو احادیث کو جو ظنی کہا

جاتا ہے تو اس سے ظن غالب یا بعض جگہ یقین کے معنی مراد ہوتے ہیں جبکہ آیت میں جس ظن سے منع کیا ہے وہ اٹکل بچو ہے۔

اعتراض وجواب ھفتم: احادیث تیسری صدی ہجری میں مدون کی گئی اس لئے یہ قابل اعتماد نہیں۔

جواب: احادیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہی مدون ہوگئی تھیں حتی کہ صحابہ نے ہزار ہا احادیث زبانی یاد کیں، ان پر عمل کیا، اور بعضوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی میں ان کو لکھ کر کتابیں تیار کر لی تھیں جس میں الصحیفۃ الصادقہ عبداللہ بن عمرؓ کا، اور صحیفہ علی، صحف انس ابن مالکؓ، صحیفہ عمر بن جزم، صحف ابی ھریرہؓ اور اس جیسے بہت سے صحیفے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی میں تیار ہو گئے تھے اسکے بعد تو اس کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء بالخصوص حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات حقیقی اور جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں۔ اپنی نورانی قبروں میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، سنتے ہیں دیکھتے ہیں، جانتے ہیں، کلام فرماتے ہیں سلام کرنے والوں کو جواب دیتے ہیں، تصرفات فرماتے ہیں، اپنے امتیوں کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔

وھابیوں دیوبندیوں کا عقیدہ: دیوبندیوں کے شیخ الاسلام حسین احمد لکھتے ہیں۔

نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے جب تک وہ دنیا میں تھے بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ (الشہاب الثاقب: ص: ۴۵)

جواس حی لا یموت کے سواء کسی کو زندہ رہنے والا خیال کرے وہ ناسمجھ ہے اس کا خیال خام اور ایمان بے کار ہے (اصلاح عقائد ص:۱۳۹: مولوی رفیق خان پسروری)

اسماعیل دہلوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس قول کو نسبت دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں بھی مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ (تقویۃ الایمان ص:٦٠)

حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہیں یہ نہیں فرمایا یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

قرآن کی روشنی میں: ہمارا مسلک اور عقیدہ قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" (آل عمران)۔ اور نہ گمان کرو مردہ ان لوگوں کو جو کہ اللہ کے راستہ میں قتل کئے گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے یہاں رزق دیئے جاتے ہیں خوش ہیں انعامات پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطاء فرمائے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ شان اللہ تعالیٰ نے شہداء کی بیان کی ہے جبکہ انبیاء میں بھی وصف شہادت موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا ان میں حیات بدرجہ اولیٰ پائی جائیگی۔

(جلال الدین سیوطی، انباء الازکیاء فی حیات الانبیاء ص:۱۴۸)

اس کے علاوہ چونکہ امام بخاری اور امام بیہقی کے نقل کردہ حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض وفات میں فرمایا کہ میں نے خیبر میں جو (زہر آلودہ) لقمہ کھایا تھا اسکی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا پس اب وہ وقت آپہنچا ہے اس زہر کے اثر سے میری رگ جاں منقطع ہوگئی۔ علامہ زرقانی بھی یہی فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی اور اس آیت کے حکم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شامل ہیں۔

(۲): "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" اے محبوب! نہیں بھیجا ہم نے آپ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کومگر رحم کرنے والا تمام جہانوں کے لئے۔ ظاہر ہے کہ رحم وہ ہی کرسکتا ہے جوخود زندہ ہو، معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اور سارے عالم کے لئے فیض رساں اور رحم فرماں ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شہداء کے لئے یہ حیات ان کے روح اور جسم دونوں کے لئے ہیں ورنہ روح تو ہر ایک کی زندہ اور باقی رہتی ہے خواہ وہ کسی مسلمان کی روح ہو کسی کافر کی "یرزقون" اور "فرحین" قرینہ بھی اس پر شاہد ہے۔ بہر حال علماء کرام فرماتے ہیں کہ شہداء کے جسم قبروں میں محفوظ رہتے ہیں اور زمانہ صحابہ میں بکثرت اس کا مشاہدہ ہوا کہ اگر کسی شہید کی قبر کسی ضرورت کے تحت کھولی گئی توان کے جسم تروتازہ پائے گئے (تفسیر خازن)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ "سلف صالحین کی اکثریت کا یہی مذہب ہے کہ شہداء کی زندگی روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی ہے۔ یا بعض کا خیال ہے کہ صرف روحانی زندگی ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

احادیث کی روشنی میں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" (مسند ابو یعلی / بیہقی) انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔

(۲): "انه قال من افضل ایامکم یوم الجمعة فاکثرواعلی الصلوٰة فیه فان صلوتکم تعرض علی قالوایارسول الله وکیف تعرض علیک صلاتنا وقدارمت یعنی بلیت فقال ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے سب دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے لہٰذا جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! ہمارا درود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کس طرح پیش کیا جائے گا

حالانکہ آپ توبوسیدہ ہوجائیں گے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔ (ابوداؤد، بیہقی)۔ حضور ﷺ یہ فرمائیں کہ اللہ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے جبکہ اسماعیل دہلوی کہتا ہے کہ معاذ اللہ مرکر مٹی میں مل گئے۔ اور ستم بالائے ستم کہ بیہودہ قول کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرکے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا تا ہے "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار"۔

(۳): "وقدرأیتنی فی جماعة من الانبیاء فاذاموسیٰ فانه یصلی واذا رجل ضرب جعدکانه من رجال شنوه واذاابن مریم قائم یصلی واذا ابراهیم قائم یصلی اشبه الناس به صاحبکم یعنی نفسه فحانت الصلوٰة فاقمتهم" (بیہقی) حضور ﷺ نے فرمایا بیشک میں نے خود اپنے آپ کو بھی جماعت انبیاء میں دیکھا پھر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں ناگہاں وہ ایسے آدمی ہیں جو دبلے پتلے گھنگھریالے بالوں والے گویا کہ وہ سنوۃ کے آدمیوں میں سے ہیں اور اچانک ابن مریم کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں وہ تمہارے صاحب سے بہت زیادہ مشابہ ہیں (حضور ﷺ نے لفظ صاحب سے اپنے آپ کو مراد لیا) پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے ان سب انبیاء کی امامت فرمائی۔

(۴): سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ جنگ حرہ کے زمانہ میں میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ مسجد نبوی میں میرے سوا اس وقت کوئی نہ تھا ان ایام میں کسی نماز کا وقت نہ آتا تھا مگر قبر انور میں سے اذان کی آواز سنتا تھا حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ "مامن احد یسلم علی الاردالله علی روحی حتی اردعلیه السلام" جو مجھ پر سلام بھیجے مگر اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو

اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں ان تمام احادیث مذکورہ بالا سے انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضور سرور دو جہاں ﷺ کی حقیقی حیات یعنی جسمانی اور روحانی حیات کا صاف ثبوت پتہ چل رہا ہے۔

موت وحیات: روح کا بدن میں ہونا حیات اور بدن سے نکل جانا موت، موت وحیات کی یہ تعریف درست نہیں ورنہ پھر یہ تعریفِ حیات خدا کی ذات پر کس طرح صادق آئے گی جو جسم وروح سے پاک ہے۔ اصل تعریف جو علماء نے کی ہے وہ یہ ہے کہ حیات اس صفت کا نام ہے جس کے پائے جانے سے احساس علم اور قدرت کا پایا جانا صحیح ہو جائے۔ یعنی حیات ایسی صفت ہے جو علم وقدرت، سمع وبصر، کا سبب ہو اور موت وہ وصف ہے جو علم وقدرت اور سمع وبصر سے مانع ہو۔ یہی تعریف صاحب روح المعانی (ج: ۴ ص: ۵) (تفسیر مظہری پارہ: ۲۹، ص: ۱۸)، (تفسیر مدارک، ج: ۴ ص: ۲۰۶) (مفردات امام راغب ص: ۱۳۸) (تفسیر جلالین ص: ۴۷۴) میں بھی کی گئی ہے۔

ہاں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ علم وادراک اور احساس کے پائے جانے کے لئے ان میں عادۃً روح پایا جانا ضروری ہے تو گویا روح کے دخول وخروج کو موت عادی اور حیات عادی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اس سے حقیقی موت وحیات کے لئے سبب عادی کہا جاسکتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ سبب کا محتاج نہیں وہ عادت کے خلاف بھی کرسکتا ہے بغیر سبب کے مسبب کو پیدا کرسکتا ہے۔ جیسے حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ سبب کے ہونے کے باوجود مسبب کو نہ ہونے دے جیسے لاکھوں جوڑے ایسے ہیں کہ ان کے ہاں شادی کے سبب کے باوجود مسبب بچہ نہیں ہوتا۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ موت وحیات ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں وموت عادی، موت حقیقی، حیات عادی، حیات حقیقی، موت عادی یہ ہے کہ روح جسم میں نہ ہو

یا جسم سے نکل جائے۔اور جسم میں روح کا موجود ہونا حیات عادی ہے جبکہ جسم میں صفت مصححہ للعلم والقدرۃ کا پایا جانا حیات حقیقی اور اس صفت کا نہ پایا جانا موت حقیقی ہے۔اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ کسی جسم میں روح کے بغیر حیات حقیقی پیدا کردے لہٰذا قبض ارواح (موت عادی) کے ساتھ حیات حقیقی کا پایا جانا جائز ہے۔یہ دونوں ضد نہیں ہاں موت عادی اور حیات عادی دونوں جمع نہیں ہوسکتے یہ دونوں آپس میں ضد ہیں۔

جیسے روایت میں آتا ہے کہ حضرت قثم بن عباسؓ حضور ﷺ کی قبر انور سے باہر آنے والوں میں سب سے آخری تھے ان سے مروی ہے کہ جس نے قبر انور میں حضور ﷺ کا آخری دیدار کیا وہ میں تھا میں نے قبر انور میں دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے لب ہائے اقدس کو متحرک فرمارہے ہیں دہن اقدس کے آگے میں نے اپنے کان لگا دیئے میں نے سنا حضور ﷺ رب امتی ،رب امتی فرمارہے تھے۔اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قبض روح کے بعد حیات ثابت ہے۔یعنی موت عادی حیات حقیقی کے ساتھ جمع ہے۔

معترضین کے اعتراضات جوابات: آپ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ زندہ ہیں حالانکہ قرآن کی بہت سی آیات اور احادیث سے حضور ﷺ کی موت اور وفات ثابت ہے۔جیسے قرآن میں آتا ہے۔"افائن مات او قتل" دوسرے مقام پر ہے "انک میت وانهم میتون" تیسرے مقام پر ارشاد ہے۔"کل نفس ذائقة الموت" حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے ارشاد رب العزت ہے "فاماته الله مائة عام ثم بعثه" الایۃ اسی طرح حدیث میں حضور ﷺ کا اپنے لئے خود ارشاد ہے "انی مقبوض" ،حضور ﷺ کی وفات پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ جس میں انہوں نے فرمایا "من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات" اگر

کوئی شخص محمد کی عبادت کرتا ہے تو محمد تو فوت ہو گئے ۔لہٰذا ایسی صورت میں حیات انبیاء کا عقیدہ کیسے درست ہوگا؟

جواب: ان تمام آیات پر ہم ایمان رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمام انبیاء اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر موت یقیناً طاری ہوئی ،اس کا اگر کوئی انکار کرے تو وہ کافر ہے۔سوال صرف یہ ہے کہ یہ موت عادی تھی یا حقیقی اور دوسری بات یہ ہے کہ اس موت کے بعد حیات ملی یا نہیں؟ مذکورہ بالا تمام آیات اور احادیث سے صرف اتنا ثابت ہے کہ انبیاء پر موت طاری ہوئی اور ان کی ارواح مقدسہ ان کے اجسام مطہرہ سے قبض کی گئیں یہ موت عادی ہے ۔لیکن یہ کس حدیث میں لکھا ہے کہ قبض روح کے ساتھ حس اور ادراک بھی ختم ہو گیا بلکہ روح قبض ہونے کے بعد بھی جسم میں حیات حقیقی باقی تھی جبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امتی امتی فرمارہے تھے۔اور دوسرا یہ کہ قبض روح کے بعد دوبارہ زندگی اللہ نے ان کو عطاء فرمائی اس کی کہاں ان آیات میں نفی کی گئی ہے؟

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق ے خطبہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موت عادی کا بیان ہے لیکن ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے جس حیات حقیقی (ادراک) کو روح کے بغیر ثابت کیا ہے اسکی نفی ان کے خطبہ سے کہاں سے ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیق کی وصیت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قبر انور میں زندہ (حیات حقیقی) ہیں اور تصرف فرماتے ہیں۔چنانچہ تفسیر کبیر ج:۵، ص:۶۸۵ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجرہ مبارک کے سامنے رکھ دینا اگر دروازہ کھل جائے اور قبر انور سے آواز آئے کہ ابوبکر کو اندر لے آؤ تب تو مجھے حجرہ مبارک میں دفن کرنا ورنہ عام مومنین کے قبرستان میں دفن کردینا چنانچہ ایسا ہی ہوا جب حجرہ مبارک کے سامنے صدیق اکبرؓ کا جنازہ رکھا گیا تو دروازہ کھل گیا اور قبر انور سے آواز آئی "ادخلوا الحبیب الی

الحبیب'' حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات بعدالمماۃ حیات حقیقی کے قائل تھے۔

اعتراض وجواب دوم: دیوبندی درندہ ذہنی کے ساتھ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم زندہ مانتے ہو تو نعوذ باللہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ درگور کر دیا۔ نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب زندہ ہیں تو حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم خلیفہ کیسے ہو گئے؟

جواب: ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے موت عادی اور حیات حقیقی مانتے ہیں، جبکہ غسل، کفن، خلافت وغیرہ، یہ سب امور موت عادی کے مقتضی ہیں جبکہ اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام امتیازی امور حیات حقیقی پر مبنی ہیں۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بھی اول تو مفسرین نے آیت میں سے حضرت عزیر مراد نہیں لئے اور اگر بالفرض حضرت عزیز علیہ السلام تھے بھی تو اس آیت سے ان کی لاعلمی اور عدم توجہ اور عدم التفات کا پتہ چلتا ہے جبکہ عدم علم عدم التفات عدم حیات کو مستلزم نہیں بہر حال اس واقعہ سے حیات حقیقی بعدالموت کے نفی کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اوراسکی آفاقیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کائنات کی ہر شئی کو شامل ہیں، عالم کی کوئی شئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عموم نبوت سے خارج نہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان، جن، ملائکہ، حیوانات، نباتات، جمادات، الغرض سب عرشیوں، فرشتوں کے نبی ہیں کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے سے خارج نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی ہر مخلوق کے نبی ہیں۔

قرآن کی روشنی میں: ''قل یاایھاالناس انی رسول اللہ الیکم

جمیعا" اے حبیب !فرمادیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو۔(پارہ نمبر ۹، سورۃ الاعراف رکوع: ۳) اس سے معلوم ہوا کہ خواہ کوئی عیسائی ہو، یہودی ہو، پارسی ہو، نصرانی ہو، ہندو ہو، شرقی ہو یا غربی حضور ﷺ سب کے رسول ہیں۔ جو انسان اللہ کا بندہ ہے خواہ مطیع ہو یا نافرمان وہ حضور ﷺ کے امتی ہیں خواہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے یا نہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا وہ امت دعوت، اور جنہوں نے قبول کرلیا وہ امت اجابت کہلاتی ہے۔

(۲): "قل اوحی الی انه استمع نفرمن الجن فقالوا اناسمعنا قرآنا عجبا یهدی الی الرشدفامنابه" اے حبیب فرمادیجئے کہ مجھ پر اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ جنوں نے ایک جماعت نے کان لگا کر غور سے قرآن کریم سنا پس پکار اٹھے کہ بیشک ہم نے بڑی عجیب کتاب کو سنا جو رشد و ہدایت کی طرف بلاتی ہے لہٰذا ہم تو اس کے ساتھ ایمان لے آئے۔اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ صرف انسانوں کے نبی نہیں بلکہ جنوں کے لئے بھی نبی ہیں۔

(۳): "تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا" (فرقان) بابرکت ہے وہ ذات جس نے قرآن کریم کو اپنے بندہ پر نازل فرمایا تا کہ وہ سب جہانوں کو میرے عذاب سے ڈرائے۔دوسرے مقام پر فرمایا "ان هو الا ذکرٰی للعالمین" (انعام) نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت واسطے تمام جہانوں کے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" فرمایا اپنے محبوب کیلئے "للعالمین نذیرا اور قرآن کے لئے ذکرٰی للعالمین" فرما کر یہ بتا دیا کہ کائنات کی جس جس چیز کو میری ربوبیت شامل ہے اس کو نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت اور قرآن کی ہدایت و نصیحت بھی شامل ہے۔

(۴): "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"، ہم نے آپ ﷺ کو نہیں مبعوث

فرمایا مگر اس حال میں کہ آپ ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ جبکہ اصل رحمت تو نبوت ورسالت ہے تو ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت اس آیت کے رو سے بھی تمام اجزائے عالم کو محیط ہے اور کائنات ارضی وسماوی کی ہر شی کو شامل ہے۔ لہٰذا انسان جن فرشتے، فرش، عرش، لوح وقلم، جنت ودوزخ، حور وغلمان، حتیٰ کہ ذرات عالم میں سے کوئی شی ایسی نہیں جو آپ ﷺ کی رحمت اور رسالت سے فیضیاب نہ ہو۔

احادیث کی روشنی میں:

(۱): "ارسلت الی الخلق کافة" (مشکوٰۃ) حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ میں ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

(۲): "مامن شئ الاقدیعلم انی رسول الله" (مشکوٰۃ) جہاں کی کوئی شی ایسی نہیں جو یہ نہ جانتی ہو اور مانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

(۳): تمام ملائکہ حضور ﷺ پر ہر وقت درود بھیجتے رہتے ہیں جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے۔

اس کے علاوہ حدیث میں آتا ہے "ینزل علی قبره الشریف کل یوم سبعون الف ملک یضربونه باجنحتهم وبه الحدیث" کہ ستر ہزار فرشتے صبح روضہ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں جو شام تک اپنے پروں سے جاروب کشی کرتے ہیں اور گنبد خضراء کا احاطہ کئے رہتے ہیں شام کو وہ واپس چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار مزید نازل ہوجاتے ہیں جو صبح تک اس بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں صلوۃ وسلام کے تحفے پیش کرتے ہیں اور صبح واپس ہوجاتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور قیامت کے دن بھی آپ ستر ہزار ملائکہ کی معیت میں براق پر سوار ہوکر میدان حشر میں جلوہ فرمائیں گے۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ "یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین" مدد فرمائے گا اللہ تمہاری ان پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو امتیازی شان والے ہیں۔ان آیات اور روایات سے معلوم ہوا کہ فرشتے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں حتی کہ جنگ کے میدانوں میں بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے ساتھ ملکر دشمنان خدا سے لڑتے ہیں اور مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں۔اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشا بھی شاہد ہے کہ میرے چار وزیر ہیں دو زمین پر دو آسمانوں پر "اماوزیرای من اھل الارض فابوبکروعمر واما وزیرای من اھل السماء فجبرئیل ومیکائیل"۔لیکن اہل زمین میں سے دو وزیر تو ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور اہل آسمان میں سے دو وزیر حضرت جبرئیل اور میکائیل ہیں (مشکوٰۃ)۔وزیر اپنے بادشاہ کے تابع اور ان کے فرمانبردار ہوتا ہے معلوم ہوا کہ یہ ملائکہ کے سردار دونوں فرشتے مع اپنے متبعین کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع اور خادم ہیں اور آپ ان کے رسول اور امام ہیں۔

(۴): قرآن کے ارشاد کے مطابق روز میثاق تمام انبیاء سے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کرنے ان پر ایمان لانے ،ان کی مدد کرنے کا پختہ وعدہ لیا تھا تمام انبیاء نے وہ وعدہ کیا۔اور شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کر کے اس وعدہ کو پورا کر دکھایا اور اس عہد کا عملی مظاہرہ کر کے ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب نبیوں کے بھی نبی ہیں اور سب رسولوں کے بھی رسول اور سب اماموں کے بھی امام ہیں۔

(۵): احادیث مبارکہ میں بے شمار معجزات کا ذکر ہے،جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند کا شق ہوجانا،سورج کا پلٹ کر آنا،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام سنتے ہی درختوں کا اپنی جڑوں پر چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوجانا،

نگاہ اٹھتے ہی پتھر کا پانی پر تیرتے ہوئے حاضر خدمت ہو کر آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دینا جانوروں کا آپ ﷺ کو سجدہ کرنا اور اپنی شکایات آپ ﷺ کے سامنے پیش کر کے اپنے دکھوں کا مداوا طلب کرنا۔ الغرض اس قسم کی بے شمار روایات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ آپ ﷺ صرف انسانوں کے نہیں بلکہ حیوانات، نباتات، اور جمادات، تک کے نبی تھے۔ اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر ہر مخلوق کا ایمان تھا۔ بلکہ آپ ﷺ کے حکم کے آگے ہر مخلوق کی گردن خم تھی، آپ ﷺ کا سکہ حکومت آسمانوں اور زمینوں میں رواں دواں آپ ﷺ کی بادشاہت دنیا و آخرت اور میدان حشر میں بھی جاری و ساری ہے۔

معترضین کے اعتراضات وجوابات: بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی تو ان کی طرف بھیجے جاتے ہیں جن کو احکام تکلیفی دیئے جائیں۔ جبکہ ملائکہ، جانور، شجر و حجر، تو ان احکام سے مکلّف نہیں لہٰذا ان کے نذیر ہونے کا کیا مطلب؟ اسی طرح نبی آتا ہے نبی بن کر جبکہ ملائکہ اور جانوروں، حجر و شجر کے لئے کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ لہٰذا ان کے لئے نبی ہونے کا کیا مطلب؟

جواب: احکام الٰہی تمام مخلوقات کیلئے ہیں مگر سب کے لئے یکساں نہیں بلکہ ہر جنس کے لئے علیحدہ علیحدہ ہیں مثلاً حدیث مبارک میں آتا ہے، کہ بے سینگ والے جانور کا بدلہ سینگ والے جانور سے دلوایا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظلم کرنا جانوروں پر بھی حرام ہے ورنہ بدلہ دلوانے کا کیا مطلب؟ مگر ان کے احکام اور سزا کی نوعیت علیحدہ علیحدہ ہے۔ اسی طرح درخت اور پتھر وغیرہ بھی اللہ کی عبادت اور تسبیح و تقدیس کرتے ہیں "وان من شئ الایسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم" اس پر شاہد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

اللہ کی بارگاہ میں اللہ کے مقبول، گنہگار کی بخشش یا بلندیٔ درجات کیلئے سفارش اور شفاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کو قبول فرما دیتا ہے اور شفاعت کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱): شفاعت عظمیٰ جو تمام مخلوق کو شامل ہے اور جس پر تمام شفاعات کا دارومدار ہے۔

(۲): بلا حساب وکتاب جنت میں امت کو داخل کرنا۔

(۳): باب جنت کھلوانا تا کہ اہل جنت اس میں داخل ہو سکیں۔

(۴): جو دائمی عذاب کے مستحق ہیں ان کے عذاب میں تخفیف کرانا۔

(۵): روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والوں کے لئے شفاعت کرنا۔

(۶): اہل مدینہ کے لئے شفاعت کرنا۔

(۷): جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں ان کو جنت میں لیجانا۔

(۸): جو دوزخ کے مستحق بن چکے ہوں انہیں جنت میں لے جانا۔

(۹): ترقی درجات وبلندی مراتب کے لئے شفاعت کرنا۔

(۱۰): جو مجرم دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں انہیں وہاں سے نکلوا کر جنت میں لانا۔

شفاعت کی ان مندرجہ بالا تمام اقسام میں سے پہلی چھ قسمیں صرف امام الانبیاء حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں اس قسم کی شفاعت صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے باقی چار قسم کی شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ انبیاء ملائکہ، علماء اور شہداء بھی کر سکیں گے۔

وھابیوں دیوبندیوں کاعقیدہ: اسماعیل دہلوی لکھتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء اللہ تعالیٰ کی عطاء سے تصرف فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے

سفارشی اور وکیل ہیں یہ سب کچھ شرک اور خرافات ہے" (تقویۃ الایمان، اسماعیل دہلوی ص:٦)۔ جو کسی نبی یا ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے سو وہ اصلی مشرک ہے اور بڑا جاہل۔

(تقویۃ الایمان، اسماعیل دہلوی، ص:۳۱)

قرآن کی روشنی میں:

(۱): "وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا"
اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھو یہ خاص تمہارے لئے زیادہ ہے قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کرے۔ (بنی اسرائیل:۷۹)

اس مقام میں تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں مقام محمود سے شفاعت کبریٰ اور عام شفاعت کا مرتبہ مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے دن عطاء کیا جائیگا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ تمام اولین و آخرین تلاش شفیع میں مارے مارے پھریں گے۔ ہر نبی کے پاس جائیں گے انہیں یہی جواب ملے گا "اذھبوا الیٰ غیری" آخر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے "انالھا انالھا" شفاعت کے لئے تو میں ہی تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر اس کی تسبیح و تقدیس کریں گے اور اہل محشر کے لئے شفاعت کے طلبگار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا "یامحمد! ارفع رأسک قل تسمع سل تعط واشفع تشفع" اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ آج جو تم کہو گے سنا جائے گا جو مانگو گے عطاء کیا جائے گا جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر میں عرش الٰہی کے دائیں جانب ایسے مقام پر کھڑا ہوں گا کہ اولین و آخرین مجھ پر رشک کریں گے اور سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مقام کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمد و تعریف کریں گے اسی لئے اس کو مقام محمود کہتے ہیں۔

(۲): ''وصلّ علیھم ان صلوتک سکن لھم ''(پارہ :۱۱،سورہ توبہ: آیت:۱۰۳) اے حبیب ان کے لئے آپ جنازہ اور دعائے خیر کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہوگی۔،دعا کرنا اور شفاعت وشفارش کرنا ایک ہی چیز ہے،اس آیت میں صرف شفاعت کا اذن اور اجازت نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکی شفاعت کیجئے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ان کے لئے مفید ہے۔

(۳): ''وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝'' (النساء:۶۴) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کے لئے استغفار کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہے۔ اوراس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے بغیر کسی کے گناہ معاف نہیں ہوسکتے ۔اگر معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا کوئی فائدہ نہ ہوتو ''واستغفر لھم الرسول'' کا اور ارشاد رب العزت ہی بیکار اور بے فائدہ ہوجائے گا۔

تفسیر مدارک میں ہے کہ ایک اعرابی نے حاضر ہوکر روضۂ اقدس پر اپنے آپ کو گرایا اور روضہ شریف کی خاک کو اپنے سر پر ڈال کر کہنے لگا کہ یارسول اللہ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے میں توبہ واستغفار کرتا ہوں آپ میری مغفرت کی دعا کیجئے میری سفارش کردیجئے روضۂ مبارک سے آواز آتی ہے تیرا گناہ بخشدیا گیا۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت حیات ظاہری میں بھی اور بعد وصال بھی امت کے لئے مفید ہے۔

(۴): ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ'' (محمد:۱۹) اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے مغفرت اور بخشش طلب کریں۔ یہاں امر بالاستغفار درحقیقت اذن بالشفاعۃ ہے بلکہ ''اذن'' سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ

اذن میں صرف اجازت ہوتی ہے جبکہ یہاں تو ''امر اور حکم'' دیا جارہا ہے۔اب اگر خدا کے حکم پر حضور ﷺ ان کیلئے استغفار کریں یعنی ان کی شفاعت فرمائیں اور اللہ اس کو مقبول نہ فرمائے تو یہ ایک مذاق اور لایعنی بات ہو جائے گی بلکہ ایک طرح سے وعدہ خلافی ہو جائے گی جبکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔تو ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی شفاعت کا مقبول ہونا بھی برحق ہے۔

(۵): تمام انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کی شفاعت کی یعنی ان کے لئے اللہ کی بارگاہ میں بخشش طلب کی مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ'' اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کی دعائیں بھی قرآن میں مذکور ہیں حتی کے ان مومنوں کی تعریف قرآن میں مذکور ہے جنہوں نے اپنے پچھلے مسلمان بھائیوں کے لئے طلب مغفرت کی ارشاد ہوتا ہے ''وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ'' (حشر:۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت مومنوں کی بھی مومنوں کے حق میں ثابت ہے۔

حدیث کی روشنی میں :

(۱): **''شفاعتی لاھل الکبائر من امتی''** (ابوداؤد) حضور ﷺ نے فرمایا کہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے میری شفاعت محقق اور ثابت ہے۔لہٰذا جب اس حدیث سے کبائر کے لئے شفاعت ثابت ہوگئی تو صغائر اور ترقی درجات کے لئے بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گی جبکہ شفاعت کبریٰ قیامت کے دن آپ کے لئے ہوگی اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

(۲): حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے انبیاء، علماء، اور شہداء۔

(۳): حضور ﷺ فرماتے ہیں میں ان لوگوں کو دوزخ سے لاکر جنت میں داخل کراؤں گا حتی کے آگ میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو ابدی عذاب کے مستحق ہوں گے اور جن کے دل میں ایمان کا نام ونشان بھی نہیں رہے گا۔

(مشکوٰۃ، بخاری، مسلم)

(۴): " لكل نبى دعوة يدعولهاو اختبات دعوتى شفاعة لامتى يوم القيامة" ہر نبی کے لئے ایک (یقینی) مقبول دعا ہے جو وہ مانگ سکتے ہیں میں نے اپنی دعا چھپا رکھی ہے تاکہ قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کروں۔اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امت کے لئے آپ ﷺ کی شفاعت یقیناً مقبول بارگاہ الٰہی ہوگی کیونکہ نبی کی تو ہر دعا مقبول ہوتی ہے چہ جائیکہ پھر وہ دعا جو ہر حال میں مقبول ہو۔

(۵): ارشاد رسول ﷺ ہے :"لايرد القضاء الا الدعاء" قضاء کو صرف دعا لوٹا سکتی ہے۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث دعاؤں کی فضیلت اور ان کی بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔تو جب بدکاروں اور گنہگاروں کی دعائیں ان کے اپنے حق میں اور اپنے متعلقین کے حق میں اثر رکھتی ہیں حصول نفع ومقاصد کا ذریعہ ہیں تو غور کیجئے کہ پھر صالحین، ابرار، اولیاء، اور انبیاء کی دعائیں (اور اس ہی کو سفارش اور شفاعت کہتے ہیں) ہمارے حق میں کیوں نہ حصول مقاصد کا باعث ہوں گی۔

منکرین کے اعتراضات وجوابات:

اعتراض اول: قرآن میں اللہ فرماتا ہے "لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (البقرہ:۴۸) لہٰذا جب کسی کے لئے شفاعت ہی ثابت نہیں تو حضور ﷺ کیلئے شفاعت کبریٰ اور دیگر مراتب شفاعت کیسے ثابت ہو سکتے ہیں؟

جواب: ان آیت میں نفس شفاعت کی نفی نہیں کیونکہ دوسری آیات میں غیر اللہ کے

لئے شفاعت کا اثبات ہے، "واستغفر لذنبک" وغیرہ آیات پہلے گزریں۔ لہٰذا جہاں نفی ہے وہاں شفاعت بلا اذن کی نفی ہے کہ کوئی شخص خدا کی اجازت اور اس کے اذن کے بغیر شفاعت نہیں کر سکے گا۔ اور جہاں اثبات ہے وہاں اذن کے ساتھ ہے۔ جیسے کہ ایک آیت میں وضاحت فرمائی "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ" اذن کے بعد بھی اگر شفاعت کا کوئی فائدہ نہ ہو تو پھر بے منفعت اور بے مقصد شفاعت کے اذن حاصل کا کیا مقصد اور کیا فائدہ رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے کافروں سے فرمایا گیا "فماتنفعھم شفاعة الشافعین" کہ ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی لہٰذا اس اسلوب نے جس میں کفار کی قباحت حال بیان کی گئی ہے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مومنین کے لئے شفاعت نفع دیگی ورنہ جو مسلمانوں کو بھی شفاعت فائدہ نہ دے تو پھر دونوں میں فرق کیا رہے گا اور اس سے کافروں کا برا حال بیان کرنے کا پھر کیا مقصد رہ جائے گا؟

اعتراض ثانی: تقویۃ الایمان میں اسماعیل دہلوی نے شفاعت کے انکار پر یہ دلیل دی ہے کہ یا تو شفاعت وجاہت ہوگی مثلاً بادشاہ کے پاس کسی مقتدر وزیر نے ایک مجرم کی سفارش کی بادشاہ اس خطرے کے پیش نظر اس کی سفارش مان لیتا ہے کہ نہ ماننے کی صورت میں وزیر کہیں ناراض نہ ہو جائے اور سارے نظام مملکت میں کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی بزرگ کو یہ مرتبہ حاصل نہیں لہٰذا یہ شفاعت بھی ممکن نہیں۔ دوسری شفاعت حجت ہوتی ہے کہ مثلاً کوئی شہزادہ یا بادشاہ کی پیاری بیگم کسی چور کی سفارش کرے اور بادشاہ اس کی محبت کی وجہ سے مجبور ہو کر اسکی تقصیر معاف کر دے یہ بھی اللہ کے لئے ناممکن ہے۔ تیسری شفاعت بالاذن ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کا ارادہ کر لیا مگر آئین بادشاہت کا خیال کرتا ہے کہ لوگوں کے دل میں آئین کی قدر گھٹ جائے گی لہٰذا کسی امیر کی سفارش کا

بہانہ بنا کروہ معاف کردیتا ہے، یہ شفاعت انبیاء واولیاء کے لئے ثابت ہے۔اس تیسری صورت میں بھی اسماعیل نے یقیناً شفاعت کا انکار کیا ہے کیونکہ اصل میں تو خدا نے معاف کرنا تھا یہ تو محض خانہ پُری کیلئے انبیاء کی سفارش رکھ دی گئی۔معلوم ہوا کہ دیوبندیوں کے یہاں سفارش کا کوئی فائدہ نہیں۔

جواب: پہلی دوقسموں میں شفاعت کے معنی ہی درست نہیں ہیں کیونکہ پہلی دوقسموں میں جو معنی اس نے بیان کئے ہیں وہ شفاعت نہیں بلکہ سینہ زوری اور حکم چلانا اور فرمان جاری کرنا ہے۔

منکرین نے جو شفاعت وجاہت کے معنی بیان کئے ہیں وہ نہ لفظ شفاعت کے معنی ہیں اور نہ ہی وجاہت کے۔شفاعت وجاہت کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح کوئی بادشاہ اپنے ہم نشینوں میں سے کسی کو اپنا خاص قرب عطا کرتا ہے اسے حاجتمندوں کی حاجتیں بادشاہ کے دربار میں پیش کرنے اور ان کی خطاؤں کی معافی چاہنے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔

اور بادشاہ اس کی جاہ ومنزلت اور اپنی بارگاہ میں اسکے قرب کے باعث اس کی سفارش کو قبول کر کے اس کی عزت افزائی کرتا ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ نے کسی خوف یاڈر کی وجہ سے اس کی بات مانی ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اپنے اس مقبول کی عزت افزائی اور دلداری کے لئے اس نے یہ بات مانی ہے۔لہٰذا خدا نے بھی اپنی بارگاہ میں جن کو خاص مرتبے عطاء فرمائے ہیں ان کی عزت افزائی کی خاطر وہ ان کی بات مان لے گا اور ان کے متوسلین کی دینی ودنیاوی حاجتوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول کرلیتا ہے۔ہاں ڈر اور خوف تو وہاں ہوتا ہے جہاں بادشاہ خود کوئی صلاحیت اور اختیار نہ رکھتا ہو اور اختیارات کسی اور کے پاس ہوں جس کے پاس اختیار ہوں وہ اگر کوئی بات کہے تو بادشاہ ضرور ڈر کی وجہ سے اس کی بات مانے گا کہ

کہیں اس کی بات نہ مان کر میری بادشاہت ہی ختم نہ ہو جائے۔جبکہ یہ معنی خدا کی ذات میں متصور ہی نہیں۔

اس معنی پر نقلی دلیل بھی شاہد ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا "وجیھاًفی الدنیاوالآخرۃومن المقربین" کہ وہ دنیاوآخرت میں وجاہت (عزت) والے اور مقربین میں سے ہیں۔اور تمام مفسرین یہاں اخروی وجاہت کو شفاعت پر محمول کرتے ہیں چنانچہ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں "الوجاھۃ فی الدنیا النبوۃ وفی الآخرۃ الشفاعۃ" کہ وجاہت دنیا میں نبوت ہے اور آخرت میں شفاعت ہے۔

اسی طرح "محبت" کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ محب، اپنے محبوب کی رضا جوئی کا خواہشمند ہوتا ہے اس کو اپنے محبوب کی ذراسی بھی دل شکنی گوارہ نہیں ہوتی لہٰذا وہ اس کی کوئی بات ٹالتا نہیں ہے۔اس کی سفارش قبول کرلیتا ہے۔اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر بات نہ مانی گئی تو محبوب غصہ میں آکر ان کے دل کو صدمہ پہنچائیگا وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال شفاعت کا قبول کرنا آثار محبت سے ہے محبوب کی رضا جوئی اس صفت محبت کا مقتضا ہے۔مجبوری یا اضطرار اور دل کے آزاری کے اندیشہ کا محبت شفاعت میں کوئی دخل نہیں۔کیونکہ جب مجبوری اور اضطرار تک معاملہ پہنچ جائے تو وہاں شفاعت (سفارش) کے معنی ہی باطل ہو جاتے ہیں وہ تو پھر حکمرانی اور شہہ زوری ہو جاتی ہے۔ اسی لئے حدیث مبارک میں آتا ہے "رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لوا قسم علی اللہ لابرہ" بہت سے گرد آلودہ بالوں والے خاکسار، دروازوں سے دھکے دیئے ہوئے، ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔یہ سب ان کی دلداری ان کی عزت افزائی ہے جو ان کی محبوبیت کے باعث حاصل ہوتی ہے ورنہ یہ خاکسار بھلا خدا کو رنج وغم یا نقصان کیا

پہنچا سکتے ہیں؟ جب ایک عام مقبول بارگاہ الٰہی کا یہ مقام ہے تو جو کائنات میں خدا کو سب سے پیاری اور محبوب ذات ہے جن کے مقام محبوبیت اور مقام وجاہت کا یہ عالم ہے کہ خدا نے کبھی ان کو نام لیکر قرآن میں نہیں پکارا جن کی ایک ایک ادا کی قرآن میں خدا نے قسمیں ارشاد فرمائی ہوں جن کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہو، جن کے لئے انبیاء سے عہد و پیمان لئے ہوں۔ جن کی رفعت ذکر خود خدا نے اپنے ذمہ وکرم پر لے لی ہو۔ جن کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ، جن کے فعل کو خدا نے اپنا فعل فرمایا ہو، جن کے قدموں سے لگنے والی خاک بھی خدا کو محبوب ہو اور قرآن میں اس کی بھی قسم ارشاد فرمائی ہو، جن کی لقاء کا خود خدا مشتاق ہو، "یامحمد ان اللہ قداشتاق الی لقاء ک" جن کو اکرم الاولین والآخرین بنایا ہو، جن کو لواء حمد اور مقام محمود عطاء فرمایا ہو، اور جن کو "وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" کے ارشاد مبارک کے ذریعہ جن کی خوشی اور رضا خود خدا چاہتا ہو ایسے محبوب اور ذی وجاہت ذات کی شفاعت بالاذن بارگاہ الٰہی میں کیوں نہ مقبول ہوگی، اور بھلا یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایسی ذات کی سفارش اور شفاعت لغو اور بے کار اور بے فائدہ جائے اصل میں تو خود خدا نے ہی اس کو بخش دیا تھا، پھر شفاعت کا کیا فائدہ ؟ لہٰذا یہ کہنا کہ خود خدا نے معاف کرنے کا ارادہ کرلیا تھا محض خانہ پُری کیلئے شفاعت کرائی یہ بالکل باطل اور لغو قول ہے اور بڑے مکر وفریب کے ذریعے شفاعت کی حقیقت سے انکار ہے، اور حضور ﷺ کی شفاعت کا ماننے والا اگر مشرک ہے تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی پر بھی فتوی لگاؤ کیونکہ ان کا شعر ہے۔

شفیع عاصیاں ہو تم وسیلۂ بے کساں ہو تم
تمہیں چھوڑ کر اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ

صحابہ کرامؓ کی فضیلت

صحابی اس کو کہتے ہیں جس نے حالت ایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا اور دین اسلام پر اس کی وفات ہوئی۔ اس محبت رسول اور قرب رسول کی وجہ سے ایک عام صحابی بھی کثرت ثواب، کرامت، اور قرب الٰہی میں امت کے تمام اولیاء سے افضل ہوتا ہے، ان سے محبت کرنا اور ان کی تعظیم کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے کسی بھی صحابی کے ساتھ بدعقیدگی رکھنا، سراسر گمراہی ہے اور ایسا شخص اہلسنّت والجماعت سے خارج ہے مثلاً حضرت امیر معاویہ، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حتی کے حضرت وحشی جنہوں نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کو قتل کیا تھا لیکن اسلام لانے کے بعد اسلام کے ایک بڑے دشمن مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو قتل کیا ان صحابہ کی شان میں گستاخی بھی سراسر گمراہی ہے جبکہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ پر تبرا کرنے والا اور ان کو کافر و مرتد کہنے والا خود کافر ہے، صحابہ کے درمیان جو واقعات ہوئے ہیں ان میں پڑنا سخت حرام ہے، مسلمان کو صرف دیکھنا یہ چاہیئے کہ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے تھے اور ہمارا متفقہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب جنتی ہیں۔

شیعوں کا عقیدہ:

شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تین آدمیوں کے سواء تمام مرتد ہو گئے تھے"۔ (رجال کشی، مطبوعہ کربلا: ۲، باب تذکرہ سلیمان، مناقب ابن شہر آشوب، ج: ۳ ص: ۱۹۵، انوار نعمانیہ ج: ۱ ص: ۸۱، مطبوعہ تبریز تذکرہ نور مرتضوی)

امام جعفر صادق ہر فرض نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کیا کرتے تھے ان میں معاویہ بھی شامل ہیں۔

(فروع کافی کتاب الصلوٰۃ ص: ۳۴۲، ج: ۳ مطبوعہ بیروت)

وھابیوں کاعقیدہ:

جو شخص صحابہ میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا (فتاویٰ رشید احمد گنگوہی ،ج:۲ ص:۱۴۱) جبکہ اسماعیل دہلوی کو کافر کہنا خود کافر ہونا ہے (ج:۳،ص:۱۶) گویا ان کے نزدیک ان کے علماء کا صحابہ سے بھی بڑا مرتبہ ہے۔

قرآن کی روشنی میں:

صحابہ کرام کی شان میں یہ آیت صریح اور جلی موجود ہے "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ" (توبہ:۱۰۰) اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لئے تیار کرر کھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

مہاجرین اور انصار اور ان کے متبعین میں تمام صحابہ آگئے ،اور جب تمام صحابہ کیلئے خدا کی رضا اور وعدہ جنت قرآن سے ثابت ہو گیا تو پھر ان کو برا بھلا کہنا ان کے افعال واعمال پر اعتراض کرنا یا معاذ اللہ ان کو کافر و مرتد کہنا بھلا کب جائز ہو سکتا ہے بلکہ اس قسم کے عقائد دراصل قرآن کا انکار ہیں اور کفر ہیں۔

(۲): "لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا" (فتح:۱۸) تحقیق راضی ہو گیا اللہ ایمان والوں سے جبکہ (اے نبی) وہ آپ سے بیعت کرر ہے تھے درخت کے نیچے پس معلوم کیا اللہ نے جو کچھ انکے دلوں میں تھا پھر اتارا اللہ نے سکینہ ان پر اور بدلہ میں دی ان کو فتح قریب۔

اس آیت میں صلح حدیبیہ کی بیعت کا ذکر ہے جن صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ان کی فضیلت قرآن بیان کر رہا ہے۔

(۱): سب سے پہلے تو قرآن نے ان بیعت کرنے والوں کو مومنین فرمایا لہٰذا جن کے ایمان کی شہادت خود قرآن دے ان کو جو مومن نہ مانے وہ قرآن کا منکر اور کافر ہے۔

(۲): دوسرے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضا کو لفظ (تحقیق) کے ساتھ بیان کر کے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ ان صحابہ کا انجام بھی بخیر ہوگا، اور آخیر عمر تک ان سے کوئی کام خلاف رضائے الٰہی صادر نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب اگر ان سے آئندہ کوئی کام خلاف رضائے الٰہی صادر ہونے والا ہوتا تو خدا کبھی ان سے راضی ہونے کا اعلان نہیں فرماتا، لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ پہلے تو خدا ان سے راضی ہوگیا تھا لیکن جب بعد میں انہوں نے احکامات کی خلاف ورزی کی تو ناراض ہوگیا یہ دراصل خدا کے عالم الغیب ہونے کا کھلا انکار ہے۔

(۳): صحابہ کے دلوں کی حالت کا علم بیان کر کے ان کے خلوص کا بھی اعلان فرما دیا گویا منکرین کے ان وسواس کا پہلے ہی جواب دے دیا کہ ہم صرف انکے ظاہری فعل کو دیکھ کر انسے راضی نہیں ہوئے بلکہ ہمیں ان کے دل کا حال بھی معلوم ہے۔

(۴): پھر سکینہ کا نزول کا بھی ذکر فرمایا، ظاہر ہے جس پر سکینہ نازل ہوا اسکے ایمان میں پھر کوئی جنبش نہیں ہوتی بلکہ عظیم استقامت مل جاتی ہے۔

(۵): "اثابھم" کے لفظ سے بیان کر دیا گیا کہ اس بیعت میں شریک ہونے والوں کو اس بیعت کا بدلہ میں اللہ کی طرف سے تین انعام دینے کا وعدہ ہے ایک فتح قریب (یعنی فتح مکہ) دوسرے مغانم کثیرہ، اس سے مراد خیبر کا مال غنیمت ہے اور تیسرا وہ مغانم جو عرب کے احاطہ قدرت سے باہر ہوں اس سے مراد فارس و روم کی فتوحات ہیں کیونکہ مغانم خیبر کے بعد کوئی ایسی فتوحات نہیں سوائے فارس و روم کی

فتوحات کے ان کو عرب کے احاطہ قدرت سے باہر کہا جا سکے۔لہٰذا یہ تیسرا وعدہ خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پورا ہوا۔

(٦): اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اس بیعت میں تینوں خلفاء بھی شامل تھے، اور وہ لوگ بھی اس میں شامل تھے جنہوں نے ان خلفاء کا انتخاب خلافت کے لئے کیا لہٰذا اس آیت کی رو سے وہ سب اہل ایمان، پسندیدہ خدا اور خلوص واخلاص کے پیکر ثابت ہوئے اور ان کی خلافت کا فیصلہ اور تینوں خلیفوں کی خلافت بھی برحق اور جور وظلم سے پاک خلافت راشدہ ثابت ہوگئی۔

حدیث کی روشنی میں:

(١): ارشادرسول ہے :اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لاتتخذوھم غرضامن بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللّٰہ ومن آذی اللّٰہ تعالی فیوشک ان یأخذہ "(مشکوٰۃ) ڈرو تم خدا سے میرے اصحاب کے بارے میں اس کلمہ کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا مت بناؤ تم میرے پیچھے نشانہ ان کو طعن کا پس جو کوئی ان کو دوست رکھتا ہے پس وہ نسبت میری دوستی کے ان کو دوست رکھتا ہے اور جو ان کو دشمن رکھتا ہے پس وہ بسبب میری دشمنی کے ان کو دشمن رکھتا ہے اور جو کوئی ان کو ایذاء پہنچائے پس تحقیق اس نے مجھے ایذاء پہنچائی جس نے مجھے ایذاء پہنچائی اس نے خدا کو ایذاء پہنچائی اور جس نے خدا کو ایذا پہنچائی پس قریب ہے کہ خدا اسکو پکڑ لے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کی شان میں کوئی بھی نازیبا کلمہ کہنا شقاوت اور بدبختی کی دلیل ہے۔

(٢): لن یلج النار احد بمن تحت الشجرة "(مشکوٰۃ) ارشادرسول ہے کہ جن لوگوں نے مجھ سے درخت کے نیچے بیعت لی ان میں سے کوئی بھی ہرگز دوزخ میں

نہیں جائے گا۔ایک مقام پر حضور ﷺ نے فرمایا:"انتم الیوم خیر اھل الارض" یعنی اے اصحاب حدیبیہ آج تم تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو۔لہٰذا جن کو حضور ﷺ نے روئے زمین کے لوگوں سے افضل فرمایا ہو اور جن کے انجام کی بھی خبر دے دی ہو کہ وہ جنتی ہیں ان کو دوزخی اور مرتد کہنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

(۳): "ان اللہ قداطلع علیٰ اھل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم"، تحقیق اللہ نے نظر کرم فرمائی اہل بدر پر پس فرمایا تم جو چاہو کرو تحقیق میں نے بخش دیا تم کو۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اب آئندہ بھی ان سے کوئی عمل ایسا نہیں ہوگا جو ان کے جنت میں جانے کے لئے مانع ہو۔لہٰذا ایسے جنتی لوگو کو سب وشتم اور تبرا بازی اور لعنت وغیرہ کرنا درحقیقت خود پر وہ لعنت کرتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کسی شخص پر لعنت بھیجے اور وہ لعنت کا مستحق نہ ہو تو وہ لعنت واپس بھیجنے والے پر پڑتی ہے۔

(۴): " لاتسبوا اصحابی ": حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے اصحاب کو برا مت کہو۔لہٰذا فرمان رسول ہے کہ سب صحابہ کرام کے لئے سب وشتم سے اپنی زبانوں کو روکنا چاہئے اسی حکم میں حضرت امیر معاویہؓ بھی داخل ہیں وہ بھی صحابی ہیں لہٰذا ان کے خلاف بھی گندی زبان استعمال نہیں کرنی چاہئے ۔دوسرے یہ کہ معاذ اللہ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دین سے پھر گئے ہوتے جیسا کہ روافض کا خیال ہے تو حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نظام حکومت ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ، یہ خلافت کا ان کے سپرد کرنا حضرت معاویہ کے مسلمان اور گروہ صحابہ میں ہونے کا ثبوت ہے ورنہ معاذ اللہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر لوگوں کو گمراہی میں ڈالنے کا الزام آجائے گا۔گویا حضرت امیر معاویہؓ پر طعن درحقیقت حضرت امام حسنؓ پر طعن ہے۔بلکہ یہ طعن حضور اکرم ﷺ پر بھی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت

امام حسنؓ کے لئے فرمایا کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے دو بڑے گروہ اسلام میں صلح کرادے گا (بخاری) اس حدیث سے بھی حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

الغرض وہ اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے اسلام کا اعلان "ھو سماکم المسلمین" سے ہو چکا ہو جن کی فلاح اور کامیابی کا "قد افلح المومنون" سے اعلان کر دیا گیا ہو، جن کے تزکیہ اور تطہیر کا بیان "یرید اللہ لیطھرکم" اور "یزکیھم" کے ذریعہ کر دیا گیا ہو، جن کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند "اولئک ھم الراشدون" کے ذریعہ کر دی گئی ہو، جن کی ادائیگی نماز کی پابندی کی خود خدا شہادت دے رہا ہو "ھم علیٰ صلواتھم یحافظون"، جن کے وعدہ وفا کرنے کی تعریف خود خدا کر رہا ہو، "والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون" جن کے ظاہری و باطنی انعامات کا اس طرح تذکرہ ہو "اسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ" جن کے ہاتھ خدا کے ہاتھوں میں ہوں "یداللہ فوق ایدیھم"، جن کے پیچھے اور اقتداء میں رحمۃ للعالمین اور امام المرسلین نے نمازیں ادا فرمائیں جن کے زانو پر کائنات کا والی دو جہاں کا بادشاہ اللہ کا محبوب آرام فرما ہو، جن کے کندھے حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرسی ہوں، جن کے بارے میں ان کے رب کا یہ ارشاد ہو کہ "ھو الذی یصلی علیکم" (کہ اللہ تم پر صلوۃ بھیجتا ہے) جن کے مزار پر انوار اور دائمی آرام گاہ کے لئے جنت کے باغ کو (ریاض الجنۃ) منتخب کیا گیا ہو، جن کے دیدار کے لئے جنت کی حوریں منتظر ہوں، جن کے گوشۂ جگر صاحبزادیاں، دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کنار ہوں، جن کے عشق کی معراج یہ ہو کہ انہوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دیا ہو، ایسی عظمتوں والی ہستیوں کو برا بھلا کہنا درحقیقت قرآن، صاحب قرآن اور منزل قرآن یعنی رحمٰن کی

توہین اور اس کا صریح انکار ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی خلافت

اہل سنت والجماعت کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ اول بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور خلیفہ ثانی برحق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور خلیفہ ثالث برحق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں اور خلیفہ رابع برحق حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔

جبکہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ سے بھی ثابت ہے۔ اور ان تینوں حضرات کی خلافت پر امت کا اجماع تھا۔ خلافت راشدہ یعنی خلافت علی منہاج النبوۃ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لیکر حضرت امام حسنؓ کی خلافت تک کے عرصہ کو کہا جاتا ہے ان کے علاوہ حضرت علی کی اولاد میں سے حضرت امام حسینؓ، امام زین العابدین، امام باقر، امام جعفر، امام موسیٰ کاظم، امام موسیٰ رضا، امام تقی، امام حسن عسکری رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ سب حضرات ولی کامل اور مقام غوثیت کے مالک تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی خلافت کے منصب پر فائز نہیں تھا، ہمارے یہاں خلیفہ کے لئے معصوم ہونے بفرض الطاعۃ اور اللہ اس کے رسول کی طرف مقرر ہونے کا عقیدہ نہیں۔

روافض اور شیعوں کا عقیدہ: حضور ﷺ کے بعد امامت اور خلافت صرف اہلبیت کا حق ہے اور قیامت تک یہ دونوں چیزیں انہی کی میراث ہیں اور ان خلفاء کی تعداد بارہ تک محدود ہے، جس میں سے گیارہ تو گزر چکے ہیں بارھویں امام صدیوں سے کسی غار میں چھپے ہوئے ہیں کسی وقت بھی ظاہر ہو جائیں گے۔ اور تمام امام اور خلیفہ مثل نبی معصوم ہیں انکی اطاعت فرض ہے، اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہیں خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اس عہدہ کے لئے نامزد ہیں، ان اماموں کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس کو چاہیں حرام کر دیں، ان کا مرتبہ

انبیاء سابقین سے بھی زیادہ ہے ان کے یہاں خلیفہ اول اور امام اول حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور چونکہ ظاہری طور پر آپ کو خلافت ارضی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نہ مل سکی لیکن چونکہ حق انہی کا تھا اسلئے جو بھی کوئی خلیفہ اور امام بنا وہ ظالم اور غاصب اور کافر ہے، حقیقت میں حضرت علیؓ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ تھے ان کے یہ عقائد ہیں (اصول کافی :۵ ۲۳۵، ۲۶۳، /۲۷۸ بحار الانوار ص: /۴۶ اعتقادات صدوق ص/۱۲۸ ارشاد شیخ ص:۲۳۵) میں تفصیل سے درج ہیں۔ چنانچہ اعتقادات صدوق ص:۱۲۸ میں ہے ''جو امام نہ تھا اس نے دعویٰ امامت کیا وہ ظالم وملعون ہے جس نے نااہل کو امام بنایا وہ بھی ظالم وملعون ہے، اور جس نے حضرت علی اور ان کے بعد آنے والے ائمہ کی امامت کا انکار کیا اس کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس نے تمام چیزوں کی نبوت کا انکار کیا''۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آخری امام مہدی ظاہر ہونے کے بعد تمام زمین پر بادشاہت کریں گے اور فرعون وہامان یعنی ابوبکر وعمر کو حضرت علی کے ساتھ حق تلفی کا مزا چکھائیں گے اور حضرت عائشہؓ کو معاذ اللہ زنا کی سزا کوڑوں کے ذریعہ دیں گے۔ چنانچہ ان کا ایک پیشوا ملا باقر لکھتا ہے ''ان کے (مہدی) کے تشریف لانے کے بعد ہم انہیں ان کے دشمنوں پر غلبہ عطاء کریں گے تاکہ ان سے بدلہ لے سکیں، انہیں اقتدار اور زمین پر قدرت عطاء کریں تاکہ باطل کو بھگا کر حق کو ظاہر کریں اور فرعون و ہامان یعنی ابوبکر وعمر اور ان کے ساتھیوں کو بتلائیں کہ تم وہ لوگ ہو جنہوں نے آل محمد کے حقوق غصب کئے تھے اور انہیں قتل وسزا کے خوف سے ڈراتے رہے، جب ہمارے امام ظاہر ہوں گے تو عائشہ کو زندہ کریں گے تاکہ ان پر حد جاری کریں اور حضرت فاطمہ کا ان سے انتقام لیں''۔ (حق الیقین ملا باقر مجلسی، بیان اثبات رجعیت ص:۳۱۶، ۳۱۹)۔ تمام شیعہ اسی لئے خلفائے ثلاثہ اور امیر معاویہؓ پر ہر نماز کے بعد

لعنت بھیجتے ہیں۔

''ہم نے امام جعفر صادق کو سنا آپ ہر جہر، خفی نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کیا کرتے تھے فلاں فلاں، فلاں اور معاویہ، ان کا نام لیکر اور فلانہ فلانہ فلانہ اور ہنداور ام حکم ہمشیرہ معاویہ'' (فروع کافی کتاب الصلوٰۃ ج ۳: ص: ۳۴۲، مطبوعہ تہران) بطور تقیہ جن مردوں عورتوں کے نام نہیں لئے گئے ان میں سے ایک ابوبکرؓ ہیں اور دوسرے عمر تیسرے عثمان غنی، اسی طرح عورتوں میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، مراد ہیں۔

قرآن کی روشنی میں:

(۱): ارشاد رب العزت ہے۔''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْـــًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ'' (نور: ۵۵) وعدہ دیا ہے اللہ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تم میں سے اور کئے انہوں نے اچھے کام کہ ضرور ضرور خلیفہ بنائے گا ان کو زمین میں جیسے بنایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے اور ضرور ضرور تمکین دے گا ان کے لئے ان کے دین کو وہ دین جو پسند کیا اللہ نے ان کے واسطے اور ضرور ضرور بدلے میں دیگا ان کو بعد ڈرنے کے امن۔ عبادت کریں گے وہ میری نہ شریک کریں گے وہ میرے ساتھ کسی غیر کو اور جو کفر کرے بعد اس کے پس وہ ہی لوگ ہیں فاسق۔

اس آیت میں اللہ نے تین چیزوں کا وعدہ کیا ہے ایک استخلاف فی الارض دوسرا تمکین دین تیسرا اعطائے امن بعد خوف، لہٰذا وعدہ وفا ہونے کی یہی صورت ہے کہ یہ تینوں چیزیں ان کو ملیں۔ دوسرے یہ کہ یہ وعدہ بھی مومنین صالحین سے کیا ہے معلوم ہوا کہ یہ وعدہ حضور ﷺ سے نہیں بلکہ آپ ﷺ کے متبعین سے ہے۔ اور ''منکم'' کی ضمیر

حاضر سے معلوم ہوا کہ یہ وعدہ ان مومنین صالحین سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود اور حاضر تھے لہٰذا اس آیت سے حضرت معاویہؓ، حضرت امام مہدی، اور خلفائے بنو عباس، بنی امیہ نکل گئے، اسی طرح حضرت علیؓ کا دور اس سے مراد لیا جائے تو اول تو یہ تخصیص بلا مخصص ہے اسکے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ تینوں نعمتوں کا مجموعہ ان کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔

حتی کہ ہم اہلسنّت تو مانتے ہیں کہ دو نعمتیں ان کو ملی تھیں ایک استخلاف فی الارض اور دوسری تمکین دین کی البتہ صرف امن کی نعمت ان کو حاصل نہیں تھی جبکہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ان کو صرف استخلاف فی الارض ایک نعمت ملی تھی تمکین دین اور امن یہ دونوں نعمتیں ان کو حاصل نہیں تھیں حتی کے استخلاف فی الارض کی نعمت برائے نام ان کو ملی تھی وہ اپنے عہدہ میں اپنے اصلی مذہب کے اظہار پر قادر نہیں تھے اسی لئے وہ متعہ حلال ہونے اور تراویح کے حرام ہونے کا فتوی نہ دے سکے۔ چنانچہ شیعوں کے شہیر ثالث قاضی نور اللہ لکھتے ہیں۔ ''خلافت کا کام جناب امیر کو نہیں ملا مگر برائے نام نہ درحقیقت اور جناب امیر سے جھگڑا اور بغض کیا جاتا تھا ان کے زمانہ خلافت میں بھی اور وہ کیونکر اپنے عہد میں اگلے خلفاء کی مخالفت کر کے بے خوف رہ سکتے تھے جبکہ تمام وہ لوگ جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کے دشمنوں کے گروہ سے تھے''۔ (احقاق الحق، قاضی نور اللہ)

نیز ان کی کتابوں میں ایک حضرت علی کا قول منقول ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ علی جیسے بہادر اور شجاع اور حق گو انسان ڈر کی وجہ سے حق کی بات نہ کر سکے۔ ''مجھ سے پہلے حکام نے کچھ ایسے کام کئے جس میں رسول اللہ کی عمداً مخالفت کی ہے احکام رسول ﷺ کو توڑا اور سنت رسول کو بدلا ہے اگر میں لوگوں کو ان احکام کے ترک پر آمادہ کروں اور ان احکام کو اصل صورت میں یعنی جس صورت میں وہ عہد

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تجھے کر دوں تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے"۔

(کافی کتاب الروضہ، ص:۲۹)

بہر حال جب باتفاق فریقین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا تو ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت ہرگز نہیں ہو سکتی۔لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس آیت میں جس خلافت کا وعدہ ہے وہ خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی خلافت ہے، کیونکہ تاریخ کی روشنی میں یہی وہ تین خلافتیں ہیں جن میں تینوں قرآن کی بیان کردہ نعمتیں موجود تھیں جس کا اقرار مخالفین کو بھی ہے، چنانچہ استخلاف فی الارض کی کیفیت یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر تمام مہاجرین وانصار نے بالاتفاق بیعت کی حتی کے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ انہی کی کتاب میں ہے۔

"امت میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے بغیر دلی رضا کے (حضرت ابوبکرؓ) کی بیعت کی ہو سوائے علی اور ہمارے چار اشخاص کے" (احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران، ص:۴۸)

تمکین دین کی کیفیت یہ تھی کہ عرب وعجم میں اسلام خوب پھیلا اسلام کے مخالف دو بڑی طاقتیں قیصر وکسریٰ ایران اور روم اسی دور میں مسلمانوں کے زیر نگیں آئیں امن کی کیفیت یہ تھی کہ مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے خوف سے نجات مل گئی تھی خود اسکا اقرار مخالفین کی کتابوں میں موجود ہے چنانچہ نہج البلاغۃ میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تو حضرت علی نے فرمایا: "اہل عرب کی تعداد اگرچہ آج کم ہے لیکن وہ بسبب اسلام کے بہت طاقتور ہیں اور یہ سب باہمی اتفاق کے بہت غالب ہیں۔

(نہج البلاغۃ، مطبوعہ مصر قسم اول)

بہر حال ثابت ہو گیا کہ اس آیت کے موعود لھم صرف زمانہ نزول آیت کے

مومنین صالحین یعنی مہاجرین وانصار ہیں اور ان موعود لھم میں سے تین بزرگوں کے ہاتھ پر خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا اور تینوں نعمتیں مہاجرین وانصار کو ان بزرگوں کے ذریعہ پر ملیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ان تینوں کی خلافت برحق اور موعود، قرآن کریم ہے۔

(۲): ارشاد رب العزت ہے۔ "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (انبیاء: ۱۰۵) اور تحقیق ہم لکھ چکے ہیں زبور میں بعد نصیحت کے کہ زمین کے وارث ہوں گے میرے نیک بندے۔

اس آیت مبارکہ میں بطور پیشین گوئی کے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا ذکر کر کے ان کی حقانیت کو بیان کیا گیا لہٰذا اب جو ان کی خلات کو نہ مانے وہ قرآن کی اس آیت کا منکر ہے۔ اس آیت مبارکہ میں الارض پر الف لام عہد خارجی کا ہے جس سے خاص زمین مراد ہے، اور وہ زمین ملک شام کی ہے یا اس سے روم وایران مراد ہیں کیونکہ اس آیت کا سیاق وسباق وقرینہ ہے اس بات کا کہ یہ آیت حضور ﷺ کے اصحاب کو خوشخبری دینے کیلئے نازل ہوئی ہے جبکہ اس کی تائید روایات اور احادیث سے بھی ہوتی ہے جبکہ مطلق زمین مراد لینا یا جنت مراد لینا اس سے درست نہیں کیونکہ اس معنی پر کوئی قرینہ دال نہیں۔ لہٰذا شام کی زمین مراد ہے اور یہ زمین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مفتوح ہوئیں معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات خدا کے اس وعدہ کے مطابق خلیفہ ہیں اور انہی کو خدا نے "عبادی الصالحون" فرمایا ہے۔

حدیث کی روشنی میں: خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے ثبوت احادیث مبارکہ سے بھی ملتے ہیں۔

(۱): حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سو رہا تھا میں نے خواب مین ایک کنویں کو دیکھا ڈول بھی اسپر تھا میں نے اس سے جس قدر خدا کو منظور تھا ڈول بھرے پھر اس

ڈول کو ابو بکرؓ نے لے لیا انہوں نے ایک ڈول بلکہ دو ڈول بھر لئے مگر ان کے بھرنے میں کچھ ضعف تھا اللہ اس کو معاف کرے پھر وہ ڈول ٹب بن گیا اور اس کو عمر نے لے لیا میں نے کسی زور آور کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ عمر کی طرح زور و طاقت سے بھرتا ہو یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)۔

اس حدیث میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی طرف واضح اور صریح اشارہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی قوت اور کثرت فتوحات کا بھی بیان ہے اس کے بالمقابل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کچھ ضعف اضافی کو بھی بیان کر دیا گیا کیونکہ حقیقتاً ان کے دور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی طرح اس قدر شوکت و قوت اور کثرت فتوحات کی نہیں تھی۔

(۲): ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپ ابو بکر اور عمرؓ وزن کئے گئے ابو بکرؓ وزنی رہے پھر عمرؓ اور عثمانؓ وزن کئے گئے اور عمرؓ وزنی رہے بعد اس کے وہ ترازو اوپر اٹھا لی گئی اس خواب کو سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رنج ہوا (یعنی ترازو کے اٹھ جانے سے) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خلافت نبوت ہے اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہت دیگا۔ (ابوداؤد)۔ اس روایت سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت راشدہ بڑے واضح طریقہ سے ثابت ہوتی ہے۔

(۳): ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کسی معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ پھر آنا اس نے کہا کہ اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ پاؤں (اسکا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو جائے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس جانا "**قال ان تجدینی فاتی ابو بکر**" (بخاری و مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اس کے علاوہ ایک اور بھی

روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ میرے بعد ابوبکرؓ کو دینا اگر وہ نہ ہوں تو انکے بعد عمرؓ کو وہ نہ ہوں تو ان کے بعد عثمانؓ کو دینا۔ اس سے بھی خلفاے ثلاثہ کی حقانیت ثابت ہو جاتی ہے۔

شیعہ حضرات کی تفاسیر میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ ابوبکرؓ میرے بعد والی خلافت ہوں گے پھر ان کے بعد تمہارے والد حضرت حفصہؓ نے پوچھا کہ آپ کو یہ کس نے خبر دی تو آپ ﷺ نے اسی آیت استخلاف کا حوالہ دیا۔ (تفسیر صافی علامہ محسن کاسی مطبوعہ تہران سورۃ تحریم / تفسیر قمی) اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی خلافت کی خبر دے دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے یہ خوشخبری حضرت حفصہؓ کو سنا دی اگر یہ خلافت ناجائز ہوتی تو حضور ﷺ ایک ناجائز چیز کی خبر سنا کر حضرت حفصہؓ کو کبھی خوش نہ کرتے۔

ارشادات حضرت علی کی روشنی میں:

(۱): آیت استخلاف سے برسر خلافت پر سب سے پہلے استدلال خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور اس آیت کو حضرت عمرؓ کی خلافت پر منطبق کیا چنانچہ نہج البلاغۃ میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے جہاد فارس کے وقت حضرت علیؓ سے خود اپنے جانے کے متعلق مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”بیشک اس دین کی فتح وشکست کثرت وقلت کے سبب سے نہیں بلکہ اللہ کا دین ہے جس نے اس کو غالب کیا اور یہ اسی کا لشکر ہے جس کو اس سے مہیا کیا اور مدد دی یہاں تک کہ پہنچا اور پھیلا اور ہم لوگ اللہ کے ایک وعدہ پر ہیں اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کو مدد دینے والا ہے۔

(نہج البلاغہ، مطبوعہ مصر قسم اول ص: ۲۸۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے جس وعدہ کا حوالہ دیا ہے تمام نہج البلاغہ کے شراح اس امر پر متفق ہیں کہ یہ وعدہ آیت استخلاف سے ہی انہوں نے اخذ

کیا ہے کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی آیت نہیں جس میں لفظ ''وعدہ'' کے ساتھ استخلاف اور تمکین دین کی خبر دی گئی ہو۔ بہر حال حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کا خلیفہ برحق ہونا اور انکی خلافت کا آیت کے موعودہ خلافت ہونا ان کے دین کو اللہ کا دین اور ان کے لشکر کو اللہ کا لشکر قرار دیکر خود کو بھی اس میں شامل فرمادیا۔

(۲): نہج البلاغۃ میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا جس میں آپ نے فرمایا: ''تحقیق مجھ سے بیعت کی ان لوگوں نے جنہوں نے بیعت کی تھی ابوبکر وعمر وعثمان سے انہی شرائط پر جن شرائط پر ان کے ساتھ بیعت کی تھی لہٰذا اب حاضر کو اختیار حاصل ہے کہ کسی اور کو پسند کرے اور غائب کو کہ میری خلافت کو رد کرے، خلافت کے مشورہ کا حق مہاجرین وانصار کو ہے وہ اگر کسی شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام کہہ دیں تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام ہے۔ مہاجرین اور انصار کے مشورہ سے جو شخص خلاف ہو جائے کوئی اعتراض کر کے یا نئی بات لگا کر تو لوگ اس کو واپس لائیں اسی بات کی طرف جس سے وہ نکل گیا ہے اور اگر نہ مانے تو اس سے قتال کریں کیونکہ اس نے ایمان والوں کی راہ کے خلاف راہ اختیار کی۔ (نہج البلاغۃ قسم دوم) اس خط میں حضرت علیؓ نے صراحت کے ساتھ نام لے کر خلفائے ثلاثہ کے خلیفہ برحق ہونے کی تصریح فرمائی اور اپنی خلافت کے برحق ہونے کے ثبوت میں دلیل نہ پیش کی کہ میرے ہاتھ پر انہی لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ان تینوں خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ آپ نے اس خط میں یہ بھی واضح فرمایا کہ عقد خلافت کا مشورہ مہاجرین وانصار کا حق ہے جس کو یہ لوگ خلیفہ بنادیں وہ ہی برحق اور پسندیدہ خلیفہ ہے۔ اور جو ان کے مقرر کئے ہوئے خلیفہ کو نہ مانے وہ واجب القتل ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ خلفائے ثلاثہ جن کو مہاجرین نے مقرر کیا تھا وہ برحق اور پسندیدہ خلیفہ ہیں اور ان کے منکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے

مطابق واجب القتل ہیں۔

عقلی دلائل:

(۱): خلفائے ثلاثہ کے خلافت حقہ کی سب سے بڑی دلیل خود حضرت علیؓ کا ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے کیونکہ اگر ان کی خلافت حق نہ ہوتی تو آپ جیسا بہادر، شجاع اور بقول تمہارے معصوم اور عالم ما کان و ما یکون کبھی بھی ان سے بیعت نہ کرتا جبکہ آپ کا بیعت کرنا خود ان کی کتابوں سے ثابت ہے۔ اس کے جواب میں شیعہ یہ روایت گھڑتے ہیں کہ آپ کے گلے میں رسی ڈال کر جبراً آپ سے بیعت لی اور آپ نے جان کے خوف سے بطور تقیہ بیعت کر لی۔ اس کا جواب (۱) ایک تو یہ ہے کہ ایسے، اشجع الاشجعین کو ایسا نامراد اور بزدل ثابت کرنا یہ تمہاری حسن عقیدت کا کرشمہ ہوسکتا ہے؟ دوسرا جواب یہ ہے کہ تمہاری نظر میں وہ عالم ما کان و ما یکون ہیں جب ان کو یہ خبر تھی کہ میری شہادت ابن ملجم کے ہاتھ سے فلاں وقت ہوگی تو پھر ابوبکرؓ و عمرؓ سے کیوں ڈر گئے؟ تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ چھ ماہ تک تردد میں رہے اور آپ نے چھ ماہ کے بعد بیعت کی تو جب آپ کو ان چھ مہینوں میں جان کا خوف نہیں ہوا آپ نے تقیہ نہیں فرمایا تو چھ ماہ کون سی اہم ضرورت تقیہ کی پیش آ گئی اور خوف کہاں سے آ گیا؟ چوتھا جواب یہ ہے کہ اگر شیخین نے معاذ اللہ زبردستی بیعت لی تو اتنے دنوں بعد انہوں نے زبردستی کیوں کی پہلے روز ہی زبردستی بیعت لینے میں ان کیلئے کون مانع تھا؟ بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو امام مان لیا تو اب کون ہے جو ائمہ ثلاثہ کو امام ماننے والوں کو ظالم و ملعون کہے۔

(۲): اگر معاذ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ظالم و غاصب اور ملعون اور کافر ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی پاک صاحبزادی ایک کافر سے کیسے بیاہ دی جس کو شیعہ بھی مانتے ہیں کیا کافر سے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے؟ اور اگر نکاح

صحیح نہیں ہوتو اس سے جو اولاد ہوئی حضرت ام کلثوم، حضرت علی اور حضرت حسنین وہ کیا معاذ اللہ ولد الزنا اور حرامی ثابت نہیں ہوئے بلکہ تمام سادات صحیح النسب نہیں رہیں گے۔

(۳): اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کی خلافت حق نہ ہو اور آپ امام اور خلیفہ برحق نہ ہو تو آپ کے دور کے تمام اسلامی جہاد غلط ہو گئے اور یوں جہادوں میں آنے والا مال غنیمت بھی حرام ہو گیا اور اس مال غنیمت میں حضرت علی کو ایک لونڈی ملی جس سے آپ نے محبت فرمائی وہ بھی حرام ہو جائے گا؟ اور معاذ اللہ حضرت علیؓ کے لئے زنا کرنا ثابت ہو جائے گا؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

(۴): اگر آیت استخلاف کا وعدہ حضرات خلفائے ثلاثہ کے دور میں پورا ہونا نہ مانا جائے تو اس کے نتیجہ میں آیت کی پیشن گوئی صادق نہیں آئے گی اور اس طرح خدا کے وعدہ کے خلاف ہونا لازم آئے گا جو بدیہی طور پر باطل ہے۔

افک کی حقیقت

افک کہتے ہیں جھوٹ بہتان اور تہمت لگانے کو۔ بعض منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی لیکن قرآن میں آپ کی برأت میں آیات نازل ہوئیں اس واقعہ کو واقعہ افک کہا جاتا ہے۔

مختصراً واقعہ یہ ہے کہ غزوہ مریسیع جس کو غزوہ بنی المصطلق کے موقعہ پر ۵ھ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھیں اور ایک جمل پر سوار تھیں، غزوہ سے واپسی میں قافلہ مدینہ شریف کے قریب ایک مقام پر ٹھہرا تو حضرت عائشہ ضرورت کے لئے کسی گوشہ میں تشریف لے گئیں وہاں آپ کا ہار ٹوٹ کر گر گیا آپ کو اس کی تلاش میں دیر ہو گئی اتنے میں جب آپ واپس آئیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا، چونکہ آپ دبلی پتلی اور ہلکی سی تھیں اس لئے جمل اٹھانے والے کو

اس کے خالی ہونے کا احساس بھی نہ ہوا۔ آپ جب واپس آئیں تو قافلہ کی جگہ پر آ کر بیٹھ گئیں۔

قافلہ کے پیچھے گری پڑی چیزیں اٹھانے کیلئے ایک صاحب رہا کرتے تھے جن کا نام حضرت صفوانؓ تھا جو اس کام پر مامور تھے، وہ جب آئے تو انہوں نے آپ کو دیکھ کر بلند آواز سے کہا اناللہ وانا الیہ راجعون حضرت عائشہؓ نے ان سے پردہ کیا انہوں نے اپنی اونٹنی بٹھائی اور اسپر حضرت عائشہؓ کو سوار کرا کے اور خود اسکی مہار پکڑ کر قافلہ تک ان کو پہنچا دیا منافقین نے حضرت صفوان سے حضرت عائشہ کو متہم کیا عبداللہ بن سلول جو منافقین کا سردار تھا اس نے مدینہ میں یہ طرح طرح کی افواہیں من گھڑت باتیں پھیلانی شروع کر دیں اور حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے لگے، حتیٰ کے ان کے اس فریب اور مکر میں حضرت حسانؓ بن ثابت انصاریؓ، مسطح بن اثاثہ جیسے صحابہ بھی آ گئے اور ان سے حضرت عائشہؓ کی شان میں بے جا کلمات سرزد ہو گئے حضرت عائشہؓ وہاں سے واپسی پر بیمار ہو گئیں لہٰذا باہر نکلنا ہی نہ ہوا ایک روز حاجت سے جب باہر تشریف لے گئیں تو مسطح کی ماں کی زبانی آپ کو ساری صورت حال کا علم ہوا تو آپ کو صدمہ کہ وجہ سے بخار اور شدید ہو گیا۔ ایک دن اور دو راتیں اس طرح آپ روتی رہیں کہ آپ کے آنسو نہیں تھمتے تھے اور ایک لمحہ کے لئے آپ کو نیند نہیں آتی تھی، اس حال میں حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور حضرت عائشہؓ کی طہارت میں سورہ نور کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾" (نور:11) تمہارا پردہ کھول دینا بیشک کہ یہ بڑا بہتان ہے لاتے ہیں ان میں کی ایک جماعت ہے ان سے اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے

اس میں ہر شخص کے لئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور انہی میں سے جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

قرآن پاک میں حضرت عائشہؓ کی برأت ظاہر کرنے اور آپ کی طہارت کو بیان کرنے کیلئے پوری اٹھارہ آیتیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں اور قرآن میں کسی گناہ پر ایسی تغلیظ تشدید اور تکرار تاکید نہیں فرمائیں گئی جتنی کہ حضرت عائشہؓ پر بہتان باندھنے پر فرمائی گئی ان پر تہمت لگانے والوں کو حد لگائی گئی اس سے آنحضرت ﷺ کی وقعت و منزلت اور حضور ﷺ کی پیاری زوجہ کی پاکدامنی اور آپ کی اللہ کی بارگاہ میں وقعت و منزلت اور غیرت کا پتہ چلتا ہے اور آپ پر بہتان لگانے والوں کے لئے قرآن کے ارشاد مبارک کے مطابق عذاب عظیم ہے لہٰذا شیعہ اور روافض جو آج بھی حضرت عائشہؓ پر معاذ اللہ تہمتیں لگاتے ہیں وہ گویا قرآن کے ارشادات کے منکر ہیں اور عذاب عظیم کے حقدار ہیں۔ خود شیعوں کی کتاب میں ہے:

''حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کی اس کی توبہ قبول ہو جائے گی مگر جس نے سیدہ عائشہؓ کی شان میں گستاخی کی اس کی توبہ بھی قبول نہیں'' (منہج الصادقین، جلد ششم ص: ۲۶۸، مطبوعہ تہران)۔

اسی کاشیعوں کی تفسیر میں ہے کہ حضرت حسانؓ اور حضرت مسطحؓ بھی اپنے بھولے پن کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی باتوں میں آگئے تھے اس لئے ان پر شرعی حد بھی لگائی گئی اور دنیا میں ہی خدا کی طرف سے ان کو یہ سزا بھی ملی کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ضائع ہو گئیں اور وہ نابینا ہو گئے اور مسطح کے ہاتھ شل ہو گئے۔

لہٰذا وہ شیعہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر آج بھی تہمتیں لگاتے ہیں اور ہر نماز کے بعد آپ پر لعن وطعن کو کار ثواب سمجھتے ہیں وہ کب خدا کی پکڑ سے بچ سکیں

گے اور دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی سے کیسے چھٹکارا پاسکیں گے اور شاید شیعہ کو بھی ماتم، زنجیریں مارنا، اپنے آپ کو لہولہان کرنا یہ اسی گستاخی کا اثر ہے کہ آج بھی یہ دنیا میں ذلیل رسواء ہیں اور قیامت کے دن گو عذاب عظیم کی وعید ہے شیعوں کی گستاخی ملاحظہ فرمائیں:

"عمل الشرائع میں ابن بابویہ نے امام محمد باقرؓ سے روایت کی ہے کہ جب امام قائم ظاہر ہوں گے تو وہ حضرت عائشہؓ کو زندہ کریں گے تا کہ ان پر حد لگائیں اور حضرت فاطمہؓ کی طرف سے انتقام لیں۔ (حق الیقین، در بیان اثبات رجعیت، ص ۲۱۹)

اور گستاخی: "امام جعفر صادق ہر فرضی نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کیا کرتے تھے، فلاں فلاں، فلاں، معاویہ، ان کا نام لیکر اور فلانہ، فلانہ، اور ہند اور ام حکم ہمشیرہ معاویہ، (فروع کافی، کتاب الصلوٰۃ باب التعقیب، ج: ۳ص: ۳۴۲)

اس روایت میں شیعوں نے تین مردوں اور دو عورتوں کا نام بطور تقیہ نہیں لیا یہ راوی کی طرف سے ہے ورنہ امام جعفر صادق اس روایت کے الفاظ کے مطابق ان تین مردوں کے نام یعنی، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور دو عورتوں میں حضرت عائشہؓ، اور حضرت حفصہؓ، کے نام لیکر ان پر لعنت کیا کرتے تھے۔ (معاذ اللہ)

اس واقعہ افک سے وہابیہ جو استدلال کرتے ہیں اس کی بحث حاضر و ناظر میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

توسل واستمداد

توسل و استمداد کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے بعض جائز ہیں اور بعض ناجائز۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ان صورتوں کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اشعۃ اللمعات ج: ۳ص: ۴۱، ۴۲ میں فرماتے ہیں۔

(۱): توسل و استمداد کی استعانت کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ تعالیٰ

سے اس طرح دعا کرتا ہے کہ اے اللہ اپنے فلاں محبوب اور مقبول بندے کے صدقہ جسے تو نے عزت وکرامت بخشی ہے مجھ پر بھی کرم فرما اور میری حاجت پوری فرما۔

(۲): دوسری صورت یہ ہے کہ سائل اور حاجتمند اس اللہ کے مقبول اور مقرب بندے کو پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ کہ اے اللہ کے بندے اور اللہ کے ولی میری اللہ کی بارگاہ میں شفاعت اور سفارش کر اور اللہ سے سوال کر کہ وہ میری حاجت کو پورا کردے اور وہ رب کائنات میری مشکل آسان فرمادے۔

شیخ محقق فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں چونکہ قضائے حاجت اور عطائے مطلوب صرف اللہ کی ذات سے ہے اور یہ بندہ مقرب درمیان میں صرف وسیلہ ہے لہٰذا بالکل جائز ہے اگر یہ دونوں صورتیں اولیاء سے بعد وفات شرک اور ناجائز ہوں تو ان کی زندگی میں بھی شرک اور ناجائز ہونی چاہئے حالانکہ بالاتفاق سب کے نزدیک اولیاء سے زندگی میں یہ توسل اور دعا کی درخواست کی دونوں صورتیں جائز ہیں بلکہ مستحسن ہیں اور بعد وفات بھی یہ صورتیں جائز ہوں گی۔

(۳): تیسری صورت استعانت اور توسل کی یہ ہے کہ زائر یہ اعتقاد رکھے کہ اہل قبور خود مستقل طور پر تصرف کرتے ہیں اور وہ رفع حاجات اور حل مشکلات میں مستقل اور قادر مطلق ہیں بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کئے اور بغیر دعا والتجاء کے یہ اعتقاد بیشک ناجائز اور شرک ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والا اسلام سے خارج ہے۔ بہر حال اللہ کے مقبول بندوں سے ان کی حیات ظاہری اور اس عالم سے پردہ فرما جانے کے بعد دونوں حالتوں میں ان کو اللہ کے اذن اور عطاء سے عالم میں متصرف ماننا اور ان سے توسل واستمداد کی مندرجہ بالا پہلی دونوں صورتیں جائز ہیں اور بڑے بڑے علماء صوفیاء اور اولیاء کے عمل میں بھی ہیں۔

وھابیوں اور دیو بندیوں کا عقیدہ: (مشکل میں دستگیری فتح ونصرت۔

اور کشائش رزق وغیرہ) ان کاموں کی طاقت ان (اولیاء وانبیاء) کوخود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کوایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان، اسماعیل دہلوی:ص:۱۰)"فمن استغاث لغیرہ فقد کفر"یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کوفریادرس ماناپس وہ کافر ہوگیا۔(مجموعہ التوحید ص:۱۱۲،شائع کردہ عبدالعزیز آل سعود) اب بھی جوکوئی کسی مخلوق کاعالم میں تصرف ثابت کرے اور انبیاء کووکیل سمجھ کراس کو مانے اب اس پرشرک ثابت ہوجاتا ہے۔ (تقویۃ الایمان :ص:۳۳)۔انبیاء اور اولیاء کو پکارنا اور التجا کرنا شرک تک لے جاتا سکتا ہے۔(کتاب الوسیلہ،ابن تیمیہ۔ص:۶۳)

قرآن کی روشنی میں:

(۱): ارشادربانی ہے "وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ"(نازعات:۵)قسم ان نفوس قدسیہ کہ جوسختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے تیریں پھرآگے بڑھ کرجلد پہنچیں پھرکام کی تدبیریں کریں۔اس مقام پرمفسرین کرام ان مذکورہ صفات کوملائکہ کے علاوہ نفوس کاملہ اولیائے کرام کی ارواح فاضلہ پربھی منطبق کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزمحدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ان صفات سے اہل سلوک کے کامل قلوب مراد ہیں جواپنے نفس امارہ کوکھینچ کر اتباع شرع کی طرف لاتے ہیں، پھر والناشطات سے وہ نفوس مراد ہیں جوکمال نشاط سے اپنے فرائض اورنوافل کی ادائیگی میں لگے رہتے ہیں اور سابحات سے مرادوہ نفوس ہیں جودریائے معرفت میں مشاورت کرتے ہیں فالسابقات سے واصلین کے دل مراد ہیں وہ قرب ووصول کے میدانوں میں ایک دوسرے پرسبقت لے جاتے ہیں اور فالمدبرات امراً سے وہ کامل ومکمل دل مراد ہیں جوفنافی اللہ کے بعدلقاءاللہ کے مرتبہ پرفائزہوکےمخلوق کوخالق سے ملاتے ہیں

پستی سے بلندی کی طرف لے جاتے ہیں، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ وہ نفوس اپنی طاقت وقدرت کی وجہ سے کارکنان قضاء وقدر میں سے ہو کے بند جاتے ہیں اور تدبیر وتصرف فرماتے ہیں خواہ وہ نفوس اپنے ابدان مین ہوں یا اپنے ابدان سے جدا ہوں ہر حال میں مخلوق کی امداد واعانت فرماتے ہیں وہ مدبر اور متصرف ہیں قرآن کے الفاظ میں۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص: ۳۱۸/ تفسیر عزیزی ص: ۲۳/ روح البیان ص: ۳۱۶، ج: ۱۰/ روح المعانی ج ۳ ص: ۲۵/ تفسیر بیضاوی/ اشعۃ اللمعات ج: ۳ ص: ۴۱۰)

ظاہر ہے تصرف اور تدبیر بغیر علم وادراک اور سمع وبصر کے ممکن نہیں لہٰذا اولیائے کاملین کے لئے سماع اور ادراک اور علم بھی ثابت ہو گیا۔

(۲): حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے مدد طلب فرمائی: مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ" (عمران: ۵۲) کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف حواریوں نے کہا کہ ہم دین خدا کے مددگار ہیں۔ اسی طرح دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ کے لئے اللہ نے فرمایا کہ: "وایدناہ بروح القدس" کہ ہم نے پاکیزہ روح (جبرائیل) سے ان کی مدد کی۔ تو یہ کیا غیر اللہ سے مدد حاصل کرنا نہیں ہوا؟ جو غیر اللہ سے مدد لینے کو شرک کہتے ہیں وہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا کہیں گے؟

(۳): "اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ" (آل عمران ۴۹) دوسرے مقام پر "واحی الموتی باذن اللہ" میں مٹی سے پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونک لگاتا ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن کر اڑ جاتا ہے، دیکھئے پیدا کرنا اور مردے زندہ کرنا اللہ کا کام ہے لیکن یہ تصرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمارہے ہیں اور صیغہ متکلم واحد کا استعمال کر کے اپنی طرف اس کو نسبت بھی دے رہے ہیں وہابیوں کی نظر میں یہ شرک ہے تو کیا معاذ اللہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے شرک کیا؟

(۴): "اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ" (نمل: ۴۰) یعنی حضرت سلیمان کا ایک ادنی امتی ولی اللہ پلک جھپکنے میں بلقیس کا عظیم الشان وزنی تخت ہزارہا میل کے فاصلے سے لے کر آ گیا تو کیا اتنے بڑے تصرف کی طاقت ولیوں میں ماننا اب بھی شرک ہوگا؟ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے اولیاء کا مرتبہ حضرت سلیمان کے اولیاء سے بڑھ کر ہے۔

(۵): "یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ" (انفال: ۶۴) اے نبی اللہ آپ کو کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان آپ کے پیروکار ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا: "وایدک بنصرہ وبالمومنین" رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی۔ مومنین جو غیر اللہ ہیں ان کی مدد قرآن سے ثابت ہوگئی تو کیا اب بھی یہ شرک ہی رہے گا۔

(۶): "یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ" (مائدہ) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ طلب کرو۔ اتقوا اللہ میں تمام اعمال آ گئے لہٰذا اب وسیلہ سے اللہ کے پیارے بندوں کی ذوات طیبہ مراد ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تائید ہوتی ہے کہ پچھلے انبیاء کے امتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ سے فتح حاصل کرتے تھے، "وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا" نیز اگر اس سے اعمال مراد ہوں تو جو ایمان لاتے ہی مر جائیں گے وہ سب بے وسیلہ رہ جائیں گے۔ اس میں لفظ وسیلہ عام ہے جو انبیاء اور اولیاء کی تمام ذاتوں کو شامل ہے خواہ وہ وفات سے قبل ہوں یا بعد۔

حدیث کی روشنی میں:

(۱): حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ 'اذا ارا دخوفا فلیقل یاعباد اللہ

اعینونی" یعنی جب تمہیں مدد کی ضرورت ہو تو کہو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔
(حصن حصین، ص: /۱۶۳ کتاب الاذکار للنووی ص: /۲۰۱ تحفۃ الذاکرین، ص: /۱۸۱ ادب المفرد محمد اسماعیل بخاری)

(۲): حدیث میں ہے کہ "سل فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنة قال اوغیر ذالک قلت ھذاقال فاعنی علی نفسک بکثرة السجود" (مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ) حضرت ربیعہ ابن کعب اسمی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، کچھ مانگ لو میں نے کہا میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں فرمایا کچھ اور مانگنا ہے میں نے کہا صرف یہی ہے فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔ یہاں حضرت ربیعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت مانگ رہے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیا شرک کر رہے ہو بلکہ فرمایا یہ التجا تو تمہاری منظور ہے اور کچھ مانگنا ہے وہ بھی مانگ لو۔ یہ غیر خدا سے استغاثہ اور طلب حاجت نہیں تو کیا ہے؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اعنی فرمایا کیا یہ غیر اللہ سے طلب مدد نہیں؟ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ سوال کے مطلق رکھنے سے معلوم ہوا کہ سارا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ہے دنیا وآخرت میں سے جس کو جو چاہیں اپنے رب کے حکم سے عطا فرمائیں۔
(اشعۃ اللمعات، شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

(۳): حضرت آدم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت آدم نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ " انی بحق محمد" میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے جانا حالانکہ میں نے ان کو ابھی تک پیدا بھی نہیں کیا حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب جب تو نے مجھے

پیدا کیا اور میرے اندر روح پھونکی جو میں نے اپنا سر اٹھا کر جب ساق عرش کی طرف دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا '' لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ '' میں نے جان لیا کہ جس کا نام تیرے نام کے ساتھ ہے وہ ضرور تجھے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ پیارا ہوگا اللہ تعالٰی نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا وہ مجھے اپنی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور تو نے اس کے وسیلہ سے دعا کی ہے پس میں نے تجھے بخشا اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ (مستدرک للحاکم ج:۲ ص:۶۰۱، (اور اس کو صحیح کہا ہے)، خصائص نبویہ للسیوطی، دلائل النبوۃ للبیہقی، مواہب اللدنیہ ج:۲ ص:۶۲، زرقانی، شفاء السقام للسبکی اوسط للطبرانی، روایت لابن کثیر، فتاوٰی شیخ الاسلام بلقینی، الوفالابن جزری، دلائل النبوۃ لابی نعیم۔) فتاوٰی ابن تیمیہ میں ایک حدیث ہے جس کے آخری الفاظ ہیں۔ "نظر الی العرش فرأی اسمی فاخبره الله انه سیدولدک فلماغیّر لهماالشیطان تاباو استشفعاباسمی الیه"

(الفتاوٰی لابن تیمیہ ج:۲ ص:۱۵)

بہر حال ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم نے حضور ﷺ کے اس عالم میں تشریف آوری سے قبل آپ کی ذات کا وسیلہ پکڑا اور اللہ نے ان کی دعا قبول کی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ توسل زندگی میں تو جائز ہے اسکے علاوہ نہیں ان کا رد ہو گیا۔

(۴): ایک نابینا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حالت زار اور مشکل بیان کی آپ نے فرمایا جاؤ وضو کرو اور دو رکعت پڑھو اور اس کے بعد یہ دعا کرو "اللهم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یامحمد انی اتوجه الیک الی ربی فجلی لی عن بصری اللهم شفعه فی وشفعنی فی نفسی'' صحابہ فرماتے ہیں کہ ابھی ہم محفل سے جدا بھی نہیں ہوئے

تھے کہ وہ شخص روتا ہوا آیا اس حالت میں گویا کہ اس کو کچھ تھا ہی نہیں یعنی اس کی روشنی واپس آ گئی تھی۔ (حاکم ذہبی ج ۳: ص؛ ۵۱۹، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، ترغیب ج: ۱، ص: ۴۳۸) ان محدثین نے اس حدیث کو صحیح اور حسن فرمایا ہے۔ جبکہ طبرانی نے اس حدیث کے ساتھ ایک واقعہ بھی ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے توسل اور استمداد، نداء، استغاثہ، مدد طلب کرنا، آپ ﷺ کو پکارنا، آپکی زندگی تک خاص نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کا اس پر عمل تھا اور یہ آپ ﷺ سے توسل و استمداد کیا کرتے تھے، چنانچہ طبرانی میں ہے کہ ایک شخص کئی مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے کسی کام کے سلسلہ میں جاتا تھا لیکن حضرت عثمان اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے تھے۔ نیز فرماتے تھے وہ شخص ایک دن عثمان بن حنیف سے ملا اور ان سے شکایت کی عثمان بن حنیف نے کہا کہ جاؤ وضو کرو اور دو رکعت پڑھ کر یہ (مذکورہ بالا) دعا پڑھو۔ اس نے ایسا ہی کیا جب دوسرے روز وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر گئے تو دربان آپ کا ہاتھ پکڑ کر اندر کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے پاس فرش پر بٹھایا اور ان سے پوچھا کہ کیا حاجت ہے۔ انہوں نے اپنی حاجت بیان کی حضرت عثمان غنیؓ نے اس ہی وقت اس حاجت کو پورا کر دیا اور فرمایا جب بھی کوئی مشکل ہو فوراً میرے پاس آجایا کرو وہ شخص وہاں سے خوشی خوشی حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آیا اور کہنے لگا "جزاک اللہ خیرا" شکریہ جو شخص میری طرف التفات تک نہ کرتا تھا آپ نے اس کو میری طرف متوجہ کرا دیا۔ آپ نے فرمایا میں نے اس کو متوجہ نہیں کرایا ہاں البتہ میں نے خود آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنے اندھے پن کی شکایت کی اور آپ نے اس کو یہی دعا تلقین فرمائی اور اللہ نے اس

کی آنکھوں میں اسی وقت نور عطا کر دیا۔

(طبرانی ج:۱،ص:۴۴۰،/مجمع الزوائد،ض:۲،ص:۲۷۹)

(۵): بخاری شریف کتاب العلم کی حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنے نسیان اور بھول جانے کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ اور ہوا میں سے اپنے دست مبارک میں کچھ لیکر ان کی چادر میں ڈال دیا اور فرمایا اب اسکو سمیٹ لو ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد سے پھر کبھی میں نہیں بھولا، حالانکہ عدم نسیان ایسی شئے ہے جس پر سوائے خدا کے کوئی قادر نہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے مانگ کر شرک کر رہے ہو، بلکہ اپنے ہاتھ سے عطاء فرما کر بتادیا کہ ہم سے مانگنا دراصل اللہ ہی سے مانگنا ہے۔ یہ شرک نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت قتادہؓ کی آنکھ کا ڈھیلا باہر آ گیا حضرت معاذ کا ہاتھ کٹ گیا (دار قطنی، بیہقی، ابن ماجہ، خصائص کبریٰ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں یہ حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باذن اللہ ان کو درست فرمادیا، اسی طرح جمعہ کے دن اعرابی کا بارش کیلئے فریاد کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استغاثہ کرنا مدد طلب کرنا اور اس فریاد میں یہ الفاظ کہنا۔

ولیس لنا الا الیک فرارنا

واین فرار الناس الا الی الرسل

لیکن اس کے باوجود کسی نے اس صحابی کو مشرک نہیں کہا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی اور فوراً بارش شروع ہوگئی۔ (بیہقی، دلائل النبوۃ، فتح الباری ج:۲ ص:۴۹۵)

(۶): حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر جتنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غمگین اور اشکبار دیکھا اتنا کبھی نہیں دیکھا،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ کو قبلہ رخ رکھا اور اس کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا "اے حمزہ اے رسول اللہ کے چچا اور اللہ کے شیر اور اسکے رسول کے شیر اے حمزہ اے نیکیاں کرنے والے، اے حمزہ، اے کاشف الکربات (یعنی اے مشکل کشا) (مواہب اللدنیہ ج:۱ ص:۲۱۲)۔

اگر کسی غیر اللہ کو مشکل کشا کہنا شرک اور کفر ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے کیوں فرماتے۔

(۷): حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعر رسول اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے شعر کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہیں آپ کو پکارتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فریاد کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا رکن معتمد اور عصمۃ یعنی جائے پناہ اور فریادرس فرماتے ہیں۔

یارکن معتمد وعصمة لائذ
وملاز منتجع وجار مجاور
یامن تخیره الاله بخلقه
فحباه بالخلق الزکی الطاهر
انت النبی وخیرعصبة آدم
یامن یجود کفیض بحرزآخر

(اصابۃ ج:۱ ص:۲۶۴، الروض الانف، ج:۲ ص:۹۱)

منکرین کے اقوال: رشید احمد گنگوہی سے کسی نے سوال کیا:

سوال: اشعار اس مضمون کے پڑھنے کیسے ہیں؟

یارسول اللہ کبریا فریاد ہے   یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ   میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے

جواب: ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ، ج:۳،ص:۵)

اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفعیہ کے صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق مجاز ہوتے ہیں۔(صراط مستقیم،اسماعیل دہلوی ص:۱۰۳)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

''جو استعانت اور استمداد باعتقاد علم وقدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت'' (امداد الفتاوٰی،مولوی اشرف علی ج:۴ص:۹۹)۔

مولوی اشرف علی تھانوی اپنی کتاب میں عربی اشعار کا منظوم ترجمہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یوں استمداد کرتے ہیں:

یاشفیع العباد خذ بیدی　　انت فی الاضطرار معتمدی

دستگیری کیجئے میری تم　　کشمکش میں تم ہی ہو مرے ولی

لیس لی ملجأ سواک اغث　　مسنی الضر سیدی سندی

بجز تمہارے کہاں میری پناہ　　فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی

اغشنی الدھر ابن عبداللہ　　کن مغیثا فانت لی مددی

ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف　　اے میرے مولیٰ خبر لیجئے میری

ان وہابیوں اور دیوبندیوں کا امام اور پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں اپنے پیرومرشد سید احمد بریلوی کا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر حاضری اور سلسلہ چشتیہ کا فیضان حاصل کرنا خود تسلیم کرتا ہے۔اور سلسلہ قادریہ اور

سلسلہ نقشبندیہ کے معاملہ میں حضرت غوث اعظمؒ اور حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا کی مدد و استعانت اور ان کی خصوصی توجہ سے ان دونوں نسبتوں کا حاصل ہونا تسلیم کرتا ہے اس کے بعد لکھتا ہے کہ:

"سید احمد بریلوی نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین عدد کھجوریں ایک ایک کر کے سید کے منہ میں ڈالیں اور جب بیدار ہوئے تو اس سچے خواب کا اثر ظاہر و باہر پایا"۔

اگر بقول خود ان کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت غوث اعظمؒ، حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا مقدس ہستیاں مکھی بھی نہیں ہلا سکتیں، کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی ہے اس کے بھی مالک نہیں، کچھ غیب جانتے نہیں، کسی کی حاجت پوری نہیں کر سکتے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین مکمل کھجوروں کے مالک کیسے ہو گئے؟ ان کے پیر کو کھلانے پر کیسے قادر ہو گئے پھر سید کا مکان کیسے معلوم ہو گیا؟ وہاں کیسے پہنچ گئے؟ ان کو تینوں سلاسل کی نسبتیں کیسے پہنچا دی؟ کیا یہ سب کام معبودات باطلہ اور اصنام اور احجار کر سکتے ہیں اگر نہیں تو پھر ان انبیاء اور اولیاء کو پتھر والے اور اصنام و احجار کے ساتھ ملانا اور اصنام و احجار کی آیتیں اولیاء و انبیاء پر چسپاں کرنا کتنا بڑا ظلم ہے؟

اعتراضات اور ان کے جوابات:

اعتراض اول: قرآن میں ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں یہاں حصر کے ساتھ فرمایا گیا لہٰذا غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے؟

جواب: اس آیت میں مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی کارساز حقیقی مستعان حقیقی اور مالک حقیقی صرف تیری ذات ہے اور حقیقی مدد صرف تیری ذات سے وابستہ ہے۔ اس قسم کی حقیقی مدد کسی نبی وغیرہ سے چاہنا اور ان کو مستقل بالذات سمجھنے کا عقیدہ رکھنا

شرک ہے لیکن اگر کوئی اللہ کے مقبول بندوں کو عون الٰہی کے مظہر سمجھ کر ان سے مدد طلب کرتا ہے تو یہ شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے کیونکہ یہ مدد درحقیقت خدا ہی سے ہے۔ چنانچہ خود دیو بندیوں کے پیشواء مولوی محمود الحسن اپنے ترجمہ قرآن میں یہی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے"۔

اور اگر ایاک نستعین کے یہ معنی نہ کئے جائیں بلکہ ہر قسم کی مدد غیر اللہ سے مانگنی حرام اور شرک ہو تو پھر تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہے گا کیونکہ کوئی اپنے مدرسہ کیلئے مالداروں سے مدد مانگتا ہے اور چندے اکٹھے کرتا ہے، کوئی بیماری کے لئے ڈاکٹر سے مدد کا طالب ہوتا ہے، کوئی زخمیوں کے لئے ایدھی کی مدد کا طلبگار ہوتا ہے، تو کوئی اپنے بچوں کے بڑے اسکولوں میں داخلے اور نوکریوں کے لئے بااثر شخصیات کی مددیں ڈھونڈتا پھرتا ہے، کیا یہ سب مشرک ہو گئے؟ حتیٰ کہ گزشتہ اوراق میں ثابت ہو گیا کہ قرآن وحدیث میں خود غیر اللہ سے مدد حاصل کرنے کا حکم ہے کہیں نماز اور صبر سے جیسے کہ آیت ہے: "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" میں ہے کہیں اعینونی یاعباداللہ کہہ کر اولیاء سے مدد مانگنے کا حکم ہے وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ اللہ کی دی ہوئی طاقت اور عطا الٰہی سے ان کو معین ومددگار سمجھنا شرک نہیں ہاں مستقل بالذات سمجھنا شرک ہے۔

اعتراض ثانی: "مالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر" اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سواء کوئی ولی ومددگار نہیں۔

جواب: اس آیت میں "ولی اللہ" کی نفی نہیں بلکہ "ولی من دون اللہ" کی نفی ہے

یعنی اللہ کے سوا کفار نے جن کو اپنا ولی بنالیا وہ مددگار نہیں اور وہ ولی اللہ جن کو خود اللہ نے اپنی طاقتوں سے نواز کر اپنے بندوں میں مددگار بنا کر بھیجا ان کے مدد کرنے اور ان سے مدد چاہنے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ جن اولیاء اللہ کے لئے قرآن مددگار ہونے کا اعلان کرے کہ "انما ولیکمَ اللہ ورسولہ و الذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" پھر ان کی مدد میں کون شک کرسکتا ہے۔

اعتراض ثالث: تم اہل قبور سے مدد اور شفاعت طلب کرتے ہو جبکہ مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کو سفارشی مانتے تھے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے اور انسے استعانت کرتے تھے قرآن نے اس وجہ سے ان کو مشرک قرار دیا ہے لہٰذا اسی وجہ سے تم بھی مشرک قرار پائے۔

جواب: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اسکا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ امور جن کا عطاء کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو مثلاً فرزند عطاء کرنا، بارش برسانا، امراض دور کرنا، وغیرہ وغیرہ اگر غیر اللہ سے اس طرح مانگا جائے کہ وہ عطا کرنے میں مستقل ہیں بغیر اللہ تعالیٰ کے دعا اور سوال کے وہ خود دے سکتے ہیں تو یہ شرک ہے اور کفار کو مشرک اسی لئے کہا گیا کہ ان کا عقیدہ اپنے معبودوں کے بارے میں بھی یہی تھا اور ان کو الہٰ اور معبود جان کر ان سے استمداد کرتے تھے جبکہ انبیاء اور اولیاء کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ نہیں بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں ہماری مشکلات پیش کر کے اس کو حل کرواتے ہیں اور حاجت روائی فرماتے ہیں لہٰذا اہل اسلام کی استعانت مشرکین کی اصنام پرستی پر قیاس کرنا لغو اور باطل ہے دوسرے اس قیاس کے باطل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیئے نہیں اور وہ اپنی طرف سے ان کے لئے یہ اختیار مان کر ان سے مدد طلب

کرتے ہیں جبکہ اپنے انبیاء اور اولیاء کو اللہ نے یہ اختیارات عطا فرمائے ہیں لہٰذا اولیاء سے استمداد درست ہوا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشرکین بتوں کو سجدہ کرتے ہیں جو پتھر ہیں لہٰذا مشرک ہو گئے لیکن ہم خانہ کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں جو پتھر کا بنا ہوا ہے لیکن ہم مشرک نہیں کیونکہ ان کا سجدہ حقیقت میں پتھروں کو ہے اور ہمارا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے یہ بھی اس کے حکم سے ہے لہٰذا یہ عبادت ہو گیا۔

اعتراض: زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مردے مر کر مٹی میں مل گئے انہیں خود طاقت نہیں وہ دوسروں کی کیا مدد کریں گے۔ لہٰذا مردوں سے استمداد شرک ہے۔

جواب: پہلا جواب تو یہ ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں غیر خدا کی عبادت اور استعانت دونوں مطلقاً شرک ہیں، خواہ وہ کسی زندہ کی عبادت اور استعانت ہو یا کسی مردہ کی اگر شرک ہیں تو دونوں شرک ہیں قرآن میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی کیا عبادت میں کوئی تخصیص ہے کہ عبادت زندہ کی جائز ہے اور مردہ کی ناجائز؟ تو پھر استعانت میں تخصیص کیوں؟

جواب ۲: انبیاء اور اولیاء کو یہ کہنا کہ معاذ اللہ مر کر مٹی میں مل گئے ہیں کچھ نہیں سنتے ہیں، قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہے کیونکہ شہداء کی حیات پر آیات شاہد ہیں تو جو انبیاء اور صحابہ کہ شہداء سے بھی بالاتفاق افضل ہوں ان میں یہ وصف حیات بدرجہ اولیٰ پایا جائے گا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ زندہ ہیں تو زندگی کے جو لوازم ہیں یعنی سننا دیکھنا، مدد کرنا وغیرہ وہ سب خود بخود ثابت ہو جائیں گے، زندگی میں تم خود استعانت کو جائز کہتے ہو۔ اس کے علاوہ شہید سے صرف وہ مراد ہیں جو تلوار سے مارا گیا ہو بلکہ حدیث شریف کی رو سے دب کر، ڈوب کر مرنے والا، جلنے والا، طاعون، زچگی اور سفر میں مرنے والا وغیرہ وغیرہ یہ سب شہید کہلاتے ہیں اور شہید قرآن کی رو سے زندہ ہے لہٰذا سب اولیاء زندہ ہیں۔ بلکہ امام غزالیؒ تو فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں

مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے موت کے بعد بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔

جواب ۳: اصل میں یہ استمد ادروح سے ہے جبکہ روح موت کے بعد بھی فنا نہیں ہوتی بلکہ اس کی قوتیں اور طاقتیں بڑھ جاتی ہیں چنانچہ قبروں سے باہر والوں کو دیکھنا، قدموں کی آواز سننا، مردوں کو "السلام علیکم یااهل الدیار" کہہ کرسلام کرنا، جنگ بدر کے موقعہ پر حضور ﷺ کا مرنے والوں کو مخاطب کرنا، منکر نکیر کے سوال وجواب، قبر میں عذاب یا انعام، حضرت موسیٰ کا دیگر انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا، حضرت موسیٰ کا بعد وصال معراج کی رات نمازیں معاف کرانے کی درخواست کرنا، مسلمانوں کی مدد کرنا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد حجرہ شریف میں نقاب وحجاب کے ساتھ جانا یہ تمام امور احادیث سے ثابت ہیں اور اسی بناء پر صحابہ وتابعین، علامہ تفتازانی، علامہ بیضاوی، شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ، حتی کہ ابن تیمیہ، قاضی شوکانی بھی اس بات پر متفق ہیں کہ روحیں موت کے بعد بھی باقی ہیں اور ان کی حیات، شعور اور ادراک تام ثابت ہے حتیٰ کہ فتاوٰی عزیزیہ اور اشعۃ اللمعات میں ہے کہ حضرت سیدی احمد بن زردک، جو دیار عرب کے بڑے فقہاء اور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں وہ "فرماتے ہیں کہ میری نظر میں زندہ کی نسبت فوت ہونے والے کی امداد زیادہ قوی تر ہے کیونکہ وہ بارگاہ الٰہی میں قرب کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہوتا ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

کی شہرۂ آفاق تفسیر کا جدید، سلیس، دلکش، دلآویز اردو ترجمہ

ادارہ ضیاء المصنفین

بھیرہ شریف کی زیر نگرانی

مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے علماء کی ایک نئی کاوش

تفسیر در منثور 6 جلد

زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

تعارف

قبلہ ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر دامت برکاتہم العالیہ ۱۸ رجب المرجب ۱۳۷۰ھ کو شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔
قبلہ صاحبزادہ صاحب نے علوم عربیہ کی ابتداء سے انتہا تک اہم اور ادق ترین کتب رکن الاسلام جامعہ مجددیہ میں (والدگرامی قبلہ مفتی صاحبؒ) کے سائے میں رہ کر پڑھیں جن کا علوم ظاہری و باطنی میں سکہ مسلم تھا اور ساتھ ساتھ (Board of Intermediate and Secondary Education Hyderabad) اور سندھ یونیورسٹی کے تحت مولوی عربی، مولوی عالم، فاضل، میٹرک، انٹر، بی۔اے، کے امتحانات حیدرآباد میں نمایاں نمبروں سے پاس کر کے عصری علوم میں بھی مہارت حاصل کرتے رہے۔
دوسال مسلسل ملک المدرّسین استاذ الاساتذہ علامہ عطا محمد بندیالوی کی خدمت میں رہ کر معقولات میں ملاحسن، خیالی، میر زاہد، غلام یحیٰ، مسلم الثبوت جیسی وہ ادق کتابیں پڑھیں اور استاذ کی ان نفیس تقریروں سے اپنی نظر وفکر کو روشن و مستنیر کیا کہ پھر علمی میادین میں جس سمت بھی رخ کرتے سکے بٹھا دیتے۔ آپ نے جب میدان تصنیف میں "حق نبی" اور "مغفرت ذنب" جیسے علمی و تحقیقی معرکۃ الآراء مسائل کی طرف رخ کیا تو دلائل کے وہ انبار لگائے، قرآن وحدیث کے متون اور نصوص سے ایسے نکات اخذ کرتے کہ قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانیؒ استاذ العلماء علامہ عطا محمد بندیالویؒ مفسر قرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، رئیس المحققین علامہ اشرف سیالوی، علامہ حسن حقانی، پروفیسر منیب الرحمٰن سمیت بے شمار علماء مشائخ صرف آپ کے کلام کی تصدیق وتائید ہی نہیں کرتے بلکہ حاسدوں کے حسد اور ان کے مکر وفریب سے محفوظ رہنے کیلئے بارگاہ رب العزت میں دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیتے، خاص طور پر "حق نبی" کے مسئلہ میں قبلہ صاحبزادہ والاشان نے جب اعلیٰ حضرت کے پوتے جناب مولانا اختر رضا خان بریلوی سے علمی مباحثہ کیا تو شاید ہی پاکستان کا کوئی بڑا عالم، فقیہ یا شیخ ہو جس نے آپ کے کلام کی تصدیق وتائید نہ کی ہو۔
آپ کی اس علمی شان وشوکت، خاندانی وجاہت اور میدان عمل میں اخلاص ومحبت کو دیکھتے ہوئے ہر تنظیم میں خواہ جماعت اہلسنّت ہو، جمعیت علماء پاکستان ہو، تنظیم المدارس ہو، متحدہ مجلس عمل ہو، کمیٹیاں برائے امن واتحاد ہوں، اسٹیڈنگ کمیٹیاں ہوں، غرض سیاسی تنظیمیں ہوں یا مذہبی جماعتیں ہوں قبلہ صاحبزادہ والاشان کی قیادت ومرکزیت ناگزیر ہے، یہی وجہ ہے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقیؒ کے وصال کے بعد نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے جدوجہد کرنے والے قافلے کی قیادت کیلئے چار سال دنیا بھر میں ڈھونڈنے کے بعد اگر قیادت کا سہرا کسی کے سر سجایا گیا تو وہ قبلہ ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر دامت برکاتہم العالیہ کی ذات گرامی ہے۔ ان تمام مصروفیات کے ساتھ ساتھ ۱۹۹۳ء میں ہی آپ نے "سندھ کے صوفیائے نقشبند" پر ایک شاندار تحقیقی مقالہ تحریر فرما کر ڈاکٹریٹ جیسی دنیاوی تعلیم کی انتہائی ڈگری حاصل کی اور روحانیت کی اعلیٰ ترین ڈگری "اجازت وخلافت" اپنے والدگرامی کی صحبت میں رہ کر حاصل کی۔ آپ کی انہی نسبتوں اور روحانی مقامات ومراتب کو دیکھتے ہوئے عالم عرب وعجم کی مستند ومعتمد علیہ ہستی سید محمد علوی مالکیؒ نے آپ کو انتہائی محبتوں اور شفقتوں کے ساتھ معقولات ومنقولات اور روحانیت کے سلسلوں کی وہ تمام خصوصی اجازت عطاء فرمائیں جو ان کو عرب کے بلند پایہ مفسرین محدثین وصوفیاء سے خصوصی طور پر حاصل ہوئی تھیں۔